ذاکر حسین لائبریری

DR ZAKIR HUSAIN LIBRARY

[illegible]

NEW DELHI

Please examine the book before taking it out. [illegible] damages to the book [illegible] while returning it.

ان کے بعد دھوبیوں، لودھوں، چھیپوں، کمبوہوں، اوڑھوں، کھٹیکوں کائستھوں، پھر بھوجوں اور درزیوں کا نمبر ہے جن کی تعداد ۲ ہزار اور ۵ ہزار کے درمیان ہے۔

ہندو مذہب کے ماننے والے کمبوہوں کی تعداد یوپی کے دوسرے حصوں کے مقابلے میں اس ضلع میں سب سے زیادہ ہے اور یہ لوگ یہاں پنجاب سے آئے تھے۔ یہ لوگ کھتریوں سے مشابہ معلوم ہوتے ہیں، لیکن عام طور پر زراعت پیشہ ہیں اور بعض صورتوں میں انھوں نے زمینداری بھی پیدا کر لی ہے۔ تقریباً تمام لوگ سہارنپور کی تحصیل میں رہتے ہیں اس ضلع کے کائستھوں کا تعلق زیادہ تر بھٹناگر اور سکسینہ گوت سے ہے اور ان کو بہت کم اہمیت حاصل ہے، اگرچہ ان کے پاس تھوڑی سی زمینداری پائی جاتی ہے

اردڑ۔ اُن کی تعداد ایک ہزار ۲۰ ہے اور صرف رڑکی تحصیل میں رہتے ہیں

بوہرہ:۔ یہ ذات بھی اس قسمت میں خاص طور پر ملتی ہے اور سہارنپور میں اس ذات کے لوگوں کی تعداد ۷ ۴۸ تھی۔ ان کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ یہ مارواڑ سے آئے تھے اور یہ لوگ تجارت اور لین دین کا کام کرتے ہیں۔ بوہرہ کی اصطلاح کو عام طور پر مہاجن کا ہم معنی سمجھا جاتا ہے۔

"جرائم پیشہ یا آوارہ گرد ذاتوں کی نمائندگی بھی اس ضلع میں اچھی تھی مثلاً ہبودہ سانسیا، نٹ، کاپر اور ڈوگوت، اگرچہ ان میں سے اکثر لوگ پولیس کے شبہ سے بچنے کے لئے سوال کرنے پر اپنی ذات کچھ اور بتلاتے ہیں۔

جین مت:۔ جین مذہب کے ماننے والے لوگ بھی اس ضلع میں ایک اہم اور بااثر فرقے کی حیثیت سے پائے جاتے ہیں اور ان میں بہت سے دولت مند اور صحرائی جائداد کے مالک ہیں۔ ان کی تعداد میرٹھ کی کل قسمت میں بہت زیادہ ہے اور

DUE DATE

Cl. No. ____________ *Acc. No.* ____________

Late Fine Ordinary books 25 p. per day, Text Book Re. 1/- per day, Over night book Re. 1/- per day.

جامعہ

زیر ادارت :- پروفیسر محمد عاقل ایم - اے

جلد ۴۱ نمبر ۱ | بابتہ ماہ اکتوبر ۵۴ء | سالانہ چندہ [illegible] فی پرچہ [illegible]

فہرست مضامین

انگریز اور اُن کی تہذیب

براعظم یورپ کے شمال مغرب میں برطانیہ کا جزیرہ واقع ہے جس کا شمالی حصہ اسکاٹستان اور جنوبی حصہ انگلستان اور ویلس پر مشتمل ہے۔ انگلستان کم و بیش ایک مثلث کی شکل رکھتا ہے جو اوپر سے پتلا اور نیچے سے چوڑا ہے۔ شمالی انگلستان، اسکاٹستان کی طرح پہاڑی علاقہ ہے۔ جنوب میں زیادہ تر سرسبز میدان اور جابجا چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں اور ٹیلوں کے سلسلے ہیں۔ بے شمار ندیاں اور چشمے زمین پر خاموشی سے بہتے ہیں۔ آب و ہوا شمالی یورپ کے اور سب ملکوں کے مقابلے میں معتدل مگر بے حد تغیر پذیر ہے۔ یوں تو نہ بہت سخت سردی پڑتی ہے نہ تکلیف دہ گرمی، نہ بہت بارش ہوتی ہے نہ شدید طوفان آتے ہیں۔ لیکن موسم اس قدر تیزی سے رنگ بدلتا ہے کہ کوئی نہیں کہہ سکتا دم بھر میں کیا ہونے والا ہے۔ صبح کہر چھایا تھا، ہوا بند تھی اور دم گھٹ رہا تھا۔ دن چڑھے زور سے ہوا چل رہی ہے۔ دوپہر کو آسمان صاف تھا اور دھوپ ناگوار حد تک تیز، سہ پہر کو بارش ہونے لگی اور سردی سے انگیٹھی جلانے کی ضرورت پڑ گئی۔ ایسے ملک کے باشندوں کو بہت چست اور چوکس ہونا چاہیے۔ ہر سمت کی ہوا کے ساتھ چلنے اور ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھنا چاہیے۔ چنانچہ واقعی یہ صفات اہل انگلستان میں ہمیشہ سے پائی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ چونکہ ملک میں ہر طرح کے جانور چرند پرند نہایت کثرت سے ہیں اور کسی زمانے میں درندے بھی بہت تھے اس لیے شکار ابتدا سے انگریزوں کا خاص شغل رہا ہے اور اس نے ان کی سیرت پر بہت اثر ڈالا۔ اس مشغلے نے ان کے اندر جفاکشی، حزم و احتیاط، صبر اور وہ مخصوص خصلت پیدا کر دی ہے جو ان کی اصطلاح میں Sport — Sportsman یعنی شکاری یا کھلاڑی کی آن کہلاتی ہے یعنی کھیل کا [illegible] کو پچھاڑنے کی [illegible] سے [illegible]

لیکن جب ناکامی کا یقین ہو جائے تو کھلم کھلا ہار مان لینا اور اُسے پروقار سکون کے ساتھ برداشت کرنا، اس کے لئے جو ہمت، دلیری، اخلاقی جرأت اور ضبط درکار ہے وہ انگریز قوم میں بدرجۂ اتم موجود ہے۔ خصوصاً ضبط کے معاملے میں تو دنیا کی کوئی قوم انگریزوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی لیکن اس ضبط میں ان کی جسمانی اور اخلاقی مضبوطی کے علاوہ اُن کی ذہنی اور جذباتی سستی کو بھی بہت دخل ہے اور شمالی قوموں کی طرح ان میں بھی تخیل کی کمی ہے اور ان کے احساس کی لَو قلب کی گہرائی میں خاموشی اور آہستگی سے بہتی ہے۔ وہ ہر محرک کا اثر دیر میں قبول کرتے ہیں اور یہ اثر خواہ کتنا ہی گہرا کیوں نہ ہو دیکھنے والے کو خفیف معلوم ہوتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ انھیں قدرتی طور پر اپنے جذبات پر قابو حاصل ہے اور ان کے لئے قول و فعل میں ضبط سے کام لینا آسان ہے۔ اس ضبط کا اظہار سب سے زیادہ طنز اور مزاح کے ذریعے سے ہوتا ہے جو انگریز قوم اور اس کے ادب کی سب سے نمایاں خصوصیات سمجھی جاتی ہیں۔ انگریزوں کا طنز عموماً بات کو بڑھا کر یا گھٹا کر کہنے پر مشتمل ہوتا ہے۔ جہاں دوسرے اپنی تکلیفوں اور مصیبتوں پر جھنجھلاتے یا روتے ہیں وہاں انگریز عام طور پر اپنے غم و غصے کو طنز کے پردے میں چھپا کر مسکرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مذمت کے موقع پر وہ مبالغہ آمیز تعریف سے اور تعریف کے موقع پر بہت ہی خفیف اظہار ناپسندیدگی سے کام لیتے ہیں۔ خصوصاً اپنی صفات یا کارناموں کے بیان کرنے میں انگریز کا حجاب، تامل اور طنز آمیز انکسار مشہور ہے غرض ان کے طنز کا مقصد عموماً دوسروں پر حملہ کرنا نہیں بلکہ اپنے جذبات پر پردہ ڈالنا ہوتا ہے اور اگر کبھی اسے آلۂ حرب کے طور پر استعمال بھی کرتے ہیں تو نشتر کے زہر میں بجھا کر نہیں بلکہ مزاح کے چھینٹوں سے ٹھنڈا کر کے۔ مزاح کا بھی سب سے اہم مصرف انگریز کے ہاں یہ ہے کہ جو چیز ناگوار ہے اس کے مضحک پہلو کو نمایاں کر کے تلخی اور مایوسی کے جذبات کو دبا دیا جائے۔ [illegible] کام [illegible] سے لیا جاتا ہے کہ جو شخص فکر و عمل کے [illegible] سمجھے جاتے [illegible]

یا مضحکہ خیز بنانے کی کوشش کی جائے — اسے تضحیک کی زنجیر میں جکڑ کر پھر بیابانی ڈگر پر لانے کی کوشش کی جائے۔

غرض انگریزوں کا ضبط اپنی بہترین شکل میں حکیمانہ اعتدال اور درویشانہ صبر اور بدترین شکل میں دہقانی جمود اور بے حسی بن کر ظاہر ہوتا ہے۔

حقیقت میں دہقانیت کا رنگ جو عہد وسطیٰ میں سارے یورپ پر چھایا ہوا تھا انگلستان میں اور ملکوں سے بہت بعد تک چھایا رہا، اس لئے کہ یہ الگ تھلگ جزیرہ ہونے کی وجہ سے براعظم کی تہذیبی تحریکوں کا اثر بہت دیر کے بعد اور بہت کم قبول کرتا تھا بلکہ اب بھی ایک حد تک دہقانیت کی بنیادی صفات انگریزوں کی طبیعت میں موجود ہیں۔ ان میں سب سے نمایاں روایات پرستی ہے، ان کی ریاست کا کوئی دستور اساسی لکھا ہوا موجود نہیں ہے۔ بلکہ بعض روایات کی شکل میں ہے۔ اور یوں بھی امور عامہ کی تنظیم کے لئے تحریری ضوابط بہت کم ہیں۔ زیادہ تر رواج عام اور روایات قدیم کی پابندی کی جاتی ہے اور ان بن لکھے قوانین کا انگریز دل سے احترام کرتے ہیں۔ دہقانوں کی طرح وہ مذہبی اصول، اخلاقی ضوابط، معاشرتی رواج، اور خاندانی دستوروں میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ سب کو یکساں اور واجب التعمیل سمجھتے ہیں۔ ان کی کم آمیزی، دیر آشنائی، اجنبیوں سے وحشت ان کا یہ خیال کہ ان کی ریاست دنیا کی واحد ریاست اور ان کی تہذیب دنیا کی واحد تہذیب ہے، اور ان کا تصور حیات وہ معیار ہے جس پر ساری دنیا کو پرکھنا چاہیے، سب چیزیں دہقانی تنگ نظری کا ثبوت دیتی ہیں۔

یہ اہل انگلستان کی سیرت کے بنیادی عناصر ہیں جو طبیعی ماحول کے اثرات اور نسلی خصوصیات نے ان میں عہد وسطیٰ کے شروع ہونے سے پہلے ہی پیدا کر دئے تھے۔ اس وقت تک یہاں کی آبادی قدیم آئیبرین کیلٹ اور مختلف شمالی نسلوں اینگل، سیکسن، جوٹ، ڈین وغیرہ کا معجون مرکب تھی جن میں سے کوئی نسل بھی ابتدائی تہذیب کے درجے سے آگے بڑھی ہوئی نہ تھی۔ پہلی صدی عیسوی میں جب سے اہل انگلستان کو سابقہ پڑا، رومیوں کی قوم تھی جو ان کے ملک کو فتح کر کے ایک مدت تک یہاں حکومت کرتی رہی۔ رومیوں کی بہت بڑی خدمت یہ ہے کہ [illegible]

تعبیر کرکے آمدورفت میں آسانی پیدا کی اور لوگوں کو امن کی زندگی کا عادی بنایا لیکن اہل انگلستان کی مجموعی سیرت اور تہذیب پر وہ کوئی نمایاں اثر نہیں ڈال سکے۔ البتہ نارمن قوم نے جو عہدِ وسطیٰ میں آکر انگلستان پر قابض ہوگئی، تین سو سال کے تسلط میں انگریزی زبان معاشرت اور مجموعی تہذیب کو بہت کچھ متاثر کیا۔ نارمن بھی شمالی نسل سے تھے، مگر ایک مدت سے ہجرت کرکے شمال مغربی فرانس کے صوبہ نارمنڈی میں آباد ہوگئے تھے اور یہاں عہدِ وسطیٰ کی یورپی تہذیب کے رنگ میں رنگ گئے تھے۔ ان کی بدولت انگریزوں میں کچھ نرمی، لوچ اور شائستگی پیدا ہوئی۔ یہ اپنے ساتھ بانکپن کا نظام لے کر آئے اور اس نے انگلستان کی قدیم دہقانیت کے ساتھ مل کر "جنٹلمین" کا تصور پیدا کیا۔ جو اس وقت سے آج تک انگریزوں کا اخلاقی نصب العین ہے۔ بانکپن کے سپاہیانہ اخلاق کا اصل اصول یہ ہے کہ حریف غالب سے عزت کا، برابر والے سے انصاف کا برتاؤ کرنا چاہئے۔ کمزور جب تک مقابلہ کرے اسے بیدردی سے کچلنا چاہئے اور جب ہتھیار ڈال دے تو اس کے ساتھ حقارت آمیز رحم سے پیش آنا چاہئے۔ عہدِ وسطیٰ میں یہ ضابطۂ اخلاق یورپ کے اور ملکوں کی طرح انگلستان میں بھی طبقۂ امراء تک محدود تھا، وہ ایک دوسرے سے حالتِ امن اور حالتِ جنگ میں ہمیشہ شریفانہ اور منصفانہ برتاؤ کرتے تھے۔ لیکن نیچے طبقوں کو اسی برتاؤ کا مستحق نہیں جانتے تھے۔ بلکہ اُن کے مقابلے میں طاقت کو حق سمجھا جاتا تھا۔ عہدِ جدید میں رفتہ رفتہ قومی اتحاد کے احساس نے طبقہ واری احساس کو کسی قدر کمزور کردیا اور قوم کا ہر فرد قانونی اور اخلاقی حیثیت سے مساوی قرار دیا گیا جہاں تک بیرونی اقوام کا تعلق ہے۔ یورپ کی اور قومیں جس حد تک وہ انگریزوں سے مشابہت رکھتی ہیں شرافت و انصاف کے سلوک کی مستحق سمجھی جاتی ہیں۔ مگر ایشیا اور افریقہ کی قوموں کے لئے دوسرا معیار ہے کہ [illegible] میں نیم مہذب یا غیر مہذب کہلاتی ہیں۔ اور ان کے ساتھ سختی اور نفرت کا [illegible]
[illegible]

دیکھی جاتی ہیں۔

کلاسیکی علوم کے احیاء اور نشاۃ ثانیہ کی تہذیبی تحریکیں جنھوں نے براعظم یورپ میں زندگی کی نئی روح پھونک دی۔ انگلستان تک پہنچتے پہنچتے اس قدر ہلکی ہوگئیں کہ وہ انگریزوں کی سیرت میں کوئی خاص تغیر پیدا نہ کرسکیں۔ اس میں شک نہیں کہ ملکہ الزبتھ کے زمانے میں ادب اور آرٹ کی ایک بڑی تخلیقی لہر شکسپیر کو اپنے دوش پر لئے ہوئے اُٹھی۔ لیکن جو ذہنی بیداری نشاۃ ثانیہ نے پیدا کی وہ ایک چھوٹے سے حلقے تک محدود رہی۔ پوری انگریزی قوم پر اس تحریک کا اثر ذہنی زندگی میں نہیں بلکہ عملی زندگی میں نظر آتا ہے۔ اس نے انھیں جہازرانی اور بحری قزاقی کے بڑے بڑے کارناموں پر ابھارا۔ اور اپنی قومی آزادی کے برقرار رکھنے کے لئے اپنے سے کہیں زیادہ طاقتور حریفوں سے ٹکر لینے کا حوصلہ دلایا۔ ان میں الزبتھ اور ڈریک ریلے جیسی شخصیتیں پیدا ہوئیں۔ جنھوں نے اسپین کی زبردست سلطنت کے دانت کھٹے کردئے اور ہنری ہشتم جیسا دبنگ بادشاہ جس نے یورپ کی دینی قیادت کی زنجیروں کو توڑ کر پھینک دیا اور انگلستان کا جداگانہ قومی کلیسا قائم کرلیا۔

تجدید تہذیب کی تحریک جرمنی سے اٹھی تھی۔ انگریزوں کے ذہن پر نشاۃ ثانیہ سے کہیں زیادہ اثر انداز ہوئی لیکن یہ اثر انگلستان کے سرکاری کلیسا کے ذریعے نہیں پڑا بلکہ آزاد فرقوں کے ذریعے جو لوتھر کے پروٹسٹنٹ مذہب کے مقابلے میں کیلون کے مذہب سے زیادہ قریب تھے۔ انگلستان کے سرکاری کلیسا نے حقیقت میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ مذہب کے بین بین راستہ اختیار کیا یعنی انجیلی عقائد تو لوتھر سے لئے اور کلیسا کی تنظیم پاپائی رومی کلیسا کے طرز پر رکھی۔ مگر یہ دونوں چیزیں عام انگریزوں کی مسیحیت سے زیادہ مناسبت نہیں رکھتی تھیں۔ وہ سرکاری کلیسا کی پیروی محض ایک قانونی فرض سمجھ کر کرتے تھے۔ حقیقی قلبی تعلق نہیں رکھتے تھے جو مذہبیت کی جان ہے۔ ان میں مذہبی [illegible] [illegible] تحریک تھی جو [illegible] کے ذریعے [illegible]

کے دل ودماغ پر چھا گئی۔ یہ مذہبی تحریک کیلون کی تعلیم پر مبنی تھی اور ایک اکھڑ جفاکش اور جنگجو قوم کے لئے غیر معمولی کشش رکھتی تھی پیوریٹن مذہب کے نقطۂ نظر سے اخلاقی زندگی حق و باطل یعنی خدا اور شیطان کی کش مکش کا نام ہے۔ خدائے تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو اس کام پر مامور کرتا ہے کہ شیطانی قوتوں کو شکست دے کر حق کی حکومت دنیا میں قائم کریں اس جدوجہد میں کامیاب ہونے کا انعام دولت اور حکومت ہے جو فضل الٰہی سے برگزیدہ قوموں کو عطا ہوتی ہے۔ پیوریٹن عقیدے نے جہاں انگریزوں کی سخت کوشی، جفاکشی، ضبط نفس اور خشک مزاجی کو اور پختہ کردیا وہاں ان کے کسب زر کے شوق ملک گیری کی ہوس کو بھی مذہبی تقدس کا جامہ پہنا دیا، ان کو یقین ہوگیا کہ ان کی قوم خدا کے برگزیدہ بندوں کی جماعت ہے جو دنیا پر حکومت کرنے کے لئے پیدا ہوئی ہے اور سیاست اور تجارت میں ان کی کامیابی خدا کی خوشنودی کی نشانی ہے۔

عقلی فلسفے کی لہر جو اٹھارھویں صدی میں جرمنی اور فرانس کو بہالے گئی تھی۔ انگلستان کے ساحل سے ٹکرا کر لوٹ گئی عقلیت نے انگریزوں کو صرف اتنا متاثر کیا کہ ان کی تمدنی زندگی کے اصول جو پہلے مبہم تھے اب واضح ہوگئے اور ان سے ایک کم وبیش مربوط فلسفۂ حیات بن گیا۔ اس کا ذکر ہم آگے کریں گے۔ یہاں صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اس فلسفۂ زندگی کے تین اہم اجزاء تھے۔ تجربیت کا علمیاتی تصور، افادیت کا اخلاقی تصور اور انفرادی آزادی کا سیاسی تصور جس نے پیوریٹن مذہب کے سلسلے میں مذہبی عقیدے کی شکل اختیار کرلی اور جس کی تبلیغ تشدد اور جوش وخروش کے ساتھ ساری دنیا میں کی جانے لگی۔

انیسویں صدی میں انگریزی تہذیب کے ان بنیادی تصورات میں اور زیادہ وسعت اور گہرائی پیدا ہوئی خصوصاً سیاسی آزادی کے تصور کا دائرہ اتنا پھیلا کہ ساری قوم اس میں آگئی۔ یہی نہیں کہ متوسط طبقے کے لوگوں کو مساوی سیاسی حقوق حاصل ہوگئے

اور معاشی آزادی نے نظام سرمایہ داری کی صورت اختیار کر لی جو انفرادیت کی آخری حد ہے۔ یہ نظام یوں تو صنعتی انقلاب کے بعد یورپ کے سبھی ملکوں میں پہلے سے زیادہ تیز رفتار سے پھیلنے لگا۔ لیکن جتنی کامیابی اُسے انگلستان میں حاصل ہوئی اور کہیں نہیں ہوئی۔ اس لئے کہ یہ ہر لحاظ سے انگریزوں کے قومی مزاج کے موافق تھا۔ یہ نظام اُن کی قوت ارادی اور قوت عمل کو جولانی دکھانے کا اور اُن کے حب مال اور حب جاہ کو تسکین پانے کا موقع دیتا تھا۔ ملکیت ذاتی کے احترام اور حکومت وقت کے استحکام کی ضمانت کرتا تھا۔ مادیت کی قبیح شکل کو ظاہری مذہبیت کے خوش نما پردے میں چھپاتا تھا۔ تجربیت کو اپنا فلسفیانہ طریق اور افادیت کو اپنا اخلاقی نصب العین مانتا تھا، اور اخبارات کے ذریعے عوام کے جذبۂ آزادی کو مجروح کئے بغیر ان کو حکمران طبقے کے اشاروں پر چلاتا تھا مختصر یہ کہ نظام سرمایہ داری انگریز قوم کی فطرت کے ہر تقاضے کو پورا کرتا تھا۔

لیکن اس کے ساتھ ہمیں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ اس صدی میں انگلستان کے سیاسی نظام میں زبردست تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ طبقۂ امرا کی بلا شرکت غیرے حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ نہ صرف متوسط طبقے بلکہ نچلے طبقے نے بھی سیاسی حقوق میں برابر کا حصہ حاصل کر لیا۔ تہذیبی اور مادی دولت در اصل طبقۂ اشراف ہی کے ہاتھ میں رہی مگر اس میں سے بھی عوام کو اتنا تو دینا ہی پڑا کہ وہ جانوروں سے کچھ بہتر زندگی بسر کر سکیں اس کے لئے ضروری تھا کہ ریاست کے اختیارات میں اضافہ ہو۔ اور انفرادی آزادی پر پابندیاں عائد کی جائیں۔ چنانچہ ریاست نے مزدوروں کی اجرت، اراضی کے استعمال مکانوں کی تعمیر کے قواعد و ضوابط بنائے۔ نئے نئے محصول عائد کئے، مفت اور جبری تعلیم نافذ کی۔ غرض فرد کی زندگی کے مختلف شعبوں میں مداخلت شروع کر دی۔ لیکن یہ تبدیلیاں آہستہ آہستہ نہایت احتیاط سے کی گئیں تاکہ ماضی سے رشتہ [illegible] نہ ٹوٹنے پائے۔ انفرادیت کا نصب العین ترک نہیں کیا گیا۔ لیکن [illegible]

کی ریاست اور اس کے برتر حقوق کا تصور بھی پیدا ہو گیا اور دونوں میں مصالحت کی کوشش جانے لگی۔

یہ خارجی تبدیلیاں اس تغیر کا مظہر تھیں جو انگریزوں کے نفس کی گہرائیوں میں واقع ہو رہا تھا۔ پیورٹن عقیدے کا تشدد اب اپنا رخ بدل رہا تھا اور اپنے نقطۂ نظر اور دائرہ عمل کو وسیع کر رہا تھا۔ اس کا اظہار اب مذہبی زہد خشک کی شکل میں نہیں بلکہ سیاسی قومی جوش کی شکل میں ہو رہا تھا۔ اس کا مطمح نظر اب محض دیندار تاجر کی فلاح و بہبود نہیں تھا بلکہ برطانوی قوم کو آزاد و مہذب اور خوش حال بنانا، اس کی سیادت روئے زمین پر قائم کرنا۔ اس کی تہذیب کو اور اس کے مخصوص جمہوری اداروں کو دنیا میں پھیلانا۔ اس تحریک نے جو انگلستان کے اندر جمہوری قومیت اور باہر برطانوی سامراج کے روپ میں ظاہر ہوئی۔ درحقیقت اب انگریزوں کے مذہب کی حیثیت اختیار کر لی۔ عیسوی مذہب کو انہوں نے ترک نہیں کیا مگر اس سے ان کو عملی تعلق نہیں رہا۔ ادعائی عقیدے کو ماننے والے بہت کم اور اس کے علاوہ رسوم کو ادا کرنے والے ان سے بھی کم رہ گئے۔ یورپ کے اور ملکوں کی طرح انگلستان میں بھی اجتماعی زندگی کا مرکز مذہب نہیں بلکہ ریاست بن گئی۔ لیکن یہ جرمن ریاست کی طرح مطلق اور مستبد نہ تھی بلکہ مشروط اور جمہوری۔

مندرجہ بالا سطور کے مطالعے سے واضح ہو گیا ہوگا کہ انگریزوں کی قوم بنیادی طور پر ایک عملی قوم ہے جس کی قوت اور تدبر کا اظہار برطانوی قومیت کی تشکیل اور برطانوی سلطنت کی تعمیر کے ذریعے سے ہوا۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ ذہنی زندگی کی صلاحیتوں سے محروم رہی اور اس نے اس میدان میں کچھ کیا ہی نہیں۔ یہ سچ ہے کہ مجموعی حیثیت سے فکر و فلسفہ اور فنون لطیفہ میں انگریزوں کا حصہ اطالیوں، فرانسیسیوں اور جرمنوں کے برابر نہیں لیکن انفرادی حیثیت سے [illegible] علمی اور فنی [illegible] [illegible]

ہیں صرف یورپی تہذیب بلکہ تہذیب انسانی کے لئے مایۂ ناز سمجھے جاتے ہیں۔

انگریزوں کے ذہن کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ زندگی کو نظری تصورات کے تابع رکھنے کے بجائے فکر و نظر کو عملی زندگی کی مصلحتوں کے تابع رکھتا ہے۔ اس حقیقت میں اس کے نزدیک علم کوئی مستقل قدر نہیں رکھتا بلکہ محض ایک ذریعہ ہے، دوسری اقدار مثلاً راحت یا قوت کے حاصل کرنے کا۔ اس لئے انگلستان میں علم و حکمت نے اپنا مطمح نظر تلاشِ حق کو نہیں بلکہ صلاحِ کار کو بنایا یعنی اس نے حیات و کائنات کی حقیقت کی جستجو کو مدِ نظر نہیں رکھا بلکہ صرف ان مسائل کے حل کرنے پر قناعت کی جو دنیائے عمل سے علاقہ رکھتے ہیں چنانچہ انگریزی فلسفے میں دراصل مابعد الطبیعیات کا وجود ہی نہیں، البتہ منطق، نظریۂ علم فلسفۂ اخلاق اور فلسفۂ سیاست کو اس سرزمین میں بہت فروغ حاصل ہوا۔

مابعد الطبیعی فکر کے فقدان کا یہ نتیجہ ہے کہ ہیں بائیؔ اور اسپنسر کے سوا کسی انگریز فلسفی کے خیالات میں وہ اندرونی وحدت اور ربط نظر نہیں آتا جو فلسفے کے ایک اہم آہنگ نظام کی تعمیر کے لئے ضروری ہے۔ اگر انگلستان کی پوری ذہنی تاریخ کو سامنے رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انگریز فلسفیوں کی فکر و نظر کے چشمے مل کر دو الگ دھاروں میں بہتے ہیں جن سے قومی طبیعت کے دو متضاد پہلوؤں کا اظہار ہوتا ہے۔ ان میں سے بڑا دھارا جو تجربیت اور افادیت کے فلسفے کا ہے جس کا سرچشمہ انگریزوں کی واقعیت پسندی اور ذوقِ عمل ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ تصوریت اور عینیت ایک چھوٹا سا دھارا بھی ہے اور یہ انگریزی سیرت کے اس لاعقلی عنصر سے نکلا ہے جو ایک طرف مذہبی باطنیت اور دوسری طرف سیاسی قوت پسندی کا رنگ اختیار کرتا ہے

پہلے طرزِ خیال کا نقطۂ آغاز تجربہ ہے جسے علم انسانی کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ تجربہ یعنی وہ تصور جو کسی خارجی ہیجان کی تحریک سے نفس میں پیدا ہوتا ہے علم کی اکائی ہے۔ یہ تصورات عمل ائتلاف کے یا کسی اور میکانکی عمل کے ذریعے جس میں ہمارے ذہن کو کوئی دخل

ہیں۔ ایک دوسرے سے مل کر مرکب تصدیقات کی شکل اختیار کرتے ہیں جو علم کہلاتی ہیں جیسا
ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ اس تجربی نظریہ علم نے صرف مظاہر اور ان کے باہمی علاقوں کے
معلوم کرنے کی کوشش کی اور علوم طبیعی کے میدان میں اسے بڑی بڑی کامیابیاں ہوئیں۔ ا
ن کے ذکر کا یہ موقع نہیں ہے۔ البتہ کائنات کی حقیقت دریافت کرنے یا حوادث طبیعی
کی توجیہہ کا کام اس نظریے سے نہ لیا گیا اور نہ لیا جا سکتا تھا۔ صرف ایک مفکر ہابز
نے تجربیت کے دائرے سے آگے بڑھ کر مابعد الطبیعات کے مادی اور مکانکی نظریے
کی تائید کی اور اس پر اپنے نظام فلسفہ کی بنیاد رکھی۔ نیوٹن بھی مکانکی تصور کائنات
رکھتا تھا مگر اس نے اپنی فکر کی جولانگاہ عام فلسفہ کو نہیں بلکہ صرف ریاضیات کو بنایا۔ اور
سب جدید انگریز مفکر لاک ہیوم، جان اسٹوارٹ مل اور اسپنسر تجربیت کی قدرتی
حقوق کے اندر رہے۔ اور انھوں نے مابعد الطبیعات کے میدان میں قدم نہیں رکھا۔

تجربیت کی بنیاد پر جو اخلاقی نظریات جو انگریز فلسفیوں نے قائم کئے ہیں ان سب
میں یہ بات مشترک ہے کہ راحت کو اعلیٰ اخلاقی قدر قرار دیا گیا۔ البتہ اس امر میں
اختلاف ہے کہ قدر اعلیٰ فرد کی راحت ہے یا جماعت کی افادیت کے حامی مثلاً ہابز
بنتھم جیمس مل وغیرہ، فرد کی راحت کو اور افادیت کے علم سے مراد زیادہ سے زیادہ
لوگوں کی زیادہ سے زیادہ فلاح کو عمل اخلاق کا معیار قرار دیتے ہیں۔

تجربی طرز خیال کی بنیاد پر فلسفہ سیاست کے متعدد نظریے تعمیر ہوئے۔ ایک طرف
... نے روسو کے معاہدہ اجتماعی کی یہ تعبیر کی کہ سیاسی معاشرے یا ریاست کے
وجود میں آنے سے پہلے انسان جو فطری زندگی بسر کرتا تھا وہ سراسر جنگ و جدل پر مشتمل تھی
اس سے نجات پانے کے لئے لوگوں نے ریاست قائم اور ایک شخص کو فرمانروا مقرر کیا۔
ان کی سلامتی اس پر منحصر تھی کہ فرمانروا کو زیادہ سے زیادہ اختیارات حاصل ہوں اور
لوگ ... زیادہ اطاعت کریں ... کا ...

پر انھوں نے ملکیت اور آزادی کے حقوق فرماں روا کی نذر کر دیے، اور اسے اُن پر غیر محدود اختیار حاصل ہوگیا۔ دوسری طرف لاک نے فطری زندگی کے ایک مختلف تصور کی بنا پر معاہدہ عمرانی کو بالکل دوسرے رنگ میں پیش کیا۔ اس کے نزدیک فطری زندگی آزادی اور امن کی زندگی تھی۔ قانونِ فطرت کے مطابق ہر انسان دوسرے سے وہی سلوک کرتا تھا جس کی وہ خود ان سے توقع رکھتا تھا۔ اسی قانون کو باضابطہ اور منظم شکل دینے کے لئے ریاست قائم کی گئی۔ جمہوریت جس کے اندر فرد کے فطری حقوق پوری طرح محفوظ رہتے ہیں، ریاست کی فطری شکل ہے

ہابز اور لاک دونوں کے سیاسی تصورات فرانسیسی فلسفی روسو کی تقلید میں انفرادیت پر مبنی تھے۔ سب سے پہلے ہیوم نے جو اجتماعی افادیت کے اخلاقی نظریے کا بانی تھا۔ اس نظریے کو سیاسیات پر عاید کیا اور فطری حقوق اور معاہدہ اجتماعی کے تصورات کو رد کرکے انفرادیت کا خاتمہ کر دیا۔ ہیوم کے نزدیک اخلاقی نصب العین یہ ہے کہ فرد کی اغراض اور مفاد عامہ میں مصالحت پیدا کی جائے۔ اور اسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے حکومت قائم کی جاتی ہے۔ بنتھم نے افادیت کے اخلاقی اور سیاسی نظریے کی تکمیل کرکے اسے انگلستان کے قومی فلسفہ کے درجے پر پہنچا دیا۔ اسی کے خیالات سے متاثر ہو کر ریکارڈو نے معاشیات کو، جیمس مل نے انگلستان کے دستور کو اور آسٹن نے قانون کو افادیت کے رنگ میں رنگنے کی کوششیں کیں۔ جان اسٹوارٹ مل نے جو انفرادی آزادی کا پرجوش حامی تھا۔ افادی نظریہ ریاست کی کھلم کھلا مخالفت تو نہ کی لیکن ریاست کے دائرۂ عمل کو محدود کرنے اور فرد کے دائرہ حقوق کو وسیع کرنے پر اتنا زور دیا کہ حقیقت میں اجتماعی افادیت کا محض نام ہی نام رہ گیا۔ ہربرٹ اسپنسر نے سیاسیات کی بنیاد حیاتیات پر رکھنے کی کوشش کی اور ریاست کو ایک جسم نامی فرض کرکے ثابت کرنا چاہا کہ جس طرح جسم نامی کے مختلف اعضا کے وظائف کو حیاتی ارتقا نے خود رفتہ معین کر دیا ہے اور ہر ایک کو ایک مستقل حیثیت دے دی ہے اسی طرح سیاسی

اقتدار کے ذریعہ ریاست کے اعضاء یعنی افراد کو زیادہ سے زیادہ آزادی حاصل ہونی چاہئے۔ یہاں تک کہ ریاست کو ان کی زندگی میں کوئی دخل نہ رہے۔ آگے چل کر اسپنسر کو خود محسوس ہوا کہ نہ تو ریاست کو جسم نامی پر قیاس کرنا صحیح ہے اور نہ اس سے وہ نتیجہ نکلتا ہے جو وہ نکالنا چاہتا ہے۔ اس لئے مجبور ہو کر اُسے انفرادیت کی حمایت کے لئے حقوق فطری کے فرسودہ نظریے سے کام لینا پڑا۔ مل اور اسپنسر کے انفرادی نظریوں پر عینیت پسندوں کے علاوہ تجربی مفکروں نے بھی بہت کچھ تنقید کی، غرض انفرادیت اور اجتماعیت کا تضاد انگریزوں کی واقعی زندگی کی طرح ان کی اخلاقی اور سیاسی فکر پر برابر باقی رہا۔

اس تجربی طرز خیال کے مقابلے میں ایک تصوری اور عینی طرز خیال بھی انگلستان میں ابتدا سے اب تک اپنے آپ کو علمی فکر کے مختلف شعبوں میں ظاہر کرتا رہا ہے۔ نظریہ علم کے میدان میں اس کے علمبردار تجربیت کے مقابلے میں وجدانیت کو پیش کرتے ہیں۔ جن کی رو سے علم انسانی کا سرچشمہ "خلقی تصورات" ہیں جو ہر انسان کو قدرت کی طرف سے عطا ہوئے ہیں۔ تجربی مفکروں کے مقابلے میں یہ عینیت پسند مابعد الطبیعی مسائل سے کہیں زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں۔ لیکن ان میں سے بہت کم لوگوں نے اپنے خیالات کو فلسفیانہ نظم و ترتیب کے ساتھ ظاہر کیا ہے۔ مثال کے طور پر برکلے کا نام پیش کیا جا سکتا ہے۔ جس نے روحانیت یا عینیت کا ایک باضابطہ نظریہ پیش کیا۔ لیکن نظری فلسفے سے زیادہ اہم اور قابل قدر ان حضرات کے اخلاقی تصورات ہیں۔ جن کا انگریزوں کے اونچے طبقوں پر بہت گہرا اثر پڑا۔ ان حضرات کے اخلاقی نظریے ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں لیکن سب میں یہ بات مشترک ہے کہ وہ محض راحت یا افادیت کو قدر اعلیٰ تسلیم نہیں کرتے، بلکہ کسی غیر [illegible] [illegible] قدر کو عمل اخلاقی کا نصب العین قرار دیتے ہیں۔ مثلاً کڈورتھ اشیاء کے معروضی تعلقات [illegible] کائنات کی منطقی ترتیب کو اور شیفٹسبری اس کی جمالی ہم آہنگی کو اخلاقی معیار سمجھتے [illegible] کے عمل کو کرنا چاہئے

سیاسیات میں بھی عینی طریقۂ فکر کو خاصی اہمیت حاصل رہی ہے۔ سب سے پہلے مشہور مدبر اور خطیب ایڈمنڈ برک کے خیالات میں عینیت کی ایک جھلک نظر آتی ہے۔ اس نے ریاست کا کوئی واضح علمی تصور پیش نہیں کیا ہے۔ البتہ خطیبانہ انداز میں اس بات پر زور دیا ہے کہ یہ ایک مقدس فوق الافراد ادارہ ہے۔ اس کی ابتدا چاہے جس طرح ہوئی ہو، اب یہ جماعت کی اخلاقی اور معاشرتی زندگی کے لئے ناگزیر بن گیا ہے اور افراد کی خواہش اور ارادے کا پابند نہیں رہا۔ دراصل عینیت کی تحریک انگلستان کی سیاسی فکر میں کانٹ اور ہیگل کے اثر سے شروع ہوئی۔ اس لئے اس کے سب سے ممتاز نمایندے گرین، بریڈلے اور بوزین کوئٹ تھے۔ ان کا انگلستان میں عام طور پر تو زیادہ چرچا نہیں ہوا، لیکن یہ آکسفورڈ میں بہت اثر رکھتے تھے اور اس طرح وہ طبقہ جس نے انگلستان کے مدبر اور اور قومی رہبر پیدا کئے ہیں۔ اُن کے خیالات سے متاثر ہوا اور اس نے عملی سیاسیات میں ان کے خیالات کے مطابق اصلاحیں کیں۔ انیسویں صدی میں انگلستان کے سیاسی نظام میں وہ زبردست تبدیلیاں جن کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں حقیقت میں انھی مفکروں کی تعلیم کی بدولت پیدا ہوئی۔ اسی نے یورپین عقیدے کا رُخ قومیت اور قومی ریاست کی طرف پھیر دیا۔ اسی کی بدولت ریاست غیر محسوس طور پر جمہور کی عقیدت اور احترام کا مرکز بن گئی اور اس کے اختیارات میں روز بروز توسیع ہونے لگی۔ بریڈلے اور بوزین کوئٹ نے زیادہ تر ہیگل کے سیاسی فلسفے کی تعبیر و تفسیر پر اکتفا کی۔ انھوں نے ہیگل کی طرح ریاست کو ہمہ گیر ذہن اور اختیار مطلق کا حامل اور افراد کی غیر مشروط اطاعت کا مستحق قرار دیا۔ برخلاف اس کے گرین نے ہیگل اور کانٹ دونوں کے خیالات کو سمونے کی کوشش کی اور ریاست کے عینی نظریے میں انفرادیت کے تصور کو معقول جگہ دے کر اسے انگریزی ذہن کے لئے قابل قبول بنا دیا۔ وہ ریاست اور معاشرے کی اہمیت اور عظمت کا قائل ہے لیکن اس کا مقصد اور اس کی کامیابی کا معیار یہ قرار دیتا ہے کہ اس کے اندر فرد کی شخصیت

پوری طرح نشوونما کا موقع ملے ۔ ریاست کے فرائض کے بارے میں بھی وہ اعتدال کی
ہ اختیار کرتا ہے ۔ وہ اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ " ریاست کے ذریعے سیاسی نظام، قانون
ر معاشرت کی ایک مخصوص شکل میں مجسم ہو جاتا ہے ۔ اور ریاست ہی تعلیم اور معاشرتی احول
توسط سے افراد میں اس قدر انضباط پیدا کر سکتی ہے کہ وہ اپنے معیار اخلاق کے مطابق
کرنے کے لائق ہو جائیں ۔ لیکن اسی کے ساتھ گرین یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ ریاست کا
ض صرف رکاوٹیں دور کرنا ہے ۔ انسان کی اخلاقی ترقی اس کے اپنے ارادے سے
رتی ہے ۔ ریاست کا اس سے زیادہ حوصلہ کرنا ہر طرح سے مضر ثابت ہوگا "

اجتماعیت اور عینیت کا یہ معتدل تصور اس لبرل سیاسی تصور کا زبردست حریف
بت ہوا ہے جو مل اور اسپنسر کی انفرادیت اور بنتھم کی افادیت پر مبنی تھا، اور اشتراکی
یالات کی نشوونما سے اجتماعی رجحان کو اور تقویت پہنچی ۔

لیکن انگریزوں کی منطقی فکر سے کہیں زیادہ اہم ان کی جذباتی اور تخیلی فکر ہے ۔
شاندار انگریزی ادب اور شاعری کی شکل میں ظاہر ہوئی ۔ یوں تو فنونِ لطیفہ میں
ی انگلستان بڑے بڑے نام پیدا کر سکتا ہے، مثلاً تعمیر میں رین، موسیقی میں پہلا
یسیقی میں کانسٹیبل، ٹرنر، رینالڈس اور ہوگارتھ لیکن چند افراد کے کارنامے
س خیال کی تردید کے لیے کافی نہیں ہیں کہ انگریزی قوم کا ذہن فنونِ لطیفہ سے محض
طحی علاقہ رکھتا ہے ۔ اور ان کی نگاہ گہرائیوں میں اترنے سے گھبراتا ہے ۔ دراصل ان کے
یل شدید احساسات ہیں مگر باندازِ مبہم اور حجاب آگیں احساس کے اظہار کے لیے سب سے
یادہ موزوں شعر و ادب کا میدان تھا اور اسی میں انھوں نے بحیثیت قوم کے اپنے جوہر
کھائے ۔ شکسپیر میں کا ذکر ہم عہد بعہد کے ہراول کی حیثیت سے کر چکے ہیں ۔ ڈراما میں وہ
ہے اپنی عظمت تسلیم کرا چکا ہے ۔ طنزیہ شاعری میں پوپ اور رومانی اپنے اپنے طرز میں
[illegible] ملٹن کی فردوس گمشدہ ، [illegible]

اور فلسفے کے شاہکاروں کے برابر جگہ پانے کی مستحق ہے۔ غنائی شاعری میں شیکسپیر، ملٹن بلیک، ورڈسورتھ، شیلے، کیٹس، ٹینی سن، اور سوئنبرن سے لے کر بعد کے شعراء تک آسمانِ شعر کے ستاروں کا ایک درخشاں سلسلہ ہے جس کا جواب شاید ایران کے سوا دنیا کے کسی اور ملک میں نہیں ملے گا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جن جذبات کو انگریزوں کی زندگی میں اظہار کی راہ نہیں ملتی وہ ان کے شاعروں کے صدفِ دل میں پرورش پاتے رہتے ہیں اور ایک مدت کے بعد گوہرِ شاہوار بن کر نکلتے ہیں۔

ناول کے متعلق عام خیال یہی ہے کہ انگریزی ذہن کی تخلیق ہے اور اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ اٹھارھویں صدی سے انیسویں صدی کے آخر تک یعنی روسی ناول کے اوجِ کمال پر پہنچنے سے پہلے انگریزی ناولوں کا سکہ سارے یورپ اور امریکا میں چلتا رہا۔ سچ پوچھئے تو انگریزی ناول جسے فیلڈنگ، اسمالٹ، رچارڈسن اور اسٹرن نے شروع کیا اور جین آسٹن، برونٹے، جارج ایلیٹ، تھیکرے، ٹرولوپ، میریڈتھ اور ہارڈی نے پروان چڑھایا۔ مشاہدۂ حیات کا ایک مخصوص طریقہ ہے جو انگریزوں کے حصے کی چیز ہے۔ زندگی کے مادی اور روحانی پہلو سے یکساں محبت جو ایک صحت مند قوم کی علامت ہے۔ اس کے گوناگوں حادثات اور تغیرات سے گہری دلچسپی، ایک خاص قسم کا مزاج جو ہمدردی اور دلسوزی، طنز اور تمسخر کا مجموعہ ہے اور وہ احساسِ تناسب جو جذباتیت اور مبالغے سے بچاتا ہے۔ ان سب چیزوں نے مل کر اٹھارھویں اور انیسویں صدی کے انگریز ناول نگاروں کی تصانیف میں کچھ ایسی دلکشی پیدا کر دی ہے جو کہیں [illegible] پائی جاتی ... [illegible] چارلس ڈکنس کے بہترین ناولوں میں نظر آتا ہے [illegible] شیکسپیر کے بہترین [illegible] کی جو [illegible] کی زندگی میں ابدی زندگی کی جھلک دکھاتے ہیں [illegible] ادب میں ہے جن میں انگریزوں نے [illegible]
[illegible]

اڈیسن، ڈاکٹر جانسن، ہیزلٹ، کارلائل، رسکن، میتھو آرنلڈ، پائدار شہرت کے مالک ہیں۔ مجموعی طور پر یہ لوگ فرانسیسیوں کی سی وضاحت، سلاست اور روانی تو پیدا نہ کر سکے، لیکن دقت نظر، تازگی خیال، جدت ادا، اور خصوصاً زور بیان میں جس کے اندر جوش اور ضبط سمویا ہوا ہے، ان سے بازی لے گئے۔

انگریزی تہذیب کی اس دھندلی اور نامکمل تصویر میں آپ کو اس قوم کی سیرت اور ذہن کی ایک جھلک نظر آگئی ہوگی جو انیسویں صدی کے نصف آخر میں کل ہندوستان کی قسمت کی مالک بن گئی اور جس نے تقریباً ایک صدی کے عرصے میں ہندوستان کی تہذیبی زندگی پر نہایت زبردست اثر ڈالا۔ بیسویں صدی کی ابتدا میں جو نئی لہر انگریزوں کی ذہنی زندگی میں اٹھیں اور وہاں سے ہندوستان پہنچیں ان کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے۔

برطانیہ کی مزدور پارٹی

۲۔ ٹریڈ یونین کی تحریک

(بسلسلہ سابق)

ٹریڈ یونین کی ابتدا انگلستان میں ٹریڈ یونین کی ابتدا تو اٹھارھویں صدی کے فروع ہی میں ہو گئی تھی۔ جب صنعت نے واضح طور پر سرمایہ دارانہ رنگ اختیار کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس سے پہلے مزدوروں کی ان انجمنوں کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔ استادکاری کی نیچائی پابندیوں کے ماتحت روایتی طریقے پر کام کرتے تھے۔ وہ پوری طرح خود مختار تھے۔ کام کی جگہ، کام کے اوقات، اوزار، کچے مال، مصنوعہ مال اور اس کی فروخت پر انھیں اختیار حاصل تھا۔ استاد کاریگروں اور ان کے مددگاروں اور شاگردوں میں وہ بُعد اور بیگانگی پیدا نہیں ہوئی تھی جو سرمایہ داری کی ترقی کے بعد رونما ہوئی۔ اس کے علاوہ مزدوروں کی اجرتوں اور ان کے کام کے حالات کو منصفانہ بنیاد پر قائم کرنا حکومت اپنے فرائض میں داخل سمجھتی تھی، اور آنریری مجسٹریٹ اس کام کو انجام دیا کرتے تھے۔ لیکن اٹھارھویں صدی کی ابتدا میں جب سرمایہ داری اور عدم مداخلت کی پالیسی کو ترقی ہونا شروع ہوئی تو مزدوروں کو اس بات کا احساس ہوا کہ سرمایہ داروں اور اُن کے درمیان بیگانگی پیدا ہو گئی ہے اور یہ دو جداگانہ طبقوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ سرمایہ دار طاقتور ہیں اور مزدور کمزور ہیں ان کی اس کمزوری میں حکومت نے ان کا ساتھ دینا ترک کر دیا ہے۔ انھیں اپنی اس کمزوری کو دور کرنے کا ایک ہی طریقہ نظر آیا یعنی یہ کہ وہ اپنے آجروں کے مقابلے میں متحد ہو جائیں۔

مغربی | چنانچہ سب سے پہلی مزدوروں کی انجمنیں مغربی انگلستان کی صنعت میں بنائی گئیں کیونکہ یہاں کا [illegible] [illegible] یہ داری نظام کی ترقی نسبتاً پہلے رونما ہو گئی تھی۔ اس علاقہ میں سترھویں صدی ہی میں

بڑے پیمانہ کی پیدائش مستحکم بنیاد پر قائم ہوگئی تھی ایسے کارخانے جن میں سینکڑوں آدمی کام کرتے تھے بہت سے تھے۔ یہ ابتدائی انجمنیں بیماروں کی امداد کے لئے قائم ہوئی تھیں لیکن آجروں نے یہ کہہ کر ان کی مخالفت کی کہ انکے ذریعے امداد کا بہانہ کرکے دراصل کاروبار میں رکاوٹ ڈالنے کی سازش کی جاتی ہے آجروں کے مفاد کی نمائندگی پارلیمنٹ میں چونکہ بہت مضبوط تھی اس لئے ۱۷۲۶ء میں قانون انحصار وضع کیا گیا۔ جس کے ذریعے ایسے تمام اتحادات کو جن سے کاروبار میں رکاوٹ واقع ہو ممنوع قرار دے دیا گیا۔ لیکن اس کے باوجود مزدوروں کے اتحاد کی تحریک تیزی کے ساتھ پھیلتی رہی۔ کپڑا بننے والوں میں سے یہ پارچہ بافی کے دوسرے کام کرنے والوں میں پہنچی اور وہاں سے کپڑا سینے والوں میں۔ ۱۷۲۰ء سے ۱۷۵۰ء تک آجروں اور مزدوروں میں اُجرت اور کام کے اوقات کے معاملے میں برابر کش مکش جاری رہی۔ حکومت کی مخالفت کے باوجود ٹریڈ یونین کی تحریک ختم نہیں ہوئی بلکہ یا تو پوشیدہ طریقے پر چلتی رہی یا دوستانہ منافع کی انجمنوں کے پردہ میں اس کو جاری رکھا گیا۔ جب صنعتی انقلاب کے زمانے میں فیکٹری نظام کو پوری طرح ترقی ہوگئی تو ٹریڈ یونین کی تحریک بھی بہت آگے بڑھ گئی۔ چنانچہ ۱۷۶۳ء اور ۱۷۷۳ء کے درمیان بہت سی ہڑتالیں ہوئیں جن میں تشدد سے بھی کام لیا گیا۔ اٹھارھویں صدی کے نصف ثانی میں یہ تحریک شیفیلڈ کے چھری کانٹے بنانے والوں۔ لیسٹر کے فریم پر کاڑھنے والوں اور سارے ملک کے ہیٹ بنانے والوں، کپڑا چھاپنے والوں، سوت کاتنے والوں۔ سواری گاڑیاں بنانے والوں، لوہاروں، بڑھیوں، کپڑے گروں میں پھیل گئی۔ اٹھارھویں صدی کے آخری زمانے میں اون کے دھنکنے والوں کی انجمن خاص طور پر بہت طاقتور ہوگئی تھی اور اون والے آجروں نے ۱۷۹۴ء میں یہ بات کہی تھی کہ وہ بالکل اپنے مزدوروں کے رحم و کرم پر ہیں۔ یارک شائر کے کندی گروں کی انجمن بھی بہت مضبوط تھی اور مختلف شہروں میں جا بجا اس کی شاخیں تھیں۔ ان کی نگرانی ایک مرکزی کمیٹی کیا

کرتی تھی۔

حکومت جس پر سرمایہ داری کا غلبہ تھا، اس تحریک کی مخالف تھی۔ اس کا پتہ لنکاشائر (؟) کے معاملے سے چلتا ہے۔ یہاں مزدوروں نے اجرت کی کمی کی مخالفت کی جس پر ایک قانون وضع ہوا جس میں آجروں کو پیمانے کے مطابق اُجرتیں ادا کرنے کا پابند بنایا گیا۔ مزدوروں نے اس کو قبول کرنے سے انکار کیا اور روئی کی صنعت میں ایک ہڑتال کر دی جو کارلائل سے لے کر ابرڈین تک پھیل گئی۔ جب آجروں نے مزدوروں کے مطالبے کو منظور کرنا چاہا تو حکومت درمیان میں آگئی اور اُس نے ہڑتال کے رہنماؤں کو گرفتار کر لیا۔ غرض مزدوروں کی طرفداری میں اجرت کو مقرر کرنے کا سلسلہ جو پہلے ہی کمزور ہو چکا تھا اب بالکل ختم ہو گیا اور ۱۸۱۳ء میں ایک قانون بنایا گیا جس سے آنریری مجسٹریٹوں کو اُجرتیں مقرر کرنے کا جو قانونی حق ملا ہوا تھا وہ بھی منسوخ کر دیا گیا اور پہلے جہاں عملی طور پر حکومت عدم مداخلت کے اصول کی پابندی کرتی تھی وہاں اب نظری طور پر بھی کرنے لگی۔

انقلاب فرانس نے بھی انگلستان کے مزدوروں کی تحریک پر اثر ڈالا۔ ۱۷۹۱ء میں پین نے ایک رسالہ "حقوق انسان" کے نام سے لکھا جس میں جمہوریت، مساوات، اور اخوت کی تبلیغ کی گئی تھی۔ اس کے زیر اثر مزدوروں نے بھی اصلاح کا مطالبہ کیا اور ۱۷۹۲ء میں ٹامس ہارڈی نے مزدوروں کی اولین سیاسی انجمن کی انگلستان میں بنیاد رکھی جس کا نام لندن کی انجمن مراسلت (لنڈن کریسپانڈنگ سوسائٹی) تھا۔ اس کے مطالبے یہ تھے کہ بالغوں کو حق رائے دیا جائے اور پارلیمنٹ کی اصلاح کی جائے۔ اسی قسم کی اور انجمنوں نے برطانیہ کے لوگوں میں تیزی سے ترقی کرنا شروع کی تو حکومت خوفزدہ ہو گئی، اور اس نے اسکاٹ لینڈ کے دو انتہاپسندوں (ریڈیکلوں) میور اور پامر کو ۱۷۹۳ء میں لانبی مدت کے لئے عبور دریائے شور کی سزا دی۔ اس کے دوسرے سال [illegible] نے [illegible] کریسپانڈنگ سوسائٹی کے تین ممتاز رہنماؤں، ہارڈی، [illegible]

...ء قید کردیا اور سخت جبر و تشدد شروع کردیا۔ ۱۷۹۹ء میں انجمن ہائے مراسلت
...ن بنایا گیا جس کے ذریعے تمام ایسی مقامی انجمنوں کو جو باہمی مراسلت کے تعلقات
...تھیں۔ غیر قانونی قرار دے دیا گیا۔ ۱۸۰۰ء میں قانون اتحاد بنایا گیا جس کے ذریعے
...ڈیونین کی تحریک کی تمام شکلوں کو قانوناً ممنوع قرار دے دیا گیا۔ ان قوانین کی وجہ سے
...روں کی تحریک کو انتہائی نقصان پہنچا۔

انیسویں صدی کے اول ربع میں مزدوروں کی تاریخ آجروں کی طرف سے تشدد
...دوروں کی طرف سے انتقامی کارروائیوں اور عدالت کی طرف سے ظالمانہ سزاؤں کی
...یک مسلسل داستان ہے۔ لیکن قانون اتحاد کے باوجود۔ ٹریڈ یونین کی تحریک کو مٹایا نہیں
...اسکا۔ مزدوروں کے اتحاد خصوصاً لندن میں پوشیدہ طور پر جاری رہے اور ۱۸۲۴ء
...یں جب قانون اتحاد کو منسوخ کیا گیا تو مزدوروں کی انجمنیں تقریباً تمام اہم دستکاریوں
میں موجود تھیں۔

۱۸۲۴ء تا ۱۸۲۵ء

۱۸۲۴ء میں فرانسیس پلیس، چیرنگ کراس کے ٹیلر ماسٹر
اور جوزف ہیوم ریڈیکل رہنما کی کوششوں سے قانون اتحاد کو پارلیمنٹ نے منسوخ
کردیا، اور مزدوروں کے اتحاد اور ان کی ہڑتالوں کے حق کو جائز قرار دیا۔ مزدوروں نے
اس کو اپنی بڑی کامیابی سمجھا اور ہڑتالوں کی ایک وبا پھیل گئی۔ جن میں اکثر تشدد سے
بھی کام لیا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دوسرا قانون ۱۸۲۵ء میں بنایا گیا جس میں
مزدوروں کے ان حقوق کو تو باقی رکھا گیا لیکن اُن پر کچھ ایسی پابندیاں لگادی گئیں جس سے
دوسروں کو کام سے روکنا اور انہیں دق کرنا جرم میں داخل ہوگیا۔

لیکن اتحاد اور ہڑتال کے ان حقوق کے ملنے سے مزدوروں کو جیسا اطمینان ہونا
چاہیئے تھا وہ حاصل نہ ہوسکا۔ وجہ یہ تھی کہ آجروں نے بھی اپنی انجمنیں بنالی تھیں اور
ان میں [illegible] جاتی تھی۔ اس کے مقابلے میں مزدوروں کی انجمنیں

باہمی اتحاد نہیں تھا جس کی وجہ سے ان کی ہڑتالیں اکثر ناکامی پر ختم ہوتی تھیں۔ اس کو دور کرنے کے لئے مزدوروں نے ایسی انجمنیں بنانی چاہیں جن میں ملک کی ساری صنعتوں کے سب مزدور شریک ہوں اور انھوں نے ملک کے تمام مزدوروں کے مکمل اتحاد اور یک جہتی کو اپنا نصب العین قرار دے لیا۔ ۱۸۲۹ء میں ایک گرانڈ جنرل یونین بنائی گئی۔ یہ جلد ختم ہوگئی۔ لیکن اس نے آیندہ کے لئے راستہ کھول دیا۔ چنانچہ دوسرے سال ڈوہرٹی نے قومی انجمن برائے تحفظ مزدوران قائم کی جس نے جمہور کی آواز کے نام سے ایک ہفتہ وار اخبار نکالا، جس کا دعوے تھا کہ اس کی اشاعت تیس ہزار ہے۔ اس کے بعد جنرل ٹریڈ یونین بنائی گئی۔ جس کا رویہ آجروں کے ساتھ بہت گستاخانہ تھا۔ اس لئے وہ اس سے ناراض ہوگئے اور انھوں نے اس کے ممبروں کو اپنے یہاں ملازم رکھنا ممنوع قرار دے دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ بھی ختم ہوگئی۔

۱۸۳۳ء میں صرف آٹھ گھنٹے روزانہ کام کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ اور اوون نے گرانڈ نیشنل کنسالیڈیٹیڈ یونین قائم کی جس کی رکنیت چند ہفتوں میں پانچ لاکھ تک پہنچ گئی اور اس میں زراعتی مزدور بھی شامل کئے گئے۔ اس نے بھی ہڑتال کی پالیسی پر عمل کیا اور یہ بھی ختم ہوگئی۔ اس کے بعد سے سارے ملک کی متحدہ ٹریڈ یونین کی تحریک ختم ہوگئی۔ اس قسم کی ہمہ گیر تحریکوں کا جن لوگوں کو شوق تھا۔ انھوں نے ٹریڈ یونین کی تنظیم کی جگہ اب سیاسی تنظیم کی طرف توجہ کی اور اس معاملے میں ولیم کابٹ جو جمہور کو سیاسی اقتدار دلانا چاہتا تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ جب سیاسی اقتدار مل جائے گا تو معاشی بہتری کے لئے حالات خود بخود سازگار ہو جائیں گے۔ چنانچہ اس خیال کے لوگوں میں چارٹزم کا زور رہا۔

۱۸۳۴ء تا ۱۸۵۰ء | لیکن جو لوگ ٹریڈ یونین سے دلچسپی رکھتے تھے انھوں نے اپنے میدان عمل کو محدود کر لیا۔ اب اگر وہ ملکی اتحاد کرتے تھے تو وہ ایک ہی صنعت کے لوگوں تک محدود ہوتا تھا۔ سارے ملک کی تمام صنعتوں کے تمام مزدوروں کو اس میں شامل کرنے

ـش نہیں کی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ اس کے مقاصد اور کام کے طریقوں میں بھی
ئی روح پیدا ہوگئی تھی، اب وہ ہر مسئلے پر جداگانہ طریقے پر غور کرتے تھے جہاں قانون
مخالفت پاتے تھے۔ وہاں قانون بدلوانے کی کوشش کرتے تھے۔ یونین کے فنڈ میں
رقمیں اکٹھی کی جاتی تھیں جن سے کچھ تو دوستانہ خدمات فراہم کی جاتی تھیں اور کچھ
ں چلانے کا کام لیا جاتا تھا۔ تجربے سے یہ معلوم کرلیا گیا تھا کہ اعزازی سکریٹری کے
بلے میں تنخواہ دار سکریٹری زیادہ مفید ثابت ہوتا ہے بلکہ اس اصول کو پوری جماعت
پر منطبق کیا جانے لگا تھا۔ مزدوروں کے پورے طبقے کے مفاد کی انھیں فکر نہیں تھی بلکہ
ہر صنعت کے مزدور اپنے ذاتی اور مخصوص مفاد کا جداگانہ طریقے پر مطالعہ کرتے رہتے
اس نئی تحریک کا سلسلہ سنہ ۱۸۰۰ء سے قبل کی تحریک سے ملایا جا سکتا ہے۔ دونوں میں
یہ ہے کہ اس درمیان میں مزدوروں کے علم اور تجربے میں بہت اضافہ ہوگیا تھا۔
رول نے سرمایہ داری نظام کو ایک ناگزیر حقیقت کے طور پر تسلیم کرلیا تھا اب وہ
ں نظام کے اندر رہ کر اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔

قسم کی ٹریڈ یونین

۱۸۵۰ء کے بعد ٹریڈ یونین تحریک کی اس نئی روح نے اور
ح طور پر ظاہر ہونا شروع کیا۔ ہڑتالوں سے جو مالی نقصان پہنچتا تھا اور ان کے ذریعے
شتبہ کامیابی حاصل ہوتی تھی اسے دیکھتے ہوئے بعض معاملوں میں مفاہمت پسندید
ل کی جانے لگی۔ چنانچہ اب ہڑتال صرف مجبوری کی حالت میں آخری حربے کے طور پر اور
بڑی جماعت کے فیصلے پر جائز سمجھی جانے لگی۔ یونین کے مقاصد بھی واضح شکل میں
ین کیے جانے لگے خوش حال مزدور اپنی بہتر حالت کو قائم رکھنے کے لئے نئے امیدواروں
تعداد کو محدود رکھنے کا مطالبہ کرنے لگے تاکہ مزدوروں کی رسد کے اضافے سے اجرت
ا شرح کم نہ ہو۔ زائد وقت کام کرنا مذموم سمجھا جانے لگا اور کام کے اوقات کو کم کرنے
ملے آجروں سے اپیل کی جانے لگی۔ نقل سکونت کا ایک فنڈ قائم کیا گیا تاکہ مزدور

کی تعداد کو کم کر کے اجرتوں میں اضافہ کرایا جاسکے۔

۱۸۲۴ء میں پارلیمنٹ میں قانون بنوایا گیا جس کے ذریعے ۱۸۲۵ء کی خرابی کو دور کیا جاسکا۔ اس قانون کی رو سے غدار مزدوروں کو پرامن اور معقول طریقے پر اپنا ہم خیال بنانا مداخلتِ بیجا میں شامل نہیں رہا۔

جنٹا اسی زمانے میں موجودہ لیبر پارٹی کا آغاز ہوا۔ اب تک مزدوروں کی حمایت میں پارلیمنٹ میں جو قانون بنوائے گئے تھے وہ سب مزدوروں کے ہمدردوں نے بنوائے تھے خود مزدور پارلیمنٹ کے رکن نہیں تھے۔ لیکن اب مزدوروں میں چند ایسے قابل آدمی پیدا ہوگئے جو مزدوروں کی طرف سے خود بول سکتے تھے۔ ان میں پانچ آدمیوں نے جو جنٹا کے نام سے مشہور ہوئے بہت شہرت حاصل کی یہ لوگ اپنی باہمی دوستی اور سیاسی ہم خیالی کی وجہ سے نہایت قریبی طور پر ایک رشتے میں منسلک تھے۔ ان کی کامیابی کا راز یہ تھا کہ وہ آجروں کے نقطۂ نگاہ کو سمجھ سکتے تھے۔ یہ انفرادیت پرست تھے۔ پارلیمنٹ میں یہ لوگ اپنی سیرت کی بلندی اپنی اعلیٰ صلاحیت اور طبقۂ متوسط کے آداب و مراسم کی واقفیت کی وجہ سے عزت کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے تھے۔ وہ صنعتی معاملات میں بہت محتاط تھے اور اپنی بیشتر توجہ سیاسی معاملات پر صرف کرتے تھے۔ وہ ہڑتال کرانے سے جہاں تک ہو سکتا بچتے تھے۔ وہ سخت گیر آجروں سے ان منافع کو دباؤ کے ذریعے حاصل کرتے جنھیں اچھے آجر برضا اور خوشی مزدوروں کو عطا کر دیتے تھے۔ مزدوروں کا بھی انھیں ویسا ہی اعتماد حاصل تھا جیسا کہ آجروں کا تھا۔ یہ لوگ اپنے زیادہ تر کام لندن ٹریڈز کونسل کی معرفت انجام دیتے تھے جو لندن کی تمام صنعتوں کا [illegible]

شاہی تحقیقاتی کمیشن اور ٹریڈ یونین کانگریس لیکن لندن کے علاوہ انگلستان کے دوسرے اضلاع [illegible] اتنی معقولیت پسندی نہیں تھی اور اس زمانے میں ٹریڈ یونین کی تحریک کو بہت [illegible] تھا ایک طرف آجروں نے [illegible]

دوسری طرف شیفیلڈ میں ان مزدوروں کے خلاف جو یونین کے ممبر نہیں تھے۔ یونین کے ممبروں نے جو زیادتیاں کی تھیں، ان سے بہت برہمی تھی۔ ۱۸۶۷ء میں تحقیقات کے لئے پارلیمنٹ نے ایک شاہی کمیشن مقرر کیا۔ ان معاملات پر ٹریڈ یونین کے نقطۂ نگاہ سے غور کرنے کے لئے ملک کی تمام ٹریڈ یونینوں کی ایک کانگریس منعقد کی گئی۔ اس وقت سے آج تک یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ ٹریڈ یونینوں نے اپنی طرف سے خود تحقیقات کئے جانے پر زور دیا تاکہ وہ دہشت انگیزی کے الزام سے اپنے آپ کو بری کر سکیں۔ انہی کی کوششوں سے ایک غیر جانب دار کمیشن مقرر ہوا۔ اور ان کی رپورٹ ٹریڈ یونین کی تحریک کے مخالف ثابت نہیں ہوئی۔ اسی سال پارلیمنٹ میں رفارم ایکٹ بھی منظور ہوا جس کے ذریعے شہر کے مزدوروں کو حق رائے مل گیا۔

ٹریڈ یونین کا قانون ۱۸۷۱ء میں ٹریڈ یونین ایکٹ منظور ہوا۔ جس کی رو سے مزدوروں کو تمام حقوق جو انہیں عملاً ملے ہوئے تھے قانوناً تسلیم کر لئے گئے لیکن اس کے ساتھ ہی ترمیم ضابطہ فوجداری کا قانون بھی پاس ہوا جس میں دھرنا دینے اور غدار مزدوروں کو اپنا ہم خیال بنانے کو جرم قرار دیا گیا۔

پارلیمنٹ میں مزدوروں کے نمائندے اس لئے ۱۸۷۱ء میں جنٹا نے لندن میں ایک ٹریڈ یونین کانگریس طلب کی تاکہ اس مکروہ قانون کو منسوخ کر دیا جا سکے۔ جب تمام معمولی ذرائع ناکامیاب ثابت ہوئے تو کانگریس نے ۱۸۷۴ء میں اس بات کی اجازت دی کہ اپنے تیرہ نمائندوں کو پارلیمنٹ کی رکنیت کے لئے کھڑا کیا جائے۔ ان میں سے دو منتخب ہو گئے یہ دونوں اولین مزدور ممبر تھے۔ اس انتخاب میں ایک نئی پارٹی برسر اقتدار آگئی جس نے ۱۸۷۵ء کا ٹریڈ یونین ایکٹ منظور کیا۔ جس سے ہڑتال کرنا، دھرنا دینا وغیرہ قانونی فعل بن گئے۔

[illegible] ٹریڈ یونین [illegible] تحریک

کو ترقی ہو رہی تھی۔ ہڑتالیں بھی نتائج کے لحاظ سے کامیاب رہتی تھیں۔ اس لئے اس دور کو ٹریڈ یونین کی ترقی کے دور سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ لیکن جب ۱۸۷۳ء میں کساد بازاری شروع ہوئی اور مزدوروں کی اُجرتیں کم ہوئیں اور ان کے کام کے حالات پہلے سے خراب ہوگئے تو ا[illegible] آئینی طریقوں سے مایوسی ہوگئی۔ انھوں نے سوچنا شروع کیا کہ سیاسی اصلاحات بھی ہو [illegible] ہیں۔ ان کی ٹریڈ یونین کی تنظیم بھی بہت اچھی ہے۔ آزاد تجارت بھی ہے۔ لیکن پھر بھی ہما[ری] حالت خراب کی خراب ہے اس لئے انھیں لبرلزم سے مایوسی ہوئی اور ان میں کارل مارکس اور اس کے پیرووں کے اشتراکی خیالات تیزی سے پھیلنا شروع ہوئے۔ حلقہ بصورت مجموعی اس بدعت کے خلاف تھا۔ خود ٹریڈ یونین کی تحریک کے اندر بھی اس معاملے [میں] باہمی اختلاف تھا۔ اس لئے اس نئی تحریک کو ابتدا میں سخت جنگ کرنا پڑی۔ ٹریڈ یونین کے اندر امارت پسندی اور اجارہ داری آگئی تھی۔ یہ مزدوروں کی محدود اور مقررہ تعداد کے فائدے کے لئے کام کرنے لگی تھیں۔ جو مزدور تباہ حال تھے وہ ان میں داخلہ چاہتے تھے۔ لیکن ان کے لئے ٹریڈ یونین کے دروازے بند تھے۔ ۱۸۵۰ء سے ۱۸۸۵ء تک ٹریڈ یونین کی تحریک صرف ماہر مزدوروں تک محدود رہی اور یہ گلیڈاسٹن کی لبرل تحریک کی عدم مداخلت اور انفرادیت پرستی کو قبول کرتی رہی، اور اس نے اپنے مشاغل دوستانہ انجمنوں کی امداد و رفاقت تک محدود کئے رکھا۔ لیکن ۱۸۸۸ء میں جب سوشلزم نے پھیلنا شروع کیا تو ایک نئی روح بیدار ہوگئی اور غیر ماہر مزدوروں اور کم اجرت پر کام کرنے والی عورتوں کی توجہ مزدور تحریک کے اشتراکی عنصر کی طرف مائل ہوا [illegible] ہڑتال کی پالیسی کو پھر عروج ہوا۔ ٹریڈ یونین کے کام کو دو علیحدہ حصوں میں تقسیم کیا جانے لگا۔ ایک وہ کام تھے جو وہ دوستانہ امدادی انجمن کی حیثیت سے انجام دیتی تھیں اور دوسرے خالص ٹریڈ یونین کی حیثیت سے۔ اب ٹریڈ یونین کے چندوں کو صرف ہڑتال کے لئے استعمال کیا جانے لگا۔ اور ان کے کمیونزم [illegible]

یزم (اشتمالیت) کو جس میں مزدوروں کو ذرائع دولت آفرینی کا مالک بنانا تجویز کیا
تھا۔ زیادہ لائق عمل سمجھ کر نصب العین کے طور پر اختیار کر لیا گیا اور اس کے حصول
یہ اس بات کو سمجھا جانے لگا کہ حکومت سے مزدوروں کی اجرت بڑھانے اور کام کے
ت گھٹانے میں مداخلت کرائی جائے۔ ٹریڈ یونین تحریک کا رجحان عالمگیریت کی طرف
۔ اور غیر ملکی یونینوں سے مراسلت کی خواہش کی جانے لگی۔ لندن میں ۱۸۸۸ء
ہلی بین الاقوامی ٹریڈ یونین کانگریس منعقد کی گئی۔

۱۸۸۸ء میں دیا سلائی کے کارخانوں میں کام کرنے والی عورتوں نے ہڑتال
۔ ان کے پاس روپیہ بالکل نہیں تھا، اور ان کی کوئی تنظیم نہیں تھی۔ لیکن رائے عامہ
قدر ہمدرد ہو گئی تھی کہ آجروں کو ہار ماننا پڑی۔ اس سے طبقہ وارانہ جنگ کے
ایک نیا عنصر شامل ہو گیا یعنی مزدور اور سرمایہ دار دونوں رائے عامہ کو طرفدار
نے کی کوششیں کرنے لگے ۱۸۸۹ء میں گیس کے کارخانوں میں کام کرنے والوں کی
ں اور عام مزدوروں کی یونین بنائی گئی اور چند مہینوں کے اندر ہی گیس کے کارخانہ
مزدوروں کا یہ مطالبہ کہ ان سے صرف آٹھ گھنٹے کام لیا جائے مان لیا گیا۔ اس کے
بعد جنوب مغربی انگلستان کی ان گودیوں میں جہاں سے ہندوستان کو جہاز
بھیجے جاتے تھے ایکبارگی ہڑتال کی گئی اور اس سے اس عظیم الشان گودیوں کی
تال کی ابتدا ہوئی جس کی رہنمائی جان برنس، بین ٹلٹ اور ٹام مین نے کی۔ دس
ہفتے کے لئے تجارت کا کام بالکل رکا رہا۔ ہر طرف سے یہاں تک کہ آسٹریلیا سے
مداد کی بارش ہوتی رہی تا آنکہ مزدوروں کو شاندار کامیابی حاصل ہوئی۔ یہ غیر ماہر
مزدوروں کی پہلی شاندار کامیاب ہڑتال تھی۔

نئے قسم کی ٹریڈ یونین کی ترقی

اس کا نتیجہ قدرتی طور پر یہ نکلا کہ ٹریڈ یونین تحریک کو نئے
سرے سے خوب ترقی ہوئی اور ایک سال سے کم عرصے میں

تعداد کو مزدور ٹریڈ یونین کے حلقے میں شامل ہو گئے۔ مزدوروں میں یک جہتی کو خوب ترقی ہوئی اور ان میں اپنے طبقے کے حقوق کے لئے ایک مشترک جذبہ پیدا ہو گیا اور (اس) کے نتیجے کے طور پر سوشلزم کی تحریک کو بھی ترقی ہوئی۔ یہ نئی ٹریڈ یونینیں اور ان کے ...... زمانے کی انجمنوں کی طرح صرف جنگ جو جماعتیں تھیں۔ ان کے چندے کم تھے اور یہ اپنے اراکین کے لئے دوستانہ امداد کا انتظام نہیں کر سکتی تھیں اس لحاظ سے یہ سابقہ انجمنوں سے بہت مختلف تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اتحاد کی تحریک بھی بڑے پیمانے پر پھیلنا شروع ہو گئی تھی اور کئی وفاق وجود میں آ گئے تھے اور ملک کے طول و عرض میں ٹریڈ کونسلز بن گئی تھیں۔

اب آجروں کی باری تھی کہ وہ بھی اپنے تحفظ کا انتظام کریں۔ چنانچہ ۱۸۹۷ء میں مشین سازی کے کارخانوں کے آجروں نے ایک انجمن بنائی اور ایک بڑی ہڑتال کے موقع پر مشین سازی کے کاریگروں کی متحدہ انجمن کو شکست دی۔ ۱۸۹۹ء میں ٹریڈ یونینوں کا ایک عام وفاق بنایا گیا۔ ابتدا میں اس وفاق کی نگرانی ہر مرکز باری باری سے کرتا تھا اور سب واحدوں کو مساوی اختیار ملا ہوا تھا۔ لیکن بعد میں جب کاروبار بڑھا تو ایک مستقل مرکز میں تنخواہ دار عہدہ داروں کا تقرر کیا گیا اور بعض صورتوں میں شاخ کی انجمنوں کے نمائندوں کو بھی منتخب کیا گیا۔ اس عام وفاق کا مقصد یہ تھا کہ مشکل کے وقت یونینوں کی امداد کریں۔ پھر مزدوروں کے ان بڑے اتحادوں نے غیر ملکی یونینوں سے بھی تعلقات قائم کر لئے۔

ٹریڈ یونین اور سیاسی تحریک

پارلیمنٹری لیبر پارٹی کی ابتدا ۱۸۹۲ء کے انتخاب میں ہوئی جب کیر ہارڈی، جان برنس، اور ہیولاک ولسن کو پارلیمنٹ کے لئے منتخب کیا گیا۔ ۱۸۹۳ء میں بریڈ فورڈ کے مقام پر کیر ہارڈی نے آزاد لیبر پارٹی کی بنیاد رکھی اور ۱۸۹۵ء کے انتخاب میں اپنے ۲۸ امیدوار کھڑے کئے جن میں سے [illegible]

کامیاب نہیں ہوا۔ ۱۸۹۹ء میں ٹریڈ یونین کانگریس بھی ان کی ہم خیال ہو گئی اور پارلیمنٹ میں مزدوروں کا ایک جداگانہ گروپ بنا لیا گیا جس کا مقصد یہ تھا کہ مزدوروں کے مفاد میں قوانین بنوائے جائیں۔ ۱۹۰۰ء کے عام انتخابات میں مزدوروں کے لئے نمائندگی حاصل کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنائی گئی جس میں ٹریڈ یونین کے حامیوں نے سوشلسٹ تحریک کے حامیوں کے ساتھ سیاسی معاملات میں اشتراک کر لیا۔ اس مشترکہ پارٹی کا ۱۹۰۶ء میں لیبر پارٹی نام رکھا گیا۔ اس کمیٹی نے ۱۹۰۰ء میں اپنے پندرہ امیدواروں کو نامزد کیا لیکن صرف کیر ہارڈی اور رچرڈ بیل کو کامیابی ہوئی۔

لیبر پارٹی کا عروج | بیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ پارلیمنٹری لیبر پارٹی کو عروج ہونا شروع ہوا اور ۱۹۰۶ء میں انتیس امیدواروں کی ایک متحدہ جماعت منتخب ہوئی لیبر پارٹی کا سب سے اول کارنامہ "قانون صنعتی مناقشات" کی صورت میں ظاہر ہوا جس کے ذریعے ہڑتال اور در بندی کے قانون کو مزدوروں کے موافق بنا دیا گیا اور ۱۹۰۲ء میں ایوان امرا نے ٹیف ویل کے مقدمے میں فیصلہ سنا کر ٹریڈ یونین کے وجود کو جس طرح خطرہ میں ڈال دیا تھا۔ اس کا بڑی حد تک ازالہ ہو گیا

۱۹۱۰ء تا ۱۹۱۴ء | ۱۹۱۰ء میں قیمتوں کے اضافہ تجارت کی ترقی اور امریکہ اور فرانس کے سوشلسٹ اثرات کی وجہ سے صنعتی بے چینی کی ایک نئی لہر اٹھی اور اشتراکیت کی نئی شکلیں ترقی پانے لگیں۔ ٹریڈ یونین کی رکنیت میں غیر معمولی تیزی کے ساتھ اضافہ ہونا شروع ہوا۔ بہت سی ہڑتالیں ہوئیں جن میں سے اکثر کامیاب ثابت ہوئیں۔ ان میں سب سے اہم ۱۹۱۱ء میں نقل و حمل کے مزدوروں اور ۱۹۱۲ء میں کان کھودنے والوں کی ہڑتالیں تھیں۔ صنعتی انجمن سازی، سنڈیکلزم اور گلڈ سوشلزم کے نئے خیالات کی اشاعت کی گئی اور ٹریڈ یونینیں یہ مطالبہ کرنے لگیں کہ صنعت کی نگرانی میں انھیں بھی حصہ دیا جائے۔

جنگ عظیم اول اور ٹریڈ یونینیں | ۱۹۱۴ء میں جنگ کے شروع ہو جانے کی وجہ سے یہ تحریک یکبارگی ختم ہو گئی۔ لیکن جیسے ہی جنگ کے زمانے کی ضرورتوں کی وجہ سے مزدوروں کو تیزی سے کاموں سے لگایا گیا اور ان کی تنظیم کی گئی تو بہت سے جھگڑے رونما ہونے لگے۔ ۱۹۱۵ء میں سامان جنگ کے قانون کے ماتحت آجروں اور مزدوروں کو جبری مصالحت کا پابند بنا دیا گیا۔ لیکن جنگ کے زمانے میں بڑی ہڑتالیں نسبتاً کم ہوئیں لیکن صنعتی کاروبار کا بہت زور رہا۔ دوکان کے ... کی تحریک کو ترقی ہوئی جنگ کے پورے زمانے میں ٹریڈ یونین کی رکنیت تیزی سے بڑھتی رہی۔

جنگ عظیم اول کے بعد | جب جنگ عظیم ختم ہوئی تو صنعتی بے چینی بڑے پیمانے پر شروع ہوئی ... کو اُجرتیں بڑھا کر اور کام کے اوقات گھٹا کر دور کیا گیا۔ ٹریڈ یونینوں کی رکنیت اور زیادہ بڑھتی رہی یہاں تک کہ ۱۹۲۰ء میں انتہائی عروج پر پہنچ گئی۔ اس کے بعد زبردست کساد بازاری شروع ہوئی اور ۱۹۲۱ء میں کان کنوں کے خلاف اور ۱۹۲۲ء میں مشین سازی کے مزدوروں کے خلاف دربندی کی گئی۔ مزدوروں نے اجرتوں میں کمی اور کام کے حالات کی خرابی کو روکنے کی انتہائی کوشش کی لیکن ان کی ایک نہ چلی۔ ۱۹۲۱ء اور ۱۹۲۲ء میں رکنیت بہت زیادہ کم ہو گئی۔ لیکن اس کے بعد ۱۹۲۶ء تک ۱۹۱۳ء کی تعداد کے مقابلے میں پندرہ لاکھ سے اوپر قائم رہی۔

ٹریڈ یونین کے اعداد و شمار | ۱۸۹۲ء سے پہلے ٹریڈ یونین کے بارے میں کوئی اعداد و شمار نہیں ملتے۔ اس کے بعد حکومت نے ان کے بارے میں نقشوں کو شائع کرنا شروع کیا۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مجموعی رکنیت ۱۸۹۲ء میں ۱۵ لاکھ ۷۰ ہزار۔ ۱۹۰۰ء میں ۲۰ لاکھ ۲۲ ہزار، ۱۹۱۰ء میں ۲۵ لاکھ ۶۵ ہزار، ۱۹۱۳ء میں ۴۱ لاکھ ۳۵ ہزار ۱۹۱۸ء میں ۶۵ لاکھ ۳۳ ہزار۔ ۱۹۲۰ء میں ۸۳ لاکھ، ۴۰ ہزار۔ ۱۹۲۲ء میں ۵۵ لاکھ ۱۶ ہزار۔ ۱۹۲۵ء میں ۵۲ لاکھ ۲۲ ہزار تھی۔

ٹریڈ یونین تحریک کی نمائندگی بصورت مجموعی ٹریڈ یونین کانگریس کے ذریعے ہوتی تھی۔ یہ مستقل طور پر ۱۸۶۸ء میں شروع ہوگئی تھی۔ اس کی رکنیت کے اعداد و شمار ۱۸۹۶ء میں دو لاکھ ۵۰ ہزار تھے۔ ۱۹۰۰ء میں یہ بڑھ کر ۵ لاکھ ۹۲ ہزار ہوگئے۔ لیکن ۱۹۰۰ء میں گھٹ کر ۴ لاکھ ۱۰ ہزار ہوگئے۔ ۱۹۰۸ء میں بڑھ کر ۱۵ لاکھ ۹۳ ہزار ہوئے لیکن ۱۹۰۳ء میں دوبارہ گھٹ کر ۷ لاکھ ۱۲ ہزار رہ گئے لیکن ۱۹۱۰ء میں دوبارہ بڑھے اور ساڑھے ۱۳ لاکھ ہوگئے۔ ۱۹۱۲ء میں ۱۶ لاکھ ۴۰ ہزار ۱۹۱۳ء میں ۲۲ لاکھ ۳۲ ہزار۔ ۱۹۱۸ء میں ۴۵ لاکھ ۳۲ ہزار۔ ۱۹۲۰ء میں ۶۵ لاکھ ۵ ہزار ۱۹۲۲ء میں ۵۱ لاکھ ۷۹ ہزار اور ۱۹۲۵ء میں ۴۴ لاکھ ۱۵ ہزار ہوگئے۔

ٹریڈ یونین کی رکنیت زیادہ تر صرف چند صنعتوں تک محدود ہے چنانچہ ۱۹۲۵ء میں کان کنوں اور کھانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کے ۹ لاکھ ۴۰ ہزار۔ دھات مشین سازی اور جہاز سازی کے مزدوروں کے ۶۵ لاکھ ۴۲ ہزار اور ریلوے اور نقل و حمل کے مزدوروں کے دس لاکھ ۴۸ ہزار پارچہ بافی کے مزدوروں کے ۶ لاکھ ۶۰ ہزار رکن تھے۔ ان کے علاوہ دوسرے گروہ جن میں نسبتاً بہتر تنظیم پائی جاتی ہے وہ چھاپہ خانہ اور عمارت سازی کے مزدور اور سرکاری ملازم ہیں۔ ۱۹۲۵ء میں ٹریڈ یونینوں کی مجموعی تعداد ایک ہزار ۱۴۴ تھی۔ لیکن اس تعداد سے صحیح اندازہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اول تو بہت سی یونینیں دراصل صرف شاخیں ہیں اور دوسرے مجموعی رکنیت کا بہت لمبا حصہ صرف چند بڑی یونینوں یا وفاقوں میں مجتمع ہے۔ اس قسم کی سب سے بڑی انجمنیں یہ ہیں۔ برطانیہ عظمیٰ کے کان کنوں کا وفاق (تقریباً ۸ لاکھ رکن) عام اور میونسپلٹی کے کارکنوں کی انجمن (۳ لاکھ ۲۷ ہزار رکن) ریلوے ملازموں کی قومی یونین (۴ لاکھ رکن) نقل و حمل اور عام کارکنوں کی انجمن (۳۲ لاکھ) مشین سازوں کی متحدہ یونین (۲ لاکھ ۴۳ ہزار) ان سب کا اعداد تقریباً تمام ٹریڈ یونینوں

کو تعلق اور کچھ چھوٹی یونینوں کا بھی ٹریڈ یونین کانگریس کے ساتھ ہے جس کے ساتھ ۲۰۵ انجمنوں نے الحاق کرا رکھا تھا۔ ان میں سے بعض وفاق تھیں جن کے اندر بہت سی برائے نام جدا جدا یونینیں شامل تھیں۔

جنرل کونسل | پچھلے بیس پچیس سال میں ٹریڈ یونین کانگریس کے اختیارات تیزی کے ساتھ بہت وسیع ہوگئے ہیں۔ سنہ ۱۹۲۷ء تک کانگریس کی عاملہ وہ جماعت تھی جس کا نام "پارلیمنٹری کمیٹی" تھا، جس کے اختیارات بہت محدود تھے، لیکن اس پارلیمنٹری کو توڑ دیا گیا اور ایک جنرل کونسل وسیع اختیارات کے ساتھ مقرر کردی گئی جس کے اختیارات اس کے بعد سے اور زیادہ وسیع ہوگئے ہیں۔ انھی اختیارات کی بنیاد پر اپریل سنہ ۱۹۲۶ء جنرل کونسل نے ٹریڈ یونینوں کی جماعت ہائے عاملہ کی ایک مخصوص کانفرنس طلب کی تھی جس نے کان کنوں کی حمایت میں "عام ہڑتال" کا فیصلہ صادر کیا تھا۔

(باقی)

علی گڑھ کی تانبے اور دھات کی صنعت کا جائزہ[5]

(۱) تمہید | علی گڑھ میں تانبے کی کام کی ابتدا گورنمنٹ پوسٹل ورکشاپ سے ہوئی۔ اس ورکشاپ میں تانبے اور مہر، پینٹ، آئرن اور براس اسکیل (ترازو) وہیٹ (باٹ) لیٹر بکس، بھالے، گھونگرو، کرچ کے تھیلے، چمڑے کا پوسٹ مین کا تھیلا، چھپائی کی سرخ اور سیاہ روشنائی، مہر مارنے کے پیڈ، پوسٹ آفس کی چیزیں چھاپنے کے لئے چھوٹا سا چھاپہ خانہ۔ بہت سی قسم کی پوسٹ آفس کی لالٹینیں، ٹین کی اور لوہے کی بنی ہوئی۔ بگل اسٹامپ ڈیمپر، چراغ، چھٹیاں، قینچی، نوٹس بورڈ، پنسر، ٹین کے ٹرے، پوسٹل اسٹامپ کی صندوقچیاں۔ غرض یہ تمام کام پوسٹل ورکشاپ میں بنتا تھا۔

(۲) جانسن اور اس کا کارخانہ: پرائیویٹ لوگوں میں اس کام کو بڑے پیمانے پر چلانے والوں میں جانسن کا نام نہایت ممتاز نظر آتا ہے۔ جانسن پہلے چڑیوں والے صاحب کے نام سے مشہور رہا۔ یہ نہایت غریب آدمی تھا۔ یہ طوطے اور دوسرے پرندے مار کر ان کے پروں کو امریکہ اور یورپ بھیجا کرتا تھا۔ یہ بڑی خوبیوں کا آدمی تھا۔ جب اس کا کام کچھ چل نکلا تو اس نے اور شکاریوں کو ملازم رکھا۔ اور پرندوں کی قیمتیں پروں کے حساب سے مقرر کیں جس

---

[5] اس صنعت کے بارے میں معلومات فراہم کرنے میں عبدالعلیم صاحب مالک عبدالعلیم اینڈ سنز نے بہت امداد فرمائی جن کا میں ممنون ہوں۔ ان کے علاوہ للتا پرشاد صاحب تواری سپرنٹنڈنٹ علی گڑھ مٹل ورکنگ اسکول اور ان کے اسٹاف اور خصوصیت کے ساتھ ان کے نوجوان اور ہونہار انسپکٹر اعجاز احمد صاحب نے بہت سی ضروری معلومات فراہم کیں۔ یہ جائزہ نومبر ۱۹۵۸ء میں لیا گیا۔

سے اس کا کام کچھ چکا۔ یہ ہارٹ صاحب پولس سرکل انسپکٹر علی گڑھ کا داماد تھا۔ ان کی دو کوٹھیاں تھیں جن میں سے ایک فلر کے پاس ہے اور دوسری نیشنل ایجنسی کے پاس ہے۔ ہارٹ کی بیوی لیڈی ڈاکٹر تھی، لیکن یہ باقاعدہ پریکٹس نہیں کرتی تھی۔ پردوں کے کام کے چلنے کے بعد جانسن ٹیل کی لائن میں آیا اور سب سے پہلے تالے کا کام شروع کیا۔ اس نے اس قدر عمدہ قسم کے تالے بنوانا شروع کئے کہ جب اس کے زمانے کے بنے ہوئے تالے اب کسی کے ہاتھ لگ جاتے ہیں تو اب کے کام سے بہت بہتر معلوم ہوتے ہیں۔ یہ باہر کے دوکانداروں سے کاروبار نہیں کرتا تھا۔ صرف گورنمنٹ کو اور ریاستوں کو سپلائی کرتا تھا۔ پیتل کے تالوں کے بعد جانسن نے سب سے پہلے گیلوا فائنڈ آئرن پیڈلاک بنایا اور اس کی قلعی اسی کی ایجاد کی ہوئی ہے۔ جب عام پبلک نے اسے استعمال کرنا شروع کیا تو جانسن نے مقدمہ لڑایا پنڈت ٹیکا رام جھا کے فرم سے مقدمہ بازی ہوئی۔ جانسن مقدمہ ہار گیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ عدالت کا فیصلہ یہ تھا کہ پیٹنٹ کسی شکل کا ہو سکتا ہے، قلعی کے طریقے کا پیٹنٹ نہیں ہو سکتا۔ بہرحال اس کے بعد عام پبلک میں یہ طریقہ رائج ہو گیا۔

دوسرا کام جانسن نے پریے بٹن کا شروع کیا اور اس کے لئے اس نے امریکہ اور جرمنی سے کاریگر بلوائے۔ اسی کی وجہ سے بعد میں یہ کام علی گڑھ کے اور دوسرے لوگوں میں پھیلا۔

اینمل (تام چینی) کا کام سب سے پہلے انھوں نے انگلینڈ اور امریکہ سے ماہروں کو بلا کر رائج کیا۔ اس کے بعد یہ ہندوستان کے دوسرے شہروں میں پھیلا۔

چوتھا کام آرا مشین کا ہے۔ جانسن پیکنگ کیس کے واسطے تختے چیرنے کے لئے ان کا استعمال کیا کرتا تھا۔ دوسرے آدمیوں نے انھیں بعد میں استعمال کیا۔

پانچواں کام دھات کی چادروں کو موڑنے کی مشین کا ہے۔ یہ بھی جانسن بہت پہلے یہاں لگا چکا تھا۔

تالے وغیرہ کا کاروبار گورنمنٹ کے ساتھ کرنے میں یہ سب سے پہلا شخص تھا۔ پوسٹل ورکشاپ میں جتنا کام ہوتا تھا اس سے زیادہ کام جانسن نے کیا۔ جانسن کے زمانے میں اس کارخانے میں سترہ سو، اٹھارہ سو آدمی کام کیا کرتے تھے۔

چھٹا کام لکڑ ٹمبر کو اس نے جاری کیا۔

موٹر کی مرمت کے کام کا کارخانہ اپنے یہاں شروع کیا۔

منہ سے بجانے کے باجوں اور ہارمونیم باجوں میں جو پیتل کی باریک شیٹ لگی ہوتی ہے۔ اس کے بنانے اور رواج دینے کی اس نے بہت کوشش کی لیکن اس میں اسے کامیابی نہیں ہوئی۔ سینگ کے بٹن بھی گورنمنٹ کو سپلائی کیا کرتا تھا۔

الیکٹرو پلیٹنگ کا کام سب سے پہلے جانسن نے شروع کیا اور اس کا کارخانہ اب تک اسی کام کے لئے مشہور ہے۔ بلکہ اس کی وجہ ہی سے چل رہا ہے۔

ڈیٹنگ مشین جانسن نے بنوائی۔ جانسن بہت صاحب دماغ آدمی تھا اور بہت سی چیزیں اسی کی نکالی ہوئی ہیں۔ علی گڑھ کے بہت سے لوگ اس کی ایجادوں کی وجہ سے روٹی کھا رہے ہیں۔

اپنے دفتر میں آٹھ بجے جاتا تھا۔ اخبار دیکھتا تھا۔ ڈاک آ جاتی تھی اور خود ٹائپ کر کے اپنے ہاتھ سے ڈاک کا جواب دیتا تھا۔ اتنے میں گیارہ بج جاتے تھے اور دفتر کے کلرک آ جاتے تھے اور یہ اکیلا بیٹھ کر کام کرتا رہتا تھا۔ پھر ایک گھنٹے کے لئے لنچ کے لیے جاتا تھا۔ پھر چار بجے دفتر چھوڑ دیتا تھا۔ باقی لوگ ۵ بجے تک کام کرتے رہتے تھے۔ اس کا یہ حکم تھا کہ دفتر کے بعد کارخانے کی کوئی خبر اس تک نہ پہنچائی جائے۔ ایک دفعہ آگ لگ گئی تب بھی وہ نہیں گیا۔

مزدوروں کے ساتھ اس کا برتاؤ بہت اچھا تھا۔ ان کے ساتھ پیڑھی پر بیٹھ کر
[illegible]

گائے ہیں ہم ان کا دودھ پیتے ہیں۔ ہمیں ان کو خوش رکھنا چاہیئے۔ جب کام مندا ہوجاتا تو مزدوروں کو چنے کھلایا کرتا تھا اور ان سے کہتا تھا کہ دعا مانگو کہ آرڈر آئیں اور کام پھر سے شروع ہو۔

ابتدا میں پھوس کے چھپروں میں کام کرتا تھا، بعد میں پختہ مکانات اور کوٹھیاں تعمیر کرائیں۔ مینز اور جینز نام کی دو کوٹھیاں بہت بڑی اور خوب صورت ہیں۔

عام افواہ یہ ہے کہ شراب کے نشے میں رات کے کھانے پر اس نے اپنے کارخانے کا بیع نامہ ڈیڑھ لاکھ روپے میں لکھ دیا تھا۔ دوسرے دن صبح کو یہ اپنی کوٹھی کے ایک ایک درخت سے مل کر خوب رویا اور پھر ریل کی پٹڑی کے پاس کھڑے ہو کر اس نے اپنی جان دے دی۔ آخر زمانے میں اس نے دوسری شادی کر لی تھی اور یہ بات مشہور ہے کہ دوسری بیوی اس سے برابر کہتی تھی کہ کارخانہ فروخت کرکے باہر چلو۔ اب یہ کارخانہ نواب فرزل اللہ خاں صاحب کی ریاست کے پاس ہے اور کورٹ آف وارڈز کے زیر انتظام ہے۔

(iii) اسپارلنگ کا کارخانہ | جان سن کے بعد پرائیویٹ لوگوں میں دوسرا نام اسپارلنگ کا ہے۔ یہ بھی یورپین تھا اور پوسٹل ورکشاپ میں منیجر تھا۔ اسپارلنگ کا اس صنعت پر کوئی بڑا احسان نہیں ہے۔ اس نے صرف ایک تالا نیوایا اور اپنا تمام روپیہ صرف اسی ایک تالے سے پیدا کیا۔ پوسٹ آفس میں جو ایک انچ کا تالا استعمال ہوتا ہے، تھیلوں وغیرہ میں لگانے کے لئے وہ اسپارلنگ ہی کا ہے۔ اسپارلنگ بہت روپیہ چھوڑ کر مر گیا۔ اس کی میم بابو منالال کے ذریعے سے کاروبار چلاتی رہی۔ اس کی لڑکی انسپکٹر جنرل پولیس کی بیوی ہے۔ اس نے صرف ۲۳ ہزار میں بابو منالال کے ہاتھ عمارت اور پورا کاروبار فروخت کر دیا۔ اسپارلنگ چونکہ پوسٹل ورکشاپ میں منیجر تھا، اس لئے وہاں کے اثر ورسوخ سے اس نے یہ کارخانہ قائم کیا تھا۔ اس کا تالے کی صنعت پر کوئی خاص احسان نہیں ہے۔

(iv) استاد حسین بخش اور رفیع الدین صاحبان | استاد حسین جانسن کے یہاں ملازم تھے۔ جانسن کے کام کو

یکر جب نکلے تو انھوں نے شہر میں اس کو بہت پھیلایا۔ شہر میں جو لوگ کام کر رہے ہیں ان
ں ۹۵ فی صدی سے زیادہ اُن کے شاگرد ہیں۔ علیم اینڈ سنز کے کارخانے میں بھی یہ کام ان ہی
ی وجہ سے رائج ہوا ہے۔ کیونکہ جب انھوں نے یہ کام چلایا تو ان کو ملازم رکھ لیا تھا۔ ۷۰ برس
ی عمر ہے لیکن ابھی تک بالکل جوان معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے لڑکے نے بہت بڑا کارخانہ
میر آباد کے سامنے بنایا ہے۔

رفیع الدین صاحب علیم صاحب کے خالہ زاد بھائی اور بہنوئی ہیں۔ گیلوانائزڈ
انا، معمولی قسم کا تھا اس کو اچھی صورت میں لانا اور اس کو ولایتی پالش کے مقابلے پر لانا
ن ہی کا کام تھا۔ کسی وقت میں ان کا بہت اچھا کاروبار تھا، اور کاروبار میں ان کا دماغ
ی خوب چلتا تھا۔ انھوں نے کئی تالے نئے ایجاد کئے جن سے اب دوسرے لوگ فائدہ اٹھا رہے
یں۔ ہندوستان کی چیزوں کو ریاست میں پھیلانے کے سلسلے میں یہ سب سے بڑے کام کرنے
والے تھے۔ ان کے پاس اشرفیاں تھیلیوں میں بند ہو کر ایڈوانس کی صورت میں آیا کرتی تھیں
سی کاروبار کرنے والے کو اتنی سہولتیں نہیں ملیں۔ لیکن بزنس کو کنٹرول نہیں کر سکے اس
لئے نقصان ہوا۔ ان کے کارخانے میں علیم صاحب کا نام بھی ان کے نانا نے ڈال دیا تھا جس
ی وجہ سے علیم صاحب کو بھی ۱۴ ہزار کے نقصان کا بھگتان کرنا پڑا تھا۔

تانبے والوں میں سرکار کے پسندیدہ ٹھیکے دار

سنہ ۱۹۲۶ء میں جب انڈین اسٹور پرچیز ڈیپارٹمنٹ قائم ہوا
تو علی گڑھ پوسٹل ورکشاپ کا کام بہت محدود کر دیا گیا۔
س کے پاس صرف ایک کام مہر بنانے کا رہ گیا اور باقی تمام کام ان ٹھیکہ داروں کے ذریعہ
ان کی فہرست میں پسندیدہ لوگوں میں درج کئے گئے لیا جانے لگا اور یہی صورت
ابھی تک جاری ہے۔ علی گڑھ کا میٹل ورکنگ اسکول بھی سنہ ۱۹۲۶ء میں قائم کیا گیا۔
موجودہ جنگ کی وجہ سے گورنمنٹ نے اسٹور پرچیز ڈپارٹمنٹ اور فوجی محکمے کے ڈائرکٹر
ف کنٹریکٹس دونوں کو توڑ کر اور ملا کر چیف کنٹرولر آف سپلائی کا عہدہ قائم

گیا اور اسی نام سے اب کاروبار ہو رہا ہے۔

انڈین اسٹور پرچیز نے کام خوب کیا۔ اس کی سرکلرینم ہوئے تھے۔ اس کی طرف سے انگزامینر مقرر ہوتے تھے۔ بڑا دفتر تھا اور نہایت عمدہ اور معقول افسر ہوتے تھے جو صنعت کے بہت ہمدرد ہوتے تھے۔ یہ محکمہ جیلوں اور گورنمنٹ کے اور سارے محکموں کی ضرورتوں کو پورا کیا کرتا تھا۔ صرف فوجی محکمہ ایسا رہ گیا تھا جو اس کی معرفت چیزیں نہیں خریدتا تھا، بلکہ ڈائرکٹر آف کنٹریکٹس آرمی ہیڈکوارٹرز کی معرفت سامان حاصل کرتا تھا۔

انڈین اسٹور پرچیز کے پسندیدہ ٹھیکہ داروں میں علی گڑھ کے تالے وغیرہ کا کام کرنے والوں میں ۱۳ حسب ذیل فرمیں تھیں۔

۱۔ جے ایچ جانسن اینڈ کو، علی گڑھ	۷۔ ایس وزیرالدین اینڈ سنز گوریا باغ۔ علی گڑھ
۲۔ انڈسٹریل فیکٹری اینڈ لاک ورکس "	۸۔ الائنس لاک ورکس "
۳۔ ڈائمنڈ جبلی لاک ورکس "	۹۔ پنڈت ہیرالال جی "
۴۔ اسپارلنگ پیٹنٹ لاک ورکس "	۱۰۔ ہرد لیو پیٹنٹ لاک ورکس "
۵۔ عبدالعلیم اینڈ سنز "	۱۱۔ ڈے اے اینڈ سنز "
۶۔ ایس ایس ڈی برادرز بالائے قلعہ "	۱۲۔ پنڈت مصرلال جی "
۱۳۔ ٹیکارام اتم چند۔ علی گڑھ	

ڈائرکٹر آف کنٹریکٹس آرمی ہیڈکوارٹرز کے نزدیک صرف پانچ حسب ذیل فرمیں پسندیدہ تھیں :-

۱۔ جے ایچ جانسن علی گڑھ	۳۔ عبدالعلیم اینڈ سنز علی گڑھ
۲۔ اسپارلنگ "	۴۔ ڈائمنڈ جبلی "
۵۔ انڈسٹریل لاک فیکٹری اینڈ آئرن ورکس	

غرض صرف اسپرس کی فرمیں گورنمنٹ کے ساتھ کام کرتی تھیں بعد میں ... [illegible]

کمال سپلائی کیا کرتی تھیں۔

میری تحقیقات کے زمانے میں جو فرم چیف کنٹرولر آف سپلائیز کو بڑے پیمانے پر لڑائی کا سامان تیار کرکے بھیج رہی تھیں اور جن کے کام کی تمام شہر میں دھوم مچی ہوئی تھی وہ دو تھیں۔ اول نمبر پر حبدالعلیم اینڈ سنز اور ان کے بعد انڈین ایپلمنٹ ورکس کا نمبر تھا۔ موخر الذکر کے مالک موہن لال بیرسٹر کچہری محلہ نورنگ آباد تھے۔ ان کے لڑکے بھی وکیل ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جنگ سے پہلے ان کی مالی حالت اچھی نہیں تھی لیکن برس ڈیڑھ برس کے اندر عام طور پر یہ مشہور ہے کہ انھوں نے آٹھ، نو لاکھ روپیہ کما لیا۔ انھوں نے بڑے نئے طریقے سے کام شروع کیا۔ انھیں اور ان کے لڑکے کو گورنمنٹ سے پانچ سو، سات سو روپے تنخواہ ملتی ہے۔ ان کے سارے اسٹاف کو بھی تنخواہ ملتی ہے۔ مال کی سپلائی پر ۱۰ فی صدی منافع ملتا ہے۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ اس مقررہ نرخ کے مقابلے میں ان کو ۲۵ فی صدی منافع پڑ جاتا ہے۔ ان کے یہاں دو لاکھ کا کام مہینے میں ہو جاتا ہے۔ خود موہن لال صاحب سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ان کے یہاں ایک ہزار مزدور کام کرتے ہیں۔ مزدور سب علی گڑھ کے ہیں۔ جمعدار مزدوروں کی فراہمی کا ذمہ لیتا ہے۔ یہ اپنا سب مال اپنے ہی کارخانے میں تیار کراتے ہیں۔ ذیلی ٹھیکے داروں سے کام نہیں کراتے۔ کچا مال یعنی لوٹا پھوٹا پیتل (اسکریپ) کانپور، آگرہ اور ڈھاکہ سے آتا ہے۔

ان دو فرموں کے علاوہ سرکاری ٹھیکے دار کی حیثیت سے باقی اور دوسرے تمام فرموں کا کام دوسرے درجے پر تھا۔ البتہ سرکاری ضرورت کے لئے تالوں کے مہیا کرنے کا کام تقریباً سارے کا سارا گورنمنٹ میٹل ورکنگ اسکول کی معرفت انجام پا رہا تھا۔ اس کے افسران اپنی ذاتی اہتمام و نگرانی میں بھی تالے تیار کراتے تھے۔ بڑے کارخانہ داروں کو بھی آرڈر دیتے تھے اور چھوٹے کارخانہ داروں اور دستکاری گھروں کو بھی آرڈر دیتے تھے اور انھیں ضروری کچا مال بھی مہیا کرتے تھے

نئے علی گڑھ کے مکانوں کا جائزہ

اگر ای، آئی، آر لائن کو خطِ تقسیم قرار دیا جائے تو علی گڑھ شہر کو دو حصوں میں بانٹا جا سکتا ہے، ایک جنوب مغربی حصہ جس میں پرانا شہر ہے اور دوسرا شمالی مشرقی حصہ جس میں نیا شہر ہے جسے تین مختلف ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے، سول لائن، چھاونی، اور یونیورسٹی ٹاؤن۔ ذرا غور کرنے سے یہ بات فوراً معلوم ہو جاتی ہے کہ ناموں کا یہ اختلاف ایک حقیقی فرق کو ظاہر کرتا ہے کیونکہ شہر علی گڑھ کی ساری نئی آبادی ہم آہنگ اور یکساں نوعیت کی نہیں ہے بلکہ تین مختلف عناصر پر مشتمل ہے۔ پہلا عنصر علی گڑھ کے خوش حال اور کامیاب لوگوں پر مشتمل ہے جو پرانے شہر سے دور ایک نئی اور زیادہ ترقی یافتہ زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ دوسرا عنصر سرکاری عہدہ داروں اور پولیس کے لوگوں کا ہے جن کا شہر کی زندگی سے محض ایک سرکاری تعلق ہے اور اس میں دیوانی، کلکٹری اور ریلوے کے عہدہ دار اور پولیس لائن کے لوگوں کو شامل کیا جا سکتا ہے۔ تیسرے عنصر کا علی گڑھ کی شہری زندگی سے کوئی راست تعلق نہیں ہے ان کا حقیقی تعلق مسلم یونیورسٹی سے ہے چونکہ مسلم یونیورسٹی کا مستقر علی گڑھ ہے اس لئے یہ لوگ علی گڑھ میں رہتے ہیں۔ شہر میں اجنبیوں اور غیروں کی طرح جاتے ہیں اور ضرورت کے سامان لے کر چلے آتے ہیں۔ اگر یہ سامان یونیورسٹی میں ملنے لگیں تو انھیں شہر جانے کی کوئی خواہش نہ ہوگی۔ اس میں شک نہیں اس آبادی کے ایک حصے نے یہاں مستقل سکونت اختیار کر لی ہے۔ اور اپنے ذاتی مکانات بنا لئے ہیں۔ لیکن زیادہ تر حصہ ایسا ہی ہے جن کا قیام غیر مستقل رہتا ہے اور جن لوگوں کی یہاں مستقل سکونت ہے انھوں نے بھی اپنی دنیا الگ رکھی ہے جس پر شہر علی گڑھ کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ چنانچہ ہم مندرجہ بالا تقسیم کو سامنے رکھتے ہوئے علی گڑھ شہر کی نئی آبادی کا جائزہ لیتے ہیں۔

۱۔ علی گڑھ کے کامیاب لوگوں کے مکانات | اترولی روڈ کے مکانات کو اس قسم کے مکانوں کا خاص ...

بنا چاہیئے۔ یہاں علی گڑھ کے کامیاب تاجروں، ساہوکاروں، زمینداروں، سرکاری ملازموں اور
ملوں نے مکان بنائے ہیں۔ یہ مکان تقریباً تمام تر ہندوؤں کے قبضے میں ہیں۔ ان میں زیادہ مکان
وہ ہیں جو شہر جیسے محلے بسا کر تعمیر کئے گئے ہیں۔ لیکن شہر کے مقابلے میں زیادہ کشادہ، ہوادار
اور باترتیب ہیں۔ علی گڑھ سے اتر دلی جانے والی سڑک پر ای، آئی، آر لائن کو عبور کرنے کے
بعد دائیں ہاتھ پر بیکنٹھ نگر، سداما پوری، وشنو پوری اور نورنجن پوری اور بائیں ہاتھ پر
پریم نگر اور شیام نگر کی بستیاں ملتی ہیں جو شہر کے محلوں سے بس تھوڑی ہی سی مختلف ہیں۔ ان بستیوں
میں دوکانیں بھی ہیں، بازار بھی ہیں، کارخانے بھی ہیں۔ مکان پاس پاس ہیں اور تقریباً شہر کی
وضع قطع کے ہیں۔ گو شہر کے مقابلے میں کچھ زیادہ صاف اور باترتیب ہیں۔ اس سڑک پر آگے
بڑھ کر البتہ کچھ کوٹھیاں ملتی ہیں۔ لیکن نواب سمیع اللہ خاں کی کوٹھی کو چھوڑ کر باقی سب کے مالک اور
قابض ہندو ہیں، دائیں ہاتھ پر مکانوں، بغیچوں اور کوٹھیوں کے علاوہ ٹیکا رام گرلز اسکول
اور پبلک موہن اسپتال کی بلڈنگس بھی ہیں۔ اسی طرح بائیں ہاتھ پر کوٹھیوں، بغیچوں اور باغوں
کے علاوہ دی لائنس لاک ورکس (تالے کا کارخانہ) اور برف کا کارخانہ بھی ہیں۔ نئی بستیوں
کے مکانوں کے علاوہ صرف کوٹھیاں پندرہ کے قریب ہوں گی جن میں ایک مسلمان کی تھی،
جو اُجڑی ہوئی سی نظر آتی تھی۔ سب کوٹھیاں دس ہزار سے کم لاگت کی معلوم ہوتی تھیں۔

۲۔ ملے جلے مکانات | ان کے نمونے میرس روڈ، ڈاک بنگلہ روڈ، ڈگی والی سڑک، دودھ پور
والی سڑک، چھیرت کی سڑک اور جانسن کے کارخانہ والی سڑک پر نظر آئے۔ ان مقامات
پر یونیورسٹی کے لوگوں، ضلع کے زمینداروں، شہر کے وکیلوں، ساہوکاروں اور دولتمند
لوگوں کے مکانات اور ریلوے کوارٹرز باہم ملے جلے نظر آئے۔ ان مکانوں میں میرس روڈ کے
تقریباً تمام مکان اول درجے کے تھے اور دوسری سڑکوں کے مکان اول اور دوئم دونوں
درجوں کے تھے۔

میرس روڈ کے مکانوں میں تعداد کے لحاظ سے تقریباً آدھے مکان ہندوؤں اور

انتے مسلمانوں کے تھے۔ لیکن مالیت کے لحاظ سے مسلمانوں کے مکان بہت بڑے ہوئے تھے کیونکہ ہندوؤں کا غالباً کوئی مکان بیس ہزار سے زیادہ مالیت کا نہیں تھا اور مسلمانوں کے بہت سے مکان بیس ہزار تا لاکھ ڈیڑھ کی مالیت کے تھے۔ اس سڑک کے تمام وہ مکان جن کی حیثیت دس ہزار سے اوپر ہے تقریباً چالیس کے قریب ہیں۔

ڈاک بنگلہ روڈ پر مسلمانوں کا کوئی مکان نہیں ہے۔ یہاں ایک احاطہ میں کئی مکان ہیں۔ ہر مکان کو اگر علیحدہ شمار کیا جائے تو غالباً دس ہزار سے زیادہ حیثیت کا ایک مکان بھی نہیں نکلے گا۔ اس سڑک کے کل مکانوں کی تعداد بیس کے قریب ہوگی۔

ڈگی والی سڑک پر کسی ہندو کا مکان نہیں ہے۔ یہاں بھی ایک احاطے میں کئی کئی مکان ہیں اور مکانوں کی مالیت دس ہزار سے کم ہے، کل تعداد بیس کے قریب ہوگی۔

دودھ والی سڑک پر سوائے موضع دودھ پور کے کم حیثیت مکانوں کے کسی ہندو کا کوئی مکان نہیں ہے لیکن مسلمانوں کے مکان بہت بڑی مالیت کے ہیں۔

چھیرت کی سڑک پر تین چار ہندو ٹرسٹ کی کوٹھیوں کے سوا کوئی ہندو مکان نہیں ہے مگر گلزاری لال ٹرسٹ کی دو کوٹھیاں زیادہ مالیات کی ہیں۔ مسلمانوں کے سب مکان زیادہ مالیت کے ہیں۔ کچہری تا قلعہ کی سڑک پر سوائے دو تین ہندو مکانوں کے کسی ہندو کا مکان نہیں ہے۔ جانسن کے کارخانے والی سڑک پر بھی سوائے چار پانچ ہندو مکانوں کے کسی ہندو کا مکان نہیں ہے۔ جانسن کی بنوائی ہوئی کوٹھیوں کی مالیت جواب منزل اللہ خاں کے وارثوں کے قبضے میں ہے زیادہ ہے۔

عنوان نمبر ۲ کے کل مکانوں کا اگر شمار کیا جائے تو تقریباً سو کوٹھیوں میں سے ۲۰، ۳۰ کوٹھیاں ہندوؤں کی نکلیں گی۔ لیکن ان کی مالیت مسلمانوں کی کوٹھیوں کے مقابلے میں صرف دس فی صدی ہوگی۔

مسلم یونیورسٹی ٹاؤن کے مکانات۔ اس میں مسلم یونیورسٹی (جانب شرقی) کی زمینوں پر تعمیر کئے ہوئے

جملہ مکانات موضع بھولا کے پاس اور آر آر لائن کے قریب کے مکانات اور وقف عبدالرحمٰن کی زمینوں پر تعمیر کئے ہوئے مکانات شامل کئے جا سکتے ہیں۔ اس میں زیادہ تر اول اور کم تر دویم درجے کے مکانات ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر دس ہزار سے زیادہ مالیت کے مکان ہیں یہ مسلم یونیورسٹی کے اسٹاف کے لوگوں نے بنائے ہیں یا ان لوگوں نے بنائے ہیں جو اپنی ملازمتوں سے پنشن لینے کے بعد اپنی اولاد کی تعلیم کی خاطر علی گڑھ میں بس گئے۔ ان کوٹھیوں کی تعداد بھی تقریباً سو کے قریب ہوتی ہے۔

چنانچہ علی گڑھ کے نئے شہر کی محض کوٹھیوں اور بنگلوں کا اگر شمار کیا جائے اور اس میں ہندو اور مسلمانوں کا تناسب دیکھا جائے تو یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ ہندوؤں کے پاس تعداد کے لحاظ سے تقریباً ۱۵ فی صدی اور مالیت کے لحاظ سے پانچ فی صدی کوٹھیاں اور بنگلے ہیں۔ مسلمانوں کی یہ کوٹھیاں ابھی تک قرض کے چکر میں نہیں پھنسی ہیں، تین چار کوٹھیوں کے بارے میں یہ بیان کیا گیا کہ وہ خیالی رام جاپان والوں کے یہاں جو سکنا کی جائداد پر روپیہ قرض دیتے ہیں اور میرس روڈ پر کئی کوٹھیوں کے مالک ہیں، رہن رکھی گئی تھیں لیکن اب کہا جاتا ہے کہ وہ بھی قرض کے بار سے سبکدوش ہو گئی ہیں۔ ان کوٹھیوں کا انجام آئندہ کیا ہوگا اس کا انحصار نئی نسل پر ہے۔ اگر موجودہ نسل کے لوگوں کی اولاد لائق ثابت ہوئی اور اتنا کما سکی کہ جس سے اس بلند معیار کو جو کوٹھیوں میں رہنے سے لازماً اختیار کرنا پڑتا ہے پورا کر سکی تب تو یہ جائداد ان کے پاس یا ان کے ہم مذہب مسلمانوں کے پاس ان کا پہنچنا لازمی ہو جائے گا۔

مسلم یونیورسٹی ٹاؤن مسلمانوں کی ایک نہایت ستھری اور پاکیزہ آبادی بن سکتی ہے۔ جنگ نے اس کی ترقی میں فی الحال رکاوٹ ڈال دی ہے، لیکن جنگ کے خاتمہ پر امید ہے کہ یہ آبادی اور زیادہ تیزی کے ساتھ ترقی کرے گی اس کی جماعتی زندگی کو مسلم یونیورسٹی کی سیاست اور ہندوستان کی سیاست سے علیحدہ کر

منظم کیا جاسکے تو شاید مسلمانانِ ہند کی معاشرتی اور تمدنی اور ترقی کا کام بہت کامیابی کے ساتھ انجام دے سکے گی۔ کیا وہ لوگ جو اس آبادی میں رہتے ہیں اپنے مواقع اور اپنی ذمے داریوں سے واقف ہیں۔

کتب موصولہ پر ایک نظر

ہندوستان کی معیشت اور جنگ

از محمد احمد خاں صاحب بی اے ایل ایل ، بی علیگ - متوسط تقطیع ، عمدہ جلد ، اور روپوش ، کتابت ، طباعت دیدہ زیب ، صفحات ۲۹۶ - قیمت تین روپے

ملنے کا پتہ :- ادارۂ معاشیات ، فاطمہ منزل ، حمایت نگر ، حیدرآباد دکن ۔

معاشی تالیفات کے سلسلے میں مولوی محمد احمد خاں صاحب اچھا نام پیدا کر چکے ہیں۔ اُن کی زیر نظر کتاب ایک نہایت کامیاب علمی کوشش ہے۔ اس میں ہندوستانی معیشت کے مختلف پہلوؤں پر ، جنگ کے جو اثرات ہوئے ہیں ، ان کا تجزیہ تازہ ترین اعداد و شمار کی روشنی میں کیا گیا ہے اور مشکل سے مشکل مفہوم کو اس طرح عام پیرایے میں بیان کیا گیا ہے کہ ہر پڑھا لکھا شخص اسے بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ کتاب کے نو باب ہیں جن میں جنگ کے زمانے میں ہندوستان کی زراعت ، صنعت ، تجارت خارجہ وسائل نقل وحمل ، زر ، بنک ، مالیات ، قومی رضہ کی جو کیفیت رہی ہے اس کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور آخری باب میں جنگ کے بعد ہندوستان کے جو معاشی مسائل ہوں گے ان کی وضاحت کی گئی ہے ۔ ہر موضوع پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ انھوں نے شستہ زبان اور شگفتہ انداز میں ایسا پیش کیا ہو جو آسانی سے کسی انگریزی کتاب میں بھی نہیں ملتا ۔

ہندوستانی معاشیات کے مبادی

از شرف الدین صاحب بی اے ۔ بڑی تقطیع ، غیر مجلد ، کتابت طباعت اچھی صفحات ۲۵۸ قیمت دو روپے ۔ ملنے کا پتہ ۔ دفتر طیلسانیین ، عثمانیہ باغ عامہ ، حیدرآباد دکن ۔

اردو زبان میں معاشیات ہند کے موضوع پر بہت کم کتابیں موجود ہیں ۔ شرف الدین صاحب نے اس کتاب کو تیار کرکے ایک اہم ضرورت کو پورا کیا ہے ۔ اس کتاب میں برطانوی ہند کے علاوہ مملکت آصفیہ کی معاشی زندگی سے متعلق بھی اجمالی حالات ایک جگہ جمع کردئے گئے ہیں ، کتاب کی زبان سادہ اور عام فہم ہے ، اُمید ہے کہ اردو داں طبقہ کے لئے عموماً اور معاشیات کے طلبار کے لئے خصوصاً یہ کتاب بہت مفید ثابت ہوگی ۔

نادراتِ شاہی

مرتبہ امتیاز علی خاں صاحب عرشی ، بڑی تقطیع ، خوب صورت جلد ٹائپ کی پاکیزہ طباعت بہت عمدہ کاغذ ، صفحات ۳۲۷ ۔ قیمت درج نہیں ۔

یہ شاہ عالم ثانی کے اردو ، فارسی اور ہندی کلام کا مجموعہ ہے جو بادشاہ کے حکم سے ۱۹۹ھ میں مرتب کیا گیا تھا ۔ اسے تصحیح کے بعد عرشی صاحب نے سلسلۂ مطبوعات کتاب خانۂ عالیہ ریاست رامپور کے ماتحت حسب الحکم نواب صاحب ریاست رامپور شائع کیا ہے ۔ اس کے لئے بشیر حسین صاحب زیدی چیف منسٹر نے تقریب لکھی ہے اور عرشی صاحب نے ۴۳ صفحوں کا دیباچہ لکھا ہے ۔ متن کتاب کو اردو اور ہندی دونوں رسم الخط میں لکھا گیا ہے اور کتاب کے آخر میں اشاریہ دیا گیا ہے جسے حسب ذیل پر تقسیم کیا گیا ہے ، اشخاص و مقامات ، آتش بازی و روشنی ، پھول پھل ، اور رسمیں ، یہ کتاب زبان اردو کے مؤرخوں اور محققوں کے لئے ایک بیش قیمت ماخذ ثابت ہوگی ۔

دی مسلم لیگ

از ولفورڈ کانٹ اسمتھ ، چھوٹی تقطیع صفحات ۷۵ ۔ بزبان انگریزی ، اچھی ، قیمت دو روپے ، ناشر ۔ دی منروا بورکشاپ ، لاہور ۔

ولفورڈ اسمتھ نے اپنی کتاب "دی ماڈرن اسلام ان انڈیا" کو لکھ کر پڑھے لکھے مسلمانوں
یں اور خاص طور پر ہندوستانیوں میں عام طور پر خاصی شہرت حاصل کرلی ہے مصنف
موصوف کا اسلامی ہند کے بارے میں مطالعہ بہت اچھا ہے۔ یہ فورمن کرسچین کالج لاہور
ں تاریخ اسلام کے لکچرر اور علی گڑھ کے ہنری مارٹن اسکول آف اسلامک اسٹڈیز کے
فیق خارجی ہیں۔ موصوف اشتراکی عقیدہ رکھتے ہیں اور اسی نقطہ نگاہ سے انھوں نے
سلامی تحریک کا مطالعہ کیا ہے اپنی پہلی کتاب میں مسلم لیگ کو انھوں نے ایک رجعت پسند
تحریک ثابت کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن زیر نظر رسالہ میں اُن کا نظریہ تبدیل ہوگیا
ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی کے تجزیہ حالات سے انھیں
پورا اتفاق ہے۔ ان کی اس کتاب میں کوئی ندرت اور جدت نہیں پائی جاتی، ان تمام باتوں
وجن کی کمیونسٹ اپنے پلیٹ فارم اور پریس کے ذریعے خوب اشاعت کرچکے ہیں۔ اس
کتاب میں بھی دہرا دیا گیا ہے۔

اشتراکیت اور اسلام

از مسعود عالم صاحب ندوی، تقطیع متوسط، صفحات ۸۰، غیر مجلد، طباعت
وکتابت رسالہ معارف جیسی۔ قیمت ۸ عہ

یہ مطبوعات دار المصنفین کے سلسلے کی اڑسٹھویں کتاب ہے، اس کتاب میں پہلی
مرتبہ مذہب اسلام کے حامیوں کی طرف سے اشتراکیت کو سنجیدگی کے
ساتھ سمجھ کر اسی پر تنقید کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور اس اعتبار سے یہ کوشش
مستحق ستائش ہے۔ لیکن ابھی اس قسم کی اور بہت سی کوششیں کرنے کی ضرورت ہے
تب ہی تمام تنقیح طلب امور پوری طرح روشنی میں آسکیں گے اور مقابلہ اور مباحثہ کے
لئے ایک مشترکہ میدان تیار ہوسکے گا۔ اب تک مناظرہ کی صورت یہ رہی ہے کہ فریق مخالف
کی طرف من مانے خیالات وعقائد و اعمال منسوب کئے جاتے رہے ہیں اور انھی کی بنیاد پر

صفائی اور مدافعت کا موقع دئے بغیر اس کے خلاف فیصلے صادر کئے جا رہے ہیں۔ اپنے مخصوص حلقہ اور گروہ میں یہ چیز چاہے کتنی ہی دل خوش کن اور اطمینان بخش کیوں نہ نظر آتی ہو لیکن اس حلقہ سے باہر یہ طریقہ مضحک اور ناقابلِ اعتنا سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے ہم مسعود عالم صاحب ندوی کی اس کوشش کا خیر مقدم کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ خود وہ اور دیگر حضرات اشتراکیت کا اور زیادہ گہرائی کے ساتھ مطالعہ فرمائیں گے اور اسلام کے ساتھ اس کا جو بنیادی اختلاف یا مشابہت ہے اس کو واضح کرتے رہیں گے تاکہ عامتہ المسلمین کی صحیح رہنمائی کی جا سکے۔

علماء اور اسلام

از مظہر الدین صاحب صدیقی، چھوٹی تقطیع، غیر مجلد قیمت ۱۲ر، صفحات
ناشر:۔ دار الاشاعت نشاۃ الثانیہ جدید، نامپلی، حیدرآباد دکن۔

یہ مولوی مظہرالدین صاحب کے رسالہ "علمائے کرام کا مستقبل" کا دوسرا ایڈیشن ہے۔ اسے مصنف نے بعض اجزار کو حذف کر کے نئے اضافوں اور ترمیموں کے ساتھ دوبارہ شائع کیا۔ رسالہ کے اول ایڈیشن پر رسالہ جامعہ میں تنقید کی جا چکی ہے۔ زیر نظر رسالہ میں مصنف کا نقطہ یہ ہے کہ موجودہ قومی اور بین الاقوامی تحریکات میں صرف اسلام اور اشتراکیت دو ایسی تحریکیں ہیں جو انسانیت کے عالمگیر امراض و مصائب کا علاج پیش کرتی ہیں اور مقامی یا قومی وطن پرستی سے مبرا ہیں۔ یہی دو مقابل اصول زندگی ہیں جن کی کشمکش پر بالآخر دنیا کے مستقبل کا دار ہے۔ لیکن اشتراکی تحریک کو جس خلوص اور جوش کے ساتھ قبول کیا گیا اور اس کے عملی نفاذ کی ہے اس کے پیرووں نے جو قربانیاں اور سرفروشیاں کیں اس کی مثال موجودہ زمانے کے مسلما میں نہیں ملتی ہیں۔ اس لئے مصنف کا یہ دعوےٰ ہے کہ ہمارے علمار بھی اگر اسلام کو اسی جوش فروش خلوص اور اسی صداقت پسندی کے ساتھ لے کر اٹھیں اور اسے عبادات و ریاضات کا ایک مجموعہ قرار دینے کی جگہ انسان کی اجتماعی فلاح اور تہذیبی ترقی کے ایک نظریے کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کریں تو یقیناً وہ اشتراکی تحریک کے مقابلے میں بہت جلد اسے کامیاب کر سکتے ہیں۔

۱۔ اسلام کا سیاسی نظریہ اور فلاح عالم
۲۔ اسلامی نظام

از حکیم محمد اسحٰق صاحب سندھیلوی۔ چھوٹی تقطیع۔ غیر مجلد۔ قیمت ہر دو آٹھ آٹھ آنہ

ناشر دار الاشاعت نشاۃ الثانیہ جدید نامپلی، حیدرآباد دکن۔

یہ دونوں رسالے بھی موجودہ سیاسی و اجتماعی تحریک کے مقابلہ میں اسلامی نظام کی برتری ثابت کرنے کے لیے لکھے گئے ہیں اور لائق مطالعہ ہیں۔

رسول اللہ مرتبہ مولانا ایوب صاحب اصلاحی، غیر مجلد، چھوٹی تقطیع صفحات ۴۸ قیمت ۳؍۔ ناشر مؤتمر المصنفین کوچہ چیلان بیت السعید، دہلی۔

یہ سلسلہ مؤتمر المصنفین کی چوتھی کتاب ہے۔ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصر

مستند سیرت پیش کی گئی ہے۔

اسلامی نظمیں | از مولوی محمد شفیع الدین صاحب نیر۔ چھوٹی تقطیع، غیر مجلد صفحات ۲۴، ناشر حالی پبلشنگ ہاؤس، دہلی۔

نیر صاحب نے بچوں کے شاعر کی حیثیت سے جو شہرت حاصل کی ہے وہ محتاج تعارف نہیں ہے۔ اس مجموعے میں اسلامی تعلیمات کو بچوں کے دل میں بٹھانے کے لئے جو نظمیں مختلف اوقات میں لکھی گئی تھیں ان کو یک جا کر دیا گیا ہے۔

۱۔ نئی کہانیاں
۲۔ گھی شکر | از جناب مولوی محمد شفیع الدین صاحب نیر۔ تقطیع کاپی سائز، ضخامت علی الترتیب ۴۴، ۴۵ صفحات، خوش نما ٹائٹل قیمت ہر دو نو آنے

ملنے کا پتہ ←——— **مکتبہ جامعہ دہلی**

نیر صاحب کی نظموں کے یہ دو تازہ مجموعے سات، آٹھ سال کی عمر کے بچوں کے لئے جنھوں نے اردو پڑھنا نیا نیا سیکھا ہو۔ بہت مفید ثابت ہوں گے، ان سے نہ صرف ان کی معلومات بڑھیں گی۔ ان کے اندر سوچ بچار کی عادت پیدا ہوگی۔ اظہار بیان پر قدرت حاصل ہوگی، بلکہ اپنے گرد و پیش کی اشیاء سے دلچسپی لینے کا بھی شوق پیدا ہوگا۔

موج نیل | مترجمہ قاضی زین العابدین صاحب سجاد میرٹھی۔ چھوٹی تقطیع، عمدہ جلد اور گرد پوش، اچھی کتابت وطباعت، صفحات ۱۷۰۔ قیمت عہ، ناشر مکتبہ علمیہ قاضی واڑہ میرٹھ

یہ سلسلہ سید مصطفی لطفی المنفلوطی کے عربی افسانوں اور افسانوی مضامین کا ترجمہ ہے جو سجاد صاحب میرٹھی نے نہایت خوبی کے ساتھ انجام کو پہنچایا ہے۔ شروع میں مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی کا مقدمہ ہے۔ منفلوطی کو علامہ جمال الدین افغانی اور علامہ عبدہٗ کے فیض صحبت سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع ملا تھا، اس لئے دینی، اجتماعی اور اخلاقی مسائل میں اس کی نظر بہت گہری اور اس کی ہمدردیاں بہت وسیع ہو گئی تھیں۔ منفلوطی کا دل اپنے وطن مصر کی غلامی پر ہمیشہ سوگوار رہا، اور وہ اس کی آزادی کے لئے ساعی رہا۔ فکر و نظر کی

بلندیوں کے ساتھ افسانہ نگاری اور انشاء پردازی کے فن میں بھی اس کو کمال حاصل تھا۔ سعدزا غلول پاشا مرحوم منفلوطی سے کہا کرتے تھے۔ آپ کے مضامین کے آئینے میں جو عظیم شخصیت جلوہ گر ہے کاش اس کی جھلک دوسرے اہل قلم کی تحریروں میں بھی نظر آتی! اس پایہ کے ادیب کے لئے ایک قابل مترجم کی ضرورت تھی۔ ہمیں خوشی ہے کہ سجاد صاحب میرٹھی نے ترجمہ کا حق ادا کر دیا ہے۔ کسی جگہ یہ محسوس نہیں ہوتا کہ کسی دوسری زبان کا ترجمہ پڑھا جا رہا ہے بلکہ اپنی زبان کا مٹھاس، زور، محاورہ فصاحت اور شوکت ہر جگہ فراوانی کے ساتھ جلوہ ریز نظر آتی ہے "عذاب" اور "نقاب اٹھ جانے کے بعد" خصوصیت کے ساتھ ایسے افسانے ہیں جن کی نظیر اردو ادب پیش نہیں کر سکتا اور مترجم نے واقعی ان کے ترجمے میں اپنا پورا کمال دکھلا دیا ہے۔

سُرخ افسانے ترجمہ اسرار احمد صاحب آزاد، چھوٹی تقطیع، عمدہ جلد، مصور ٹائٹل اور گردپوش، اچھی کتابت و طباعت صفحات ۲۰۰ قیمت تین روپے۔

ناشر۔ نیا کتاب گھر اردو بازار، دہلی۔

اس مجموعے میں مختلف ہم عصر روسی افسانہ نگاروں کے انیس افسانوں کو یکجا کر دیا گیا ہے ان سب کا موضوع موجودہ جنگ ہے۔ اور ان کا مقصد دشمن کے خلاف نفرت کے جذبات کو برانگیختہ کرنا اور ملک کے لوگوں میں دلیری، ثابت قدمی، جان نثاری اور باہمی یگانگت اور محبت کو ترقی دینا ہے۔ ادب برائے ادب کے حامیوں کو یہ افسانے محض وقتی پروپیگنڈا نظر آئیں گے جن کا زندگی کی ابدی قدروں سے کوئی رابطہ نہیں ہے، اور وہ پیشانی پر بل ڈال کر اس کتاب کو ردی کی ٹوکری میں پھینکنا چاہیں گے۔ لیکن اس کے باوجود افسانہ نگاروں نے اپنا محدود کام زبان کی سلاست اور شگفتگی کو اچھی طرح قائم رکھا ہے اور افسانوں کے انتخاب میں جس اصول کو پیش نظر رکھا ہے وہ ان ہی کے الفاظ میں حسب ذیل طریقے پر بیان کیا جا سکتا ہے "ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ افسانے کے نام سے اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے یا لکھا جا رہا ہے اس کا کوئی مدعا، مقصد اور مفہوم نہیں لیکن جہاں [illegible]

فلسفے کی جگہ ہمارے قلوب میں ہمت، امنگ اور دلیری پیدا کرتا ہو، ہماری معاشرتی اور اخلاقی کمزوریاں اور برائیوں کی اصلاح پر توجہ دلاتا ہو، نیک مقاصد کے حاصل کرنے کے لئے ایثار اور سرفروشی کا سبق سکھاتا ہو اور زندہ رہنے کے لئے ہمارے دل میں خود ملک الموت سے ٹکرا جانے کا جذبہ پیدا کرسکتا ہو" جن لوگوں کو مترجم کے اس نظریہ سے اتفاق ہے ان کے لئے یہ افسانے دلچسپی کا باعث ہوں گے ان کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ "یہ ان لوگوں کے لکھے ہوئے ہیں جنھوں نے اشتراکی تہذیب کے سائے میں پرورش پائی ہے"

صبح انقلاب تقطیع $\frac{20 \times 30}{16}$ ضخامت ۱۴۸ صفحات۔ مجلد، مصور اور رنگین گرد پوش۔ کتابت اور طباعت اچھی اور قیمت فی جلد عہ

ملنے کا پتہ :- سید محمد زکریا صاحب صہبا، نند کشور لال روڈ۔ گیا، صوبہ بہار

زیر نظر کتاب مولوی محمد عباس صاحب سر پرکابری کے افکار کا نتیجہ ہے۔ آپ نواب فصاحت جنگ حضرت جلیل کے شاگرد، متعدد علمی کتابوں کے مصنف، ایک معمر کہنہ مشق شاعر ہیں غزل گوئی میں آپ کافی شہرت حاصل کرچکے ہیں۔ صبح انقلاب آپ کی نظموں کا مجموعہ ہے۔ اور بقول حضرت رضا علی صاحب وحشت کلکتوی "اس مجموعہ میں کلام کی پختگی کے ساتھ ایک دلکش انداز بھی ہے جو نہایت درجہ جاذب قلوب ہے۔ صبح انقلاب کی نظمیں پانچ حصوں میں منقسم ہیں: "نشر حیات" اس حصہ میں ملک کے اہم معاشرتی مسائل یعنی غریبی قحط، غلامی اور جنگ پر پچیس نظمیں شامل کی گئی ہیں۔ "پیکر جذبات" کا حصہ بارہ جذباتی نظموں پر مشتمل ہے۔ "حسن تخیلات" کا حصہ تیرہ متفکرانہ نظموں کو اپنے دامن میں چھپائے ہوئے ہے۔ اسلامیات کے ذیل میں آٹھ اور سیاسیات کے سلسلے میں تین بلند پایہ نظمیں ہیں۔ آپ نے ہر عنوان پر بڑی کامیابی سے طبع آزمائی کی ہے۔ ملک کو ایسی ہی نظموں کی ضرورت ہے ہمیں یقین ہے کہ ہماری زبان کے شاعرانہ ادب میں صبح انقلاب بلند جگہ پائے گی۔

اشاعت کتب کے سلسلے میں صوبۂ بہار کو ابھی تک وہ آسانیاں حاصل نہیں ہیں جو شمالی ہند کے دوسرے صوبوں کو حاصل ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بزرگان بہار کے اکثر کارنامے تیرہ تاریکی میں پڑے ہوئے

ت ہے کہ ان کارناموں کی ملک میں اشاعت ہو۔ یہ امر نہ صرف ترقی ادب کے لئے نیک فال ہوگا
عزات ادبی مساعی میں سرگرم ہیں ان کی حوصلہ افزائی بھی ہوگی۔ اس نقطۂ نظر سے بھی ضرورت
صرف اہل بہار بلکہ اہل ملک اس مجموعے کی قدر کریں۔

نئی زندگی، الہ آباد | سان فرانسسکو نمبر اگست ۱۹۴۵ء۔ ایڈیٹر سید انیس الرحمن۔

اس نمبر میں سان فرانسسکو کانفرنس سے متعلق نہایت عمدہ مضامین جمع کئے گئے ہیں مضامین
ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے باب میں بین الاقوامی تنظیم کی تاریخ، جمعیۃ الاقوام اور اس کے
کہانی، واقعاتِ عالم کی زبانی پیش کی گئی ہے۔ دوسرے باب میں سان فرانسسکو کی شروعات
اوکس کے منصوبے اور تجویزیں، بین الاقوامی تنظیم اور بین الاقوامی مجلس امن کے بارے میں
درج کئے گئے ہیں۔ ان میں ڈاکٹر تاراچند اور پی سی جوشی کے مضامین خاص طور پر قابل
تیسرے باب میں سان فرانسسکو کانفرنس اور اس کے فیصلے اور چوتھے باب میں نیا نظام
ہندوستان پر مضامین درج کئے گئے ہیں۔ اور اخباروں کی رائیں کو نقل کیا گیا ہے۔ بحیثیت
یہ کوشش نہایت قابلِ تعریف اور مستحق مبارکباد ہے۔

جدید اردو، کلکتہ | بنگال نمبر ستمبر ۱۹۴۵ء۔ مدیر ساغر نظامی، احسن صاحب قاضی و عبدالجلیل صاحب

عید کے موقع پر "جدید اردو" کا یہ تیسرا بنگال نمبر نکالا گیا ہے۔ اس کا مقصد بنگال میں اردو کی ترویج و
رسالہ کو "مقالات"، "منظومات" اور "افسانے"، "ڈرامے" اور ادبی شہ پاروں کے عنوانوں کے
تقسیم کیا گیا ہے پہلے عنوان کے تحت نو مضامین اور دوسرے کے تحت انیس غزلیں و نظمیں
سے کے تحت گیارہ افسانے وغیرہ جمع کئے گئے ہیں۔ ملک کے مشہور مصنفوں نے اس کی
شرکت کی ہے۔ رسالہ کی یہ ادبی خدمت مستحق تعریف ہے۔

پریم، جموں کشمیر | ایڈیٹر۔ گلزار احمد فدا اور اقبال تمنائی

جموں کے تین شاعر مسابقت میں اور تینوں اس رسالے کے بلند معیار کے شاہد ہیں ملک کے مشہور
ہیں جن کی اپنے نتائج فکر سے رسالہ کو نوازتے ہیں اور یہ زبان اردو کی اچھی خدمت کر رہا ہے۔

دی مغل لائن لمیٹڈ

حج سروس ۔ کراچی و جدہ

جیساکہ حکومت ہند کے اعلامیہ میں جو ۲۶؍ جولائی کو یا اس کے بعد بڑے انگریزی اور دیسی زبان کے اخبارات میں شائع ہوا تھا، حاجیوں کے جہاز کراچی سے کے لئے روانہ ہوں گے !

کرایہ اوّل درجہ

اوّل درجے کا کرایہ کراچی سے جدّہ اور واپسی مبلغ نو سَو روپے جس میں خور بھی شامل ہے، مگر جدہ کے محاصل، حفظانِ صحت، کشتی کا کرایہ اور کامران کے قرنطینہ فیس شامل نہیں ہے !

ڈک (تیسرا درجہ)

تیسرے درجے کا کرایہ کراچی سے جدہ کی آمد و رفت مع خوراک مبلغ دو سَو پچاس لیکن اس میں جدہ کے محاصل، حفظانِ صحت، کشتی کا کرایہ اور کامران کی قرنطینہ فیس شامل نہیں ہے !

مزید معلومات

حج بکنگ آفیسر کامن ویلتھ ریلیشنز ڈیپارٹمنٹ گورنمنٹ آف انڈیا نئی دہلی سے حاصل

ٹرنر مارلین اینڈ کمپنی
[illegible]

کراچی ایجنٹس
محمد حسن ٹریڈنگ کمپنی (انڈیا) لمیٹڈ
بندر روڈ کراچی

ٹرن فیڈرل یونین انشورنس کمپنی لمیٹڈ

ہندوستان میں قائم شدہ

صدر دفتر کلایو اسٹریٹ، کلکتہ

سرپرست

نابلہ ہز ہائنس نواب صاحب بھوپال عالی جناب ہز ہائنس آغا خاں صاحب

سرمایہ	۶۰ لاکھ روپے	۶۰۰۰۰۰۰
شدہ سرمایہ	۲۵ لاکھ روپے	۲۵۰۰۰۰۰
سرمایہ	۱۲ ۴ ۵۰ ۴	۱۲۵۰۰۰۰

اپنے بیمے کے کاموں میں ہم سے مشورہ کیجئے۔ ایسٹرن فیڈرل، آگ، زندگی، رسل و رسائل، جہاز کے خطرات، مزدوروں کا مالی معاوضہ، ضمانت اور عام حادثات کے ہر قسم کے بیمے کا کام کرتی ہے۔

ہندوستان کے مشہور شہروں میں ایجنسیاں ہیں

اور

ہمارے نمائندے دنیا کے ہر ملک میں ہیں۔

مندرجہ ذیل شہروں میں ہماری کمپنی کی شاخیں قائم ہیں

لاہور، بمبئی، حیدرآباد دکن، احمد آباد، کانپور، پشاور

فلسطین TEL-VIV

مطبوعاتِ جامعہ

عہ/۸ — واردات — منشی پریم چند

عہ — بیوہ — " "

ہر/۸ — انشار کی تعلیم — مضمون نگاری پر ایک کتاب

عہ/ — تاریخ الامت حصہ ہشتم — سلسلہ تاریخ اسلام کی آخری کڑی اسلام اور تاریخ اسلام کے فلسفے پر ایک نظر۔

عہ/۸ — بادشاہ — میکیاولی کی شہرۂ آفاق کتاب "پرنس" کا ترجمہ از ڈاکٹر محمود حسین خاں صاحب

ہر/۸ — عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی — از ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب استادِ قانون، جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد دکن

مکتبہ جامعہ دہلی

جائزہ

زیرِ ادارت :- پروفیسر محمد عاقل ایم اے

جلد اول نمبر ۲ بابتہ ماہ نومبر سنہ ۴۵ء | سالانہ چندہ صرف [illegible]

فہرست مضامین

اسلامی تہذیب

پروفیسر محمد مجیب صاحب "ہندوستان میں اسلامی تمدن کی تاریخ" کے نام سے ایک کتاب تصنیف فرما رہے ہیں۔ صاحب موصوف نے ہماری درخواست پر اس کتاب کے حسب ذیل حصے کو رسالہ جامعہ میں اشاعت کے لئے عنایت فرمایا ہے مضمون کے ربط و تسلسل کو بہتر طریقے پر سمجھنے کے لئے یہ بتلا دینا مفید ہوگا کہ اس سے پہلے صاحب موصوف اپنی کتاب میں اسلامی عقائد شریعت اور تصوف کا ذکر تفصیل کے ساتھ فرما چکے ہیں کہ ان تینوں کو ان مسلمانوں کی زندگی میں جو ہندوستان آئے اور یہاں آباد ہوئے مرکزی حیثیت حاصل تھی "مدیر"

اسلامی تہذیب کی بہت سی دولت ان مسلمانوں کو نہیں ملی جو ہندوستان آئے اور یہاں آباد ہوئے کیونکہ وہ سیاسی اور ذہنی انقلابوں میں ضائع ہو چکی تھی۔ فلسفہ ان کے حصے میں اتنا ہی آیا جتنا کہ بارھویں صدی تک فقہ اور تصوف میں شامل ہو چکا تھا۔ اور اس وقت تک یہ خیال عام ہو چکا تھا کہ فلسفہ سے سروکار رکھنا عقائد کو کمزور کرنا اور زندگی کے نظام کو بگاڑنا ہے۔ علوم حکمیہ کے آخری چراغ حکیم بوعلی سینا اور حکیم البیرونی گیارھویں صدی میں گل ہوگئے۔ اور پھر ایسے چراغ جلے نہیں کہ ان علوم کی روشنی پھیلتی، علم طب کی مسلمانوں میں بڑی قدر تھی مگر اس کی ترقی دوسرے علوم خصوصاً کیمیا، حیوانات اور نباتات پر منحصر تھی اور ان علوم میں تحقیق کرنے والے نایاب ہو رہے تھے۔ در اصل یہی جس دور سے بحث ہے وہ ذہنی اعتبار سے جمود اور معاشی نقطہ نظر سے انحطاط کا زمانہ تھا۔ خلیفہ متوکل کے وقت سے مرکزی حکومت پر ترک امراء کا تسلط ہو گیا اور ان کے پیچھے عراق، شام اور خراسان

کی دولت قریب دو سو برس تک بیدردی سے لٹتی رہی۔ ادھر ایشیائے کوچک شام اور فلسطین پر گیارھویں صدی کے آخر سے صلیبیوں کے حملے شروع ہوگئے تھے۔ ایسے حالات میں جبکہ جان اور مال کا اعتبار نہ ہو، تجارت اور صنعت اہل حکومت کی باندیاں ہو جاتی ہیں، ہنرمندوں میں ترقی کا مادہ نہیں رہتا۔ اسلامی تہذیب ہندوستان میں نمودار ہوئی تو اس کی نشوونما کی تکمیل ہو چکی تھی اس کے حامل موجودہ ذہنیت اداروں اور آداب کو قائم رکھنا اپنا منصب سمجھتے تھے۔ تحقیق اور تجربے کی طرف مائل نہ تھے، اور خارجی قدریں پیدا کرنے کی ان میں اتنی استعداد تھی جتنی کہ صدیوں کی بدنظمی اور طوائف الملوکی کے بعد کسی جماعت میں باقی رہ سکتی ہے۔ لیکن یہی وہ زمانہ تھا جبکہ اسلامی تہذیب کی قدریں معین کی گئیں۔ اور زندگی کا ایک نقشہ بنا جو صحیح اور مکمل مانا جاتا تھا۔ اس نقشے کی تکمیل کرنے والوں میں امام غزالی بھی تھے۔ اور ہم ان کی کتاب احیاء العلوم کی بحثوں کو سامنے رکھ کر اسلامی تہذیب کی خصوصیات کو واضح کریں گے۔

امام غزالی نے آدابِ زندگی سے متعلق بحث کھانے کے آداب سے شروع کی ہے۔ کسی اگلے نیک بخت کا قول ہے کہ کھانا بھی دین میں سے ہے اور پروردگار عالم نے بھی اس مضمون پر آگاہ کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ "كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا"۔ اسی سلسلے میں وہ ایک نکتہ بیان کرتے ہیں جس سے ان کا نقطۂ نظر اور اسلامی تعلیمات کا منشا ظاہر ہوتا ہے "ہر ایک نو ایجاد بدعت کی ممانعت نہیں ہے بلکہ ممانعت اسی بدعت کی ہے جس کے مقابل کوئی سنت قائم ہو اور باوجود کسی امر شریعت کے موجود رہنے کے اس امر کو دور کر دے۔ بعض احوال میں جب اسباب بدل جاویں بدعت کا ایجاد کرنا واجب ہو جاتا ہے۔" اسلامی تہذیب میں [illegible] رکھنا کھانا بڑی سخت [illegible] جن کی اخلاقی اہمیت یہ تھی کہ اس سے [illegible] اور صاف پیدا ہوتے تھے۔ [illegible] کی عام قدر اتنی تھی کہ

جو کچھ اپنے پاس ہو سب کا سب (مہمان کے) سامنے لاکر رکھ دے اور اپنے عیال کے
واسطے کچھ نہ رکھ چھوڑے اور ان کے دلوں کو تنگ نہ کرے۔"

کھانے کی طرح نکاح کا مسئلہ بھی ان مادی ضروریات میں شمار ہوتا تھا جن کی دین میں بڑی اہمیت ہے۔ کیونکہ ان میں غلط رویہ اختیار کیا جائے تو اس سے دین میں خلل پڑ سکتا ہے۔ امام غزالی نے اس کے بارے میں بہت سی مختلف روایتیں بیان کی ہیں کہ دیندار مسلمان کے لئے نکاح کرنا افضل ہے یا مجرد رہنا اور شیخ ابو سلیمان دارانی کا قول نقل کیا ہے کہ "عورتوں سے صبر کرنا اس سے بہتر ہے کہ ان کی عادات سے صبر کیا جائے" نکاح کے فوائد بیان کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں کہ اس سے نفس پر مجاہدہ اور ریاضت ہوتی ہے یعنی گھر رعایا اور ولایت اور گھر والیوں کے حقوق کو ادا کرنا اور ان کی عادتوں پر صبر کرنا۔ اور ان سے تکلیف اٹھانی اور ان کی اصلاح میں کوشش کرنی اور ان کو طریق دین بتانا اور ان کی خاطر کسب حلال میں جان فشانی کرنی اور بعد کو اولاد کی تربیت کرنی یہ سب امور بڑے مرتبے کے ہیں۔" امر مباح سے لذت حاصل کرنا دین کے لئے ایک قلعہ ہے اور کہتے ہیں کہ عورت جس وقت خوب صورت خوش خلق، سیاہ چشم و سیاہ مو ہو جیسی آنکھ کی تنگ ہیں گویا شوہر دوست کہ اپنی نظر شوہر ہی پر منحصر کر دے، کسی کو میسر ہو تو گویا اس کو حور مل گئی۔" پہلے لئے اس بحث میں خاص طور پر قابل توجہ یہ بات ہے کہ اس میں صرف مردوں کی مصلحتیں پیش نظر رکھی گئیں ہیں گویا شرع کے احکامات کو سمجھنا اور ان پر عمل کرنا انہی کا حصہ ہے۔ عورتوں کی تعلیم کا جو حال ہوگا اس کا اندازہ ہم احیاء کے مندرجہ بالا اقتباس سے کرسکتے ہیں جس سے کہ معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو دین قابل بنانا کرنے بجائے [illegible] کے دین کے شوہر کا فرض [illegible] [illegible] کے نزدیک مناسب [illegible] [illegible] عورت کو [illegible] شوہر [illegible]

چاہئے کہ بدون کسی امر ضروری کے نہ نکلے کیونکہ تماشوں اور غیر ضروری کاموں کے لئے
شرافت کا مخل ہے، اور بعض اوقات فساد بھی اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ پھر اگر نکلے تو چاہئے
مردوں اور عورتوں سے اپنی نگاہیں نیچی رکھے۔" سلاطین اور امراء کی جو اخلاقی حالت تھی
اسے دیکھتے ہوئے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ جس احتیاط کی امام غزالی نے تاکید کی ہے وہ بے محل
ہے۔ دوسری طرف یہ بات بھی ظاہر ہے کہ جو تہذیب امام غزالی کی نظر میں تھی وہ خالص
ایرانی تہذیب تھی اور سوائے غیر معمولی صورتوں کے اس میں عورتوں کا خاص حصہ نہ تھا۔

نکاح کے بعد امام غزالی نے کسب اور معاش پر بحث کی ہے۔ اسلامی تہذیب
میں یہ بہت برا سمجھا جاتا تھا کہ آدمی اپنی پرورش کا بار جماعت پر ڈال دے۔ حضرت ابو سلیمان
دارانی فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک عبادت اس کا نام نہیں کہ اپنے پاؤں جوڑ رکھو اور دوسرا
شخص تم کو روٹی کھلاوے۔ اول دو روٹیوں کی فکر کر لو تب عبادت کرو۔ اور حضرت
معاذ بن جبل کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن ایک پکارنے والا پکارے گا کہ جو لوگ
ان میں جن سے تمام روئے زمین پر خدائے تعالیٰ بغض رکھتا تھا۔ اس وقت [illegible]
سوال کرنے والے بھی اٹھیں گے۔ الغرض کہ سوال کی مذمت اور دوسرے شخص کی امداد
پر بھروسا کرنے کی برائی شرفاء کے نزدیک مسلم تھی جو بیان ہوئی۔ اور جس شخص کے پاس
مال موروثی نہ ہو اس کو بجز کمانے اور تجارت کرنے کے چارہ نہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ
ہرگز نہیں تھا کہ انسان دولت کمانے کی فکر میں پڑ جائے اور دین اور جماعت کے حق کو
بھول جائے۔ تاجر کو اپنے دین کا خیال رکھنا سات باتوں کی رعایت سے پورا ہوتا ہے:
اول یہ کہ تجارت میں نیت اور عقیدے کو درست رکھنا کہ تجارت سے یہ نیت کرے
سوال کی ذلت سے بچے۔ اور لوگوں کا دست نگر نہ ہو بلکہ حلال کی کمائی سے مستغنی
ہو جائے اور اپنے مال سے اپنے دین پر مدد لیوے۔ اور اہل و عیال کے حقوق ادا
[illegible]

کی خیر خواہی کی نیت کرے اور دوسروں کے لئے وہی بات پسند کرے جو اپنے لئے چاہ[illegible]
ہو۔ اور یہ نیت کرے کہ اپنے معاملے میں عدل اور احسان کے طریق کی پیروی کروں
...... اور یہ نیت کرے کہ بازار میں جو چیز دیکھوں گا اس میں اچھی بات [illegible]
حکم کرنے اور بری بات میں منع کرنے سے دریغ نہ کروں گا .... دوئم یہ کہ اپنی صنعت
یا تجارت میں رہنے سے یہ قصد کرے کہ ایک فرض کفایہ ادا کرتا ہوں، کیونکہ اگر صنعت
یا تجارتیں بالکل چھوڑ دی جاویں تو معاش کے کارخانے جاتے رہیں اور اکثر لوگ تباہ ہ[illegible]
کہ سب کا انتظام سب کی معاونت سے ہو رہا ہے اور اس سے ایک فریق ایک ایک کام کا ذمہ
ہے اگر سب کے سب ایک ہی صنعت کرنے لگیں تو اور صنعتیں چھوٹ جائیں اور سب کے
سب ہلاک ہو جائیں .... پھر صنعتوں میں سے بعض تو نہایت کار آمد
اور بعض ضروری نہیں کہ انجام کو آرام طلبی زینت دنیاوی اُن سے ہوتی ہے تو آ[illegible]
کو چاہئے کہ ایسی صنعت اختیار کرے جس سے مسلمان کو فائدہ ہو اور دین میں ضرور[illegible]
اور جو پیشے کہ ظاہری زینت کے ہیں اُن سے احتراز کرے۔" مشرقی ملکوں کے حالات
افراد اور جماعت کے درمیان (مغربی ملکوں کے مقابلے میں) بہت زیادہ قریبی اتحاد
رشتہ قائم کر دیا۔ جو اصول رائج ہے (اور تھا) وہ مقابلے کا نہیں ہے۔ امداد باہمی کا
ان باتوں کو دیکھتے ہوئے مسلمانوں کے تجارتی اخلاق کا یہ بنیادی اصول سمجھ میں آ[illegible]
ہے کہ تاجر کو گاہک کے ساتھ بھائی کا سا سلوک کرنا چاہئے: فائدہ کے بغیر تجارت ممکن
اور جو شخص دنیا کے معاملوں میں صرف اصل قیمت پر اکتفا کرے اور نفع کا طالب نہ ہو وہ
نہیں شمار ہوتا"۔ لیکن چونکہ فلسفہ اخلاق پہ [illegible]
طلب کیا جائے جو مخلوق کی اصل ضرورتوں میں داخل نہ ہوں اور خلق کو اُن کی حاجت [illegible]
ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ امام غزالی معاشی زندگی کی پوری وسعت اور اس کے [illegible]
نظر میں رکھتے تھے۔ انھوں نے ایک بہت ہی نتیجہ خیز بات لکھی ہے کہ [illegible]

طلب العلم فریضۃ علیٰ کلّ مسلم اس سے یہی غرض ہے کہ جس علم کی حاجت ہو اس کا
لنا فرض ہے۔ اور پیشہ ور کو پیشے کے علم کی حاجت ہوتی ہے اس لیے اس کو سیکھنا اس علم کا ودیعت
ہے۔ مگر انھوں نے کئی پیشوں کو مکروہ یا قابلِ اعتراز قرار دیا ہے اور معلوم ہوتا ہے ان کی رائے
تھی کہ صرف دس پیشے ایسے ہیں جنھیں دیندار مسلمان بغیر کسی تامل کے اختیار کر سکتا ہے۔ موزہ
دوزی تجارت (سوائے غلہ اور جانداروں کی تجارت کے) پلّہ داری کپڑا سینا، کپڑا دھونا،
ریا بنانا، آہن گری، سوت کاتنا، خشکی اور تری کا شکار کرنا اور کتابت۔ ایسے پیشے
جیسے کہ نقش و نگار کرنا سادہ کاری، زرگری، چونے کی استرکاری، لہو کی چیزیں اور
ایسے آلات بنانا جن کا استعمال حرام ہے۔ مردوں کے لئے ریشمی کپڑے اور زیورات بنانا
سب ان کے نزدیک قابلِ اعتراز ہیں۔ اس طرح کتابت کے سوا تمام پیشے جن کا فنونِ لطیفہ سے
تعلق ہے مسلمانوں کے لئے مناسب نہیں رہتے اور وہ تمام صنعتیں جنھیں ترقی دے کر انھوں نے
اپنی تہذیب کو مزین کیا مکروہ یا حرام ثابت ہوتی ہیں۔ علماء کی مخالفت نے ان صنعتوں کو بند
نہیں کر دیا مگر ان کے برتنے والے نظروں میں گر گئے، اور اس طرح مساوات کی جو تعلیم
اسلام میں دی گئی ہے اس کی صریح خلاف ورزی ہوئی۔ البتہ ایک کاروبار ایسا تھا جس
کا سب بڑی عزت کرتے تھے۔ اور یہ کاروبار مسلمانوں ہی کی بدولت تمام دنیا میں پھیلا۔ یہ تھا
کاغذ سازی، کتابت اور کتب فروشی کا کام۔ اس میں بھی کتابوں کو منقش اور مرتب کرنا اور
ان کی نفیس جلدیں بنانا ایک بدعت تھی جو علماء کو پسند نہ ہو گی، کتابوں میں جو تصویریں
پائی جاتی تھیں اُن کے خلافِ شرع ہونے میں کلام ہی نہ تھا۔

احیاء العلوم کے چوتھے باب میں امام غزالی نے حرام اور حلال چیزوں کی تفصیل دی
ہے۔ جو لوگ شرع کی پوری پابندی کرتے وہ اس معاملے میں انتہائی احتیاط سے کام لیتے
تھے۔ امام حنبل کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ آپ بغداد میں رہتے تھے مگر چونکہ آپ کی رائے
میں اس زمین کا حضرت عمر نے تمام زمین پر وقف کیا تھا ۔۔۔ [illegible]

مرتبہ آپ کے ملازم نے آپ کے لڑکے صالح کے یہاں سے خمیر لے کر آٹے میں ملا دیا۔ صالح ایک سال تک اصفہان کے قاضی رہ چکے تھے اور امام حنبل کو یقین نہ تھا کہ ان کے گھر کا کونسا مال حرام ہے کون سا حلال۔ جب آپ کو معلوم ہوا کہ آٹے میں صالح کے یہاں سے خمیر ڈالا گیا ہے تو آپ نے روٹی نہیں کھائی اور ملازم سے فرمایا کہ اسے باہر رکھ دو، اگر کوئی فقیر مانگے تو اسے دے دینا مگر اسے یہ بتا دینا کہ آٹا حنبل کے گھر کا ہے خمیر صالح کے گھر کا۔ [illegible] تک کسی فقیر نے بھی روٹی نہیں لی تو ملازم نے اسے لے جا کر دجلہ میں پھینک دیا۔ امام حنبل کو یہ معلوم ہوا تو آپ نے دجلہ کی مچھلیاں کھانا چھوڑ دیا۔ دوسری طرف ایسے فقیہہ قاضی اور قاری تھے جو مقامی شرابوں کا پینا جائز سمجھتے تھے اور انھیں پیتے تھے۔ عام مسلمانوں کا رویہ معقول اور شاید صحیح بھی تھا، وہ بغداد کے آٹے کو حلال اور شراب کو حرام سمجھتے رہے۔ ایک دوسرے کے عمل کو جانچتے وقت وہ امام شافعی کے اس کلیہ کو معیار بناتے ہوں گے کہ "مسلمانوں میں کوئی ایسا نہیں ہے جو خدائے تعالیٰ کی طاعت ہی کرے اور معصیت نہ کرے اور نہ ایسا کرے کہ معصیت ہی کرے اور طاعت نہ کرے، تو جس شخص کی طاعت معصیت پر غالب ہو وہی عدل ہے"۔

اسلامی اخوت کس طرح جماعت کی شیرازہ بندی کر سکتی ہے اس کا اندازہ اس بحث سے ہوتا ہے کہ جو امام غزالی نے دوستی اور صحبت کے آداب پر کی ہے۔ "ایمان کی رسیوں میں زیادہ مضبوط محبت فی اللہ اور بغض فی اللہ ہے۔ اسی حدیث کے باعث [illegible] ہے کہ آدمی کے کچھ دشمن ہوں اور کچھ دوست ہوں جن سے محبت فی اللہ رکھتا ہو۔ محبت کے ساتھ بغض کو لازمی قرار دینا کچھ اچھا معلوم نہیں ہوتا لیکن حقیقت یہ ہے کہ کسی قدر عصبیت کے بغیر جماعت میں قوت پیدا نہیں ہوتی۔ اب سوال یہ ہے کہ بغض کس سے کیا جاتا تھا کیونکہ مسلمان ایک دوسرے سے اصولاً عداوت نہیں کر سکتے تھے۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ مامون رشید کے زمانے میں معتزلہ فرقے کے عالموں نے خلاف عقائد رکھنے والے مسلم[illegible]

پر سختیاں کیں اور متوکل کے ہاتھوں انھوں نے اپنی گستاخیوں کی سزا بھگتی۔ اسی وقت سے لوگ ان علماء سے بدظن ہوگئے جو رائج عقیدوں کے خلاف فلسفیانہ نظریے پیش کرتے۔ لیکن عقائد کا ایسا اختلاف جو فلسفیانہ نظریوں اور موشگافیوں پر مبنی تھا عوام میں بغض پیدا کرنے اور ان کو برانگیختہ کرنے کے لئے کافی نہ تھا۔ غیر مسلم مذہبی فرقوں میں مانوی اور مزدکی یا زندیق ایسے تھے جن سے مسلمانوں کو عداوت تھی، کیونکہ اس فرقے کے بعض عقائد اسلامی تعلیمات سے مشابہ تھے اور کچھ واقعات ایسے پیش آئے جنھوں نے یہ اندیشہ مسلمانوں کے دل نشین کر دیا کہ زندیق دھوکے سے اقتدار حاصل کرکے اسلام اور مسلمانوں کو برباد کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن ممکن ہے زندیق بھی اپنے حال پر چھوڑ دیے جاتے اگر وہ سیاست سے الگ رہتے۔ ان کے خلاف جو کارروائیاں کی گئیں ان کا اصل مقصد سیاسی تھا اور مذہب سے بھی سیاسی اغراض کو پورا کرنے کا کام لیا گیا۔

قرامطی جو باطنی اور اسمٰعیلی بھی کہلاتے تھے قوت اولاد، تعداد میں زندیقوں سے بہت بڑھے ہوئے تھے۔ قرامطیوں کے رہنماؤں میں سے بعض ایسے تھے جو عقائد اور نظام معاشرت میں اصلاح چاہتے تھے۔ بعض اس بہانے سے حکومت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اس تحریک کی ابتدا نویں صدی عیسوی سے شروع ہوئی۔ اس کا کچھ تعلق جنوبی عراق کے افریقی غلاموں کی بغاوت سے تھا جو ۸۶۹ء میں شروع ہوئی اور پندرہ برس تک جاری رہی۔ قرامطیوں کی تعلیمات اور ان کا مجوزہ معاشرتی نظام ان لوگوں کے لئے خاص کشش رکھتا تھا جن پر عباسی خلیفہ اور اس کے امراء اور عہدہ داروں کے اخراجات کا سارا بار پڑتا تھا اور قرامطیوں کی تبلیغ سب سے زیادہ کسانوں اور صنعت پیشہ لوگوں میں مقبول ہوئی۔ مصر میں فاطمی خلافت کا قیام (۹۰۹ء) قرامطیوں اور اسمٰعیلیوں کی سب سے بڑی سیاسی کامیابی تھی لیکن وہ اس سے مطمئن نہ ہوئے۔

انھوں نے [illegible]

مدت تک انھوں نے زیر زمین جنگ جاری رکھی۔ ان کی عداوت بے پناہ تھی۔ عباسی خلافت کے زوال کے بعد انھوں نے ممتاز مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کیا اور اس طرح مسلمانوں کو ایسا نقصان پہنچایا جس کی تلافی نہیں کی جاسکتی تھی۔ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ عام مسلمانوں کے نزدیک قرامطی جاسوسوں، داعیوں (یعنی مبلغوں) اور عالموں کا سراغ لگانا اور انھیں قتل کرانا یا کرنا بڑے ثواب کا کام ہو گیا۔ ان کی نسبت کوئی اچھی بات کہنا ملت اسلامی کے ساتھ غداری تھی اور اسی وجہ سے ان کے عیوب ہی بیان ہوتے رہے۔ اب تحقیق کرنے سے پتہ چلا ہے کہ قرامطیوں کے عقائد اور تصورات کا مسلمانوں کے فلسفے تصوف اور عقائد پر خاصا اثر پڑا اور صنعت پیشہ لوگوں کی جو تنظیم[۱] نویں صدی عیسوی میں کی گئی، اس کی پشت پر بھی قرامطیوں کی نیم مذہبی، نیم اشتراکی تعلیمات تھیں۔ امام غزالی نے ان علوم کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا ہے جنھوں نے مسلمانوں کی جماعت میں صدیوں تک فساد برپا

۱۔ پیشہ وروں کی برادریوں کو سب سے زیادہ فروغ مصر میں فاطمی خلافت کے زیر سایہ دسویں اور گیارھویں صدی میں ہوا۔ باقی اسلامی ملکوں میں بھی یہ دسویں سے بارھویں صدی تک ترقی پر رہیں۔ مختلف برادریوں کے جو قاعدے اور رسمیں تھیں انھیں "دستور" کہتے تھے۔ اور برادری میں کوئی داخل نہیں ہو سکتا تھا جب تک کہ وہ دستور کی پابندی کا عہد نہ کرتا اور اس کے داخلے کی رسم جسے شد کہتے تھے ادا نہ کی جاتی۔ برادری کا سردار "نقیب" کہلاتا تھا۔ اس کے ماتحت "معلم" یا استاد ہوتے تھے اور ان کے نیچے "خلیفہ" یعنی صنعت کو اچھی طرح جاننے والے کاریگر، "متعلم" یا شاگرد اور "صانع" یا فن سے ناواقف مزدور ہوتے تھے۔ ہر برادری کے اراکین اس کا عہد کرتے تھے کہ اپنے فن کا راز کسی غیر کو نہ بتائیں گے اور معقول اجرت پر اچھا کام کریں گے۔ بارھویں صدی کے بعد برادریوں کا نظام بہت کمزور پڑ گیا۔ اسے جسے کہ بادشاہ اپنے مفاد کے خلاف سمجھتے تھے اور علماء کی نظروں میں وہ قرامطی بدعتوں کا نمونہ تھا لیکن عثمانی سلطنت ایران، ترکستان اور پنجاب میں اس کے آثار انیسویں صدی تک موجود تھے۔ بعض ملکوں میں یہ برادریاں پہلی جنگ عظیم کے بعد تک رہیں اور روس میں انقلاب ہوا تو یہ کمیونسٹ [illegible]

رکھا۔ بعض نبی اللہ کی تلقین سے معمولی سمجھ کے مسلمان یہ نتیجہ نکالتے ہوں گے کہ جماعت کے جو دشمن ہوں ان سے نفرت کی جائے اور جماعت کو ان کے شر سے بچایا جائے۔ مشرک اور کافر سے بھی نفرت کی جاتی تھی مگر ان کا مطلب یہ نہیں تھا کہ دنیا میں وہ جہاں کہیں بھی ہوں ان کے خلاف جنگ کی جائے چاہے مسلمانوں کو ان سے کوئی خاص خطرہ یا نقصان نہ ہو البتہ یہ ممکن تھا کہ بادشاہ اپنے منصوبوں کی خاطر اس اصول عداوت کو بگاڑیں اور اسے اپنی سیاست کا آلۂ کار بنائیں۔ بادشاہ اپنی غرض سے شریعت کے محافظ بھی بن جاتے تھے لیکن ایسے بادشاہ بہت ہی کم ہوئے ہیں۔ جن کا طرز عمل دیانت دار علماء کو بھی شریعت کے مطابق معلوم ہوا ہو، امام غزالی نے حاکموں کے خلاف ایک دوسرے کی حمایت کرنا افراد کے فرائض میں شامل کیا ہے" انیسواں حق یہ ہے کہ اپنے بھائی مسلمان کی عزت اور جان اور مال کو ظالم سے بچاوے بشرطیکہ بچانے پر قادر ہو اور ظالم کو اس پر سے دفع کرے اور اس کی طرف ہو کر ظالم سے لڑے اور مظلوم کی ہر طرح سے مدد کرے۔ کہ اخوت اسلامی کے مقتضا سے یہ امر آدمی پر واجب ہے"

اچھی بات کا حکم کرنا، اور بری بات سے منع کرنا دین کا بڑا فرض ہے کہ اس طرح جماعت اپنے آپ اصلاح کر سکتی ہے۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ "امر بالمعروف" یعنی صحیح بات کرنے کا حکم دینے اور "نہی عن المنکر" یعنی بری بات کو منع کرنے کا اصول بادشاہ اور ان لوگوں کے ساتھ جنہیں شاہی سرپرستی حاصل تھی برتا نہیں جا سکتا تھا۔ امام غزالی نے ایسے لوگوں کی بہت سی مثالیں دی ہیں جنہوں نے خلیفہ کی اجازت کے بغیر اپنے آپ کو عام اخلاق کا نگران سمجھ لیا اور شریعت کی خلاف ورزی کرنے والوں کی تنبیہ کرنے لگے ایسے لوگ تعداد میں اور بھی زیادہ ہوں گے جو نرمی اور خاموشی سے نصیحت کرتے تھے لیکن یہ فیصلہ جیسے کیا جاتا ہے کہ کیا صحیح ہے اور کیا صحیح نہیں ہے وہ زندگی کا [illegible]

رہنمائی نہیں کرسکتا، اس لئے کہ پوچھنے والے تفصیلات کے بارے ہی میں سوال کرتے ہیں۔ امام حنبل
نے اصولاً صحیح رویہ اختیار کیا جس کے پاس ایک سرمہ دانی چاندی کی ہو اس کے پاس بھی نہ بیٹھنا
چاہیے۔ لیکن جس زمانے میں مسلمانوں کے پاس دولت تھی، اور صنعتیں فروغ پر تھیں ایسی احتیاط
وہی کرسکتا تھا جو دنیا سے کوئی تعلق نہ رکھتا اور پھر علماء بہت سی باتوں پر متفق نہ تھے۔
صوفیوں میں گانا سننے (سماع) کا رواج ہوگیا۔ اور گانا سنتے سنتے انھیں حال آتا تھا
جس میں وہ مضطرب ہوجاتے اور ہاتھ پاؤں پٹکنے اور ناچنے لگتے تھے۔ بیشتر علماء کی رائے میں
سماع شرع کے خلاف تھا۔ امام غزالی صوفیوں سے اتفاق کرتے تھے۔ جیسے لوہے اور پتھر
میں آگ مخفی رہتی ہے اسی طرح دلوں اور باطن کے جواہر اور اسرار ان میں پوشیدہ ہیں اور
ان کے اظہار کی تدبیر راگ سے بہتر کوئی نہیں۔ "اول راگ ہوتا ہے اور اس سے دل پر ایک
حالت ہوتی ہے جس کو وجد کہتے ہیں اور وجد کے سبب سے اعضاء کو حرکت ہوتی ہے اور
اگر وہ غیر موزوں ہوتی ہے تو اس کو اضطراب کہتے ہیں، اور اگر موزوں ہوتی ہے تو تال
اور ناچ نام ہوتا ہے۔ ... راگ کی تاثیر دلوں میں محسوس ہوتی ہے اور جس شخص کو راگ سے
حرکت نہ ہو وہ ناقص اور اعتدال سے ہٹا ہوا اور روحانیت سے دور ہے اونٹوں اور
پرندوں بلکہ تمام بہائم سے طبیعت میں کثیف ہے اس لئے کہ موزوں سے سب کو اثر ہوتا ہے
...... راگ ...... پر مطلق اباحت یا مطلق حرمت کا حکم کرنا درست نہیں ہے بلکہ بلحاظ
احوال اور اشخاص کے اعتبار سے اور طریق نغمات اختلاف کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے"
راگ صوفیوں کے شوق کو ابھارتا ہے اور عشق و محبت کو تیز کرتا ہے اور دل پر کام چقماق کا کرتا ہے اور ان میں
سے ان مکاشفات اور لطائف کو ظاہر کرتا ہے کہ خارج از حیطۂ وصف ہیں [illegible]
[illegible] اور جس کا حسن ان کو پہچاننے سے لذت ہوتا ہے وہ ذوق کہا جاتا اور ان حالات کا نام [illegible]
کے یہاں وجد ہے جو وجود سے ماخوذ ہے یعنی اپنے نفس میں وہ احوال موجود پائے جاتے [illegible]
[illegible]
[illegible]

نہ ہو اور اس کے راگ سننے سے فتنے کا خوف ہو تو گانا سننا جائز نہیں۔ علما نے اس
یہ سے کہ اسلام دین فطرت ہے یہ نتیجہ نہیں نکالا کہ انسان کو جمالیات اور فنون لطیفہ
ذوق قدرت کی طرف سے ملا ہے اور جمال کی طلب انسان کا حق ہے وہ عورتوں کو بننے
سنورنے اور زیور پہننے کی اجازت تو دیتے تھے مگر چاہتے تھے کہ اس میں بھی ان کی رائے
انی جائے کہ کون سے زیور کس طرح پہنے جائیں۔ سونے اور حریر سے عورتوں کو زینت
رنی بدون اسراف کے درست ہے اور ہمارے نزدیک لڑکیوں کے کان چھیدنے
بالیاں پہنانے کے لئے جائز نہیں اس لئے کہ اس میں زخم ایذا رسانی کرنا پڑتا ہے اور
یسے زخم سے قصاص لازم آتا ہے تو بدون حاجت ضروری کے جائز نہ ہوگا" اور بالیوں
ا زینت کچھ بہت ضروری نہیں بلکہ اگر بندے باندھ کر [illegible] اوپر سے لٹکا دئے جائیں
ان کی زینت کو کافی ہیں۔ اور دوسرے زیور مثل جگنی یا چنبیلی یا کنگن کیا تھوڑے ہیں
ہو بالیوں کی حاجت ہو تو بالیوں کے لئے کان چھیدنا اگرچہ عادت ہو رہی ہے مگر حرام
ہے اور اس سے منع کرنا واجب ہے اور کان چھیدنے پر اُجرت لینی ....

رام ہے"

زندگی کا اصولی نقشہ صحیح اور مکمل ہو سکتا ہے مگر یہ لازمی نہیں کہ وہ حالات
ے مطابق ہو۔ شرعی عالم "قومی" "عادت" کے وجود کو تسلیم کرتے تھے اور اگر اس سے اسلام
کے بنیادی احکامات کی خلاف ورزی نہ ہوتی تو قومی عادتوں پر قائم رہنے کی اجازت
یتے تھے۔ گویا مذہب ایک تھا، شریعت ایک تھی، عادتیں مختلف ہو سکتی تھیں۔ عادتیں
ی حیثیت اور اس کی تاریخ کا عکس ہوتی ہیں۔ اس لحاظ سے ان دونوں کو تسلیم کرنا
بھی ضروری ہے لیکن طبیعت اگر مردہ نہ ہو جائے تو وہ اپنے اظہار کے لئے نئی راہیں نکالتی
رہتی ہیں اور اس وجہ سے اس کا اصول اور قانون سے برابر تصادم ہوتا رہتا ہے۔
[illegible]

کہ ہم احیاء العلوم جیسی بصیرت افروز کتاب کا سہارا چھوڑ کر بعض تحریکوں پر ایک نظر ڈالیں جن کا اسلامی تہذیب پر خاصا گہرا اثر پڑا ۔

عرب اسلام کا گہوارہ تھا ، مگر صرف گہوارہ " خلفائے راشدین کے زمانے میں بھی ایسے لوگ تھے جو چاہتے تھے کہ اسلام اپنے گہوارے سے نکلے اور مسلمان اسی ماحول میں زندگی بسر کرتے رہیں جس میں ان کا دین پیدا ہوا تھا کیونکہ روم اور عجم کو تہذیب میں خرابی کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا ، بنو امیہ کی حکومت ان میلانات پر غالب آئی اور اس کے ساتھ عربوں نے ریگستانی معاشرت کا جامہ اتار کر تہذیب کے منجدھار میں غوطہ لگایا ۔ بنو امیہ اور ان کے حامیوں کا قومی اور نسلی تعصب اُسے گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ اسلام کی تبلیغ کی جائے اور ان ملکوں کی آبادی جن پر یہ حکومت کرتے تھے ، اسلام قبول کر کے حکومت اور حیثیت میں برابری کا دعویٰ کرے ۔ لیکن اسلام کی اشاعت بند نہیں کی جا سکتی تھی ، خصوصاً جب محکوم خود مسلمان ہو جانے پر مصر تھے ۔ عام طور پر یہ ہوتا کہ جو غریب غیر عرب مسلمان ہونا چاہتے تو وہ کسی عرب سردار اور اس کے قبیلے سے متعلق کر دئے جاتے جو ان کی نگرانی اور سرپرستی کرتا تھا اس تعلق کی بنا پر یہ نو مسلم موالی کہلاتے تھے ۔ ہم محض نام سے عرب اور موالی کے درمیان تمیز نہیں کر سکتے اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ شام اور عراق اور ا[illegible]ن کی مسلمان آبادی سب ایک قسم کی تھی ۔ لیکن عرب موالیوں سے خاصا تعصب کرتے تھے اور یہ نہیں چاہتے تھے کہ عرب اور موالی کا فرق مٹ جائے .... ان کے لئے یہ ایک مسئلہ تھا کہ عرب اور موالی کے درمیان شادی بیاہ ہو سکتا ہے یا نہیں ؛ اور وہ ایک ہی مسجد میں نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں ۔ لیکن اسلام کی تعلیم پر عربوں کے تعصبات غالب نہیں آ سکتے اور موالی جن قوموں کے لوگ تھے ۔ انھی کی تہذیب اختیار کر کے عرب اپنی فضیلت کو کیسے تسلیم کرا سکتے تھے ۔ ایک روایت ہے کہ خلیفہ عبدالملک کی [illegible] ہوتے ہوئے [illegible]

[illegible]

نے پوچھا کہ ان لوگوں میں کون سب سے افضل سمجھا جاتا ہے۔ الزہری نے جواب دیا کہ عطا ابن رباح۔ وہ عرب ہے یا مولا؟ مولا۔ تو اس نے عربوں میں اتنا اثر کیوں کر پیدا کر لیا اپنے تقوے اور علم و حدیث کی بنا پر۔ اس کے بعد عبد الملک نے یمن، مصر، شام، عراق، خراسان، بصرہ، کوفہ وغیرہ کے متعلق پوچھا اور معلوم ہوا کہ ہر جگہ کسی مولا کو علمی اور دینی قیادت حاصل ہے۔ اس پر خلیفہ کو تعجب ہوا، اور اس نے کہا کہ اگر یہی حالت رہی تو موالی عربوں پر غالب آ جائیں گے اور ان کو محکوم بنا لیں گے۔ علامہ الزہری نے کہا کہ اے امیر المومنین صورت یہی ہے یہ خدا کے حکم اور اس کے دین کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔ جو اس کی طرف توجہ کرتا ہے اسے اقتدار حاصل ہوتا ہے، جو اس سے غفلت کرتا ہے، وہ مغلوب ہو جاتا ہے۔

دوسری اور تیسری صدی ہجری (آٹھویں اور نویں صدی عیسوی) میں ایک تحریک فروغ پر تھی جو شعوبیہ کہلاتی ہے۔ اس کا مقصد یہ تسلیم کرنا تھا کہ اسلامی تعلیم کی بنا پر عرب اور عجم میں کوئی تفریق نہیں کی جا سکتی، آدمی سب آدم کی اولاد اور خدا کے بندے ہیں۔ در اصل یہ عربوں کے قومی تعصب کے خلاف ایک تحریک تھی اور اس کے دعوے اسلامی تعلیمات کی صحیح تشریح کرتے ہیں۔ لیکن سیاسی اختلافات اور نسلی تعصبات نے اس کو انتہا پسندی کی طرف مائل کر دیا اور یہ ایک ایسے قومی جذبات کا مظہر بن گئی جو عرب اور اسلام کے تاریخی تعلق کو نظر انداز کرنا ہی نہیں بلکہ قومی عظمت کی یادگاروں میں اسلامی تاریخ کے کارناموں کو محو کر دینا چاہتے تھے۔ ایران، شام اور مصر میں قومیت نے ایک شکل اختیار کی جو ملت کے سیاسی اور تہذیبی اتحاد کو بہت کمزور کر سکتی تھی اور اسی قومیت اور عرب دشمنی نے مذہبی فرقوں کو انتہا پسند بنا دیا۔ عام تہذیب پر اس کا اثر یہ ہوا کہ ایسی تاریخی شخصیتیں جن کا عرب سے تعلق تھا پس پشت ڈالی جانے لگیں اور خسرو اور قیصر، نوشیرواں اور سکندر اعظم کی مثالیں ذہنی اور اخلاقی تربیت کا ذریعہ بن گئیں۔ عباسی خلفا کے عہد میں بھی ایرانی لباس اور ایرانی آداب اختیار کئے گئے اور ایران کی [illegible]

پر ترجیح دی جانے لگی۔ خلیفہ مامون رشید کے زمانے میں ایک خاص قسم کے عقیدہ کے علماء پر سختیاں کی گئیں تو دوسری طرف ایسی رواداری برتی گئی جس نے نئے داخلی قدروں اور نئے تصورات کو اسلامی تہذیب پر اثر ڈالنے کا موقع دیا۔ ان سب باتوں کا مجموعی نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کی تہذیب کا اپنا الگ معیار قائم ہوگیا جو عربی یا عجمی نہیں تھا، بلکہ بین اقوامی اور اس میں وہ تمام نسلی اور قومی اختلافات محو ہوگئے۔ جنھیں مٹانا اسلام کا ایک بنیادی منصوبہ تھا

ہر تہذیب پر سیاسی حالات، حکومت کے طریقے اور سیاسی اقتدار کے حامل بہت اثر ڈالتے ہیں۔ اسلامی دور کی تہذیب کے ایک دور میں حکومت مرکزی تھی اس کے بعد اسلامی دنیا چھوٹے بڑے سیاسی ٹکڑوں میں تقسیم ہوگئی، کبھی کبھی یہ ٹکڑے اتنے چھوٹے ہو جاتے کہ ان کا قائم رکھنا خود ان کے لئے محال اور ملت اسلامی کے لئے مضر ہوتا۔ مگر عباسی خلافت کے زوال کے بعد مرکزیت کو دوبارہ قائم کرنے کی کوشش بڑے پیمانے پر نہیں کی گئی۔ جماعت کو اپنی مذہبی اور تہذیبی وحدت کا یقین تھا مگر اپنی سیاسی قوت اور حق کا احساس نہ تھا یعنی اسلامی تہذیب میں ان اوصاف کی کیا کمی تھی جن کا مجموعی نام شہریت ہے، اسی وجہ سے جماعت یہ جانتے ہوئے کہ سیاسی حکمت عملی پر عافیت اور خوش حالی کا مدار ہے، اپنے سیاسی حاکموں کو قابو میں نہ کر سکی۔ بادشاہ علم اور ہنر کی سرپرستی کرتے تھے، نہ کرتے تو بدنام ہوتے لیکن حکومت خدمت کا ذریعہ نہ تھی۔ بادشاہ رعایا کی پوری حفاظت بھی نہیں کر سکتے تھے سفر میں قافلوں کے لٹ جانے کا خطرہ رہتا تھا، شہروں میں بھی لوگ بے فکر نہیں رہ سکتے۔ ظالم بادشاہوں اور ان کے عاملوں جرائم پیشہ گروہوں اور ذاتی دشمنوں سے جان اور عزت کو محفوظ رکھنے کے گر، فن زندگی کے ابتدائی سبق تھے، جان سلامت رکھنا دشوار ہو تو لوگ قدرتی طور پر قناعت کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ مگر مسلمانوں میں ایسے لوگ افراط سے تھے جو جان پر کھیل کر دولت اور اقتدار حاصل کرتے ان کے اوصاف کی قدر کی جاتی اور ان کی سرگزشت ہم اور اخلاقی تربیت کے لئے مواد فراہم کرتی۔ دنیاوی حوصلہ مندی کے مقابلہ میں وہ مسلک جسے درویشی کہہ سکتے ہیں۔ درویش سے مراد یہاں صوفی ہی نہیں ہے بلکہ وہ شخص جو

قدروں پر اخلاقی اور روحانی قدروں کو ترجیح دیتے ہیں قوت فکر اور قوت عمل ہوتی اور جو بغیر تکلف اور خوف کے اجتماعی زندگی کی آزمائشوں کو قبول کرتا۔ شیخ سقطی نے ایک پیرزادے کے متعلق رائے دیتے ہوئے فرمایا "وہ تو بازار میں ساکن ہوگئے ہیں اور یہ کوئی جواں مردی نہیں۔ مرد ایسا ہونا چاہئے کہ بازار میں رہ کر حق تعالےٰ کے ساتھ ایسا مشغول ہو کہ اس سے کبھی غافل نہ ہو۔" اس درویشی کو جو بازار کے غل غپاڑے اور سیاست کے انقلابوں کو خاطر میں نہ لاتی تھی۔ ایسے لوگوں نے بہت رسوا کیا جو خانقاہوں میں بیٹھ کر گداگری کرتے تھے۔ پھر بھی خوددار درویش کا مرتبہ ایسا تھا جس کے سامنے امارت اور حکومت نوبت چندروزہ معلوم ہوتی تھی۔ ایک لمحہ بھر کا تماشہ جیسے کہ گھر کے چراغ کے مقابلے میں بجلی کی چمک۔ درویش سے بہت ملتا جلتا تہذیب کا وہ نمونہ تھا جسے "صاحب دل" کہتے تھے۔ یعنی ایسا شخص جس کی طبیعت میں دنیا کے حادثوں نے پختگی پیدا کر دی ہو مگر سختی نہ ہو جسے اپنی داخلی قوت پر اعتماد ہو جو ایک خاص طریقہ اختیار کرے اس یقین کے ساتھ کہ وہ اس کے لئے سب سے زیادہ مناسب ہے اور دوسروں کو گمراہ نہ سمجھے کہ وہ بھی اپنی طبیعت کے مناسب عمل کرتے ہیں۔ جو دنیا کی نعمتوں کی قدر کرتا ہو اور ان کے بغیر بھی خوش رہ سکے ایسا شخص قانون اور مصلحت دنیاوی حوصلے اور اخلاقی قدر "زہد" اور "رندی" سب کے حالات اور مقام کو سمجھ سکتا تھا۔ اس لئے کہ وہ "دل" کا مالک ہوتا "قلب" یا "دل" تصوف کی اصطلاح ہے جس سے تہذیب کے نقطۂ نظر سے کامل شخصیت کے تصور کو پیش کرنے میں بڑی مدد لی گئی۔ تصوف میں قلب روح اور جسم کا نقطۂ اتصال تجلی کا مقام قوت مدرکہ اور تمام اور روحانی قوتوں کا مرکز تھا۔ تہذیب میں یہ شوق، ذوق، صدق، سخاوت، حقیقت بینی غرض تمام لطیف جذبات کا عامل اور نفس انسانی کا جوہر تھا۔ جس کے دل نہ ہوتا وہ تمام انسانی صفت سے محروم سمجھا جاتا۔ قلب کی طرح عشق "سکر" (یعنی نشہ خمار) "صحو" یعنی ہوش) "جمع" (یعنی وصل) "شوق" اسلئے

سکتے تھے جو تصوف کے دارالضرب سے نکلے اور تہذیب کا سرمایہ بن گئے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تصوف کی ان اصطلاحوں کے رواج سے پہلے لوگ یہ نہیں جانتے تھے کہ عشق کیا ہے یا نشہ کیا۔ صوفیوں نے پرانے الفاظ لے کر انھیں نئے تصورات کا حامل بنا دیا، اور اس طرح عام انسانی جذبات اور لطیف روحانی اُمنگوں، مذہب اور جمالیات میں ایک ہم آہنگی اور یک جہتی پیدا کردی جو دنیا کی اور کسی تہذیب کو نصیب نہیں ہوئی ہے۔

صوفی کا شاعر ہونا بھی ایک خصوصیت ہے جو صرف اسلامی تہذیب میں نظر آتا ہے اس کی وجہ سے شاعری انفرادیت کے مبالغوں اور مغالطوں اور اس تخریبی میلان سے بڑی حد تک بچی رہی جو شاعروں میں اکثر پایا جاتا ہے، اور اس پر کوئی ایسی پابندیاں عائد نہیں ہوئیں جو جذبے کو اظہار سے یا تخیل کو پرواز سے روکتی ہیں۔ وہ آزادی جو شاعر چاہتا ہے تصوف نے اس طرح دے دی کہ علمائے ظاہر یعنی موروثی مذہب کا منصب مقرر کر دیا، اور قلبی واردات کو کمال بے پروائی کے ساتھ بیان کرنے کی رسم قائم کر کے شاعر کے لئے ایک آڑ بن گیا شاعر اس سے زیادہ کیا کہہ سکتا تھا جو کہ منصور نے کہا تھا کہ "میں خدا ہوں" اور وہ اپنا الگ مذہب رکھنے کا دعوےٰ کرتا تو اس سے زیادہ کیا کہتا جو شیخ فریدالدین عطار نے فرمایا ہے۔

کفر کافر را و دیں دار را ذرۂ درد دل عطار را

اسلامی تہذیب میں شاعری اور فن تعمیر کی پوری رونق نظر آتی ہے۔ مصوری کا چرچا بہت کم تھا اور مورت سازی بالکل رائج ہی نہ ہوئی۔ مسلمانوں میں عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان جنوں کو برتنا مذہب نے منع کیا ہے۔ یورپی مستشرق اسے نہیں مانتے۔ تصویریں بنانے کی صریحی ممانعت قرآن میں نہیں ہے، اور وہ حدیث جس کے مطابق تصویر بنانے والے سے قیامت کے روز کہا جائے گا کہ اس میں جان ڈالے مستند نہیں ہے۔ دراصل مسلما

[illegible]

آٹھویں صدی کے وسط میں بازنطینی قیصر کے ایک حکم کی بدولت عیسائیوں میں جاری ہوئی
اس میں ایک فریق کا دعویٰ یہ تھا کہ تصویروں اور مورتوں کی پرستش کرنا بت پرستی ہے
اور اس لئے جائز نہیں دوسرا فریق رائج طریقے کی حمایت کرتا تھا۔ اس بحث سے مسلمان
علمار نے بھی اثر لیا، تصویروں اور صلیبوں کا بنانا غلط تھا تو صرف عیسائیوں کے
لئے نہ تھا۔ مسلمانوں کو بھی ایسی تصویریں اور مجسم شکلیں نہ بنانا چاہیے جن کی پرستش کی جا سکے
غالباً علمار کی اس رائے پر عمل نہ کیا جاتا اگر مسلمانوں میں مصوری یا مورت سازی کا شوق
عام ہوتا، تصویریں نہ بنانا ایک عادت تھی جو شریعت بن گئی۔ بنو امیہ کے جن محلوں
دیواریں سلامت رہی ہیں۔ ان پر جانوروں کی اکثر تصویریں بنی ہیں اور برتنوں ا
قالینوں پر بھی جانوروں کی شکلیں اور شکار کے منظر بنائے جاتے تھے۔ ان کا شمار ا
تصویروں میں نہ ہوتا جن کو بت کہا جا سکتا اگرچہ محتاط علمار جاندار چیزوں کی شکلیں
بنانا غلط سمجھتے تھے۔ بنانے کا مقصد خواہ کچھ بھی ہو مسلمانوں نے مصوری اور مورت
سازی کی طرف توجہ اس لئے نہیں کی کہ ان کی طبیعت اور ان کا ماحول اس سے مناسبت
نہیں رکھتا تھا۔ ان میں وہ مذہب رائج ہی نہیں ہوا، جس میں آرٹسٹ کی شخصیت اہم
کے لائق سمجھی جاتی ہے اس بنار پر کہ وہ ایک نئی چیز تخلیق کرتا ہے یا ماحول کے اثرات کو جذب
کرکے اسے ایک نئی شکل میں پیدا یا پیش کرتا ہے۔ ان میں کسی ایک انسان کی شخصیت
تمام مخلوق کے مقابلے پر نہیں آتی بلکہ کل وجود کے ایک غیر مشخص یا قانون کے ماتحت ہونے
کا احساس بہت قوی اور دوسرے احساسات پر بالکل حاوی نظر آتا ہے اسی وجہ
وہ ایسی شکلیں بنانے سے جھجکتے تھے، جن میں انفرادیت ہوتی یعنی وہ صفت جو کسی
اپنی قسم کی چیزوں اور باقی مخلوق سے ممتاز کرتی ہے۔ ان کے یہاں حسن کا معیار صناعی
نہیں تھی بلکہ اقلیدسی تناسب اور اس کی بدولت انھوں نے آرائش کے فن میں کمال
کیا۔ مسلمانوں کی حیاداری نے اس برہنگی کو بھی گوارا نہ کیا تو جو تہذیب کے قدیم

میں ہر جگہ حسن کی شان سمجھی جاتی تھی اور حسن پر کوئی پردہ ڈال دیا جائے تو گویا مصور کی آنکھ پر پٹی باندھ دی جاتی ہے۔

موجودہ زمانے میں علوم فکریہ اور علوم صحیحہ نے جو ترقی کی ہے اس کے لئے نئے صرف زمین تیار کی تھی۔ صنعت اور صنعتی نظام میں جو انقلاب ہوئے ہیں وہ مغربی قو کی اپنی جدوجہد کا نتیجہ ہیں لیکن اسلامی تہذیب میں ایک خصوصیت تھی جو اُسے مغربی سے ممتاز کرتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس میں وحدت کے تصور نے علم اور عقیدے اصو اور عمل میں پورا ربط قائم رکھا۔ یہ ربط اس نظری تکمیل سے بالکل مختلف ہے جو ق ہندوستانی تہذیب کا نصب العین تھی کہ اس کا دار مدار سراسر عقل اور فکر پر تھ اور ہندوستان میں نظری تکمیل ذاتوں کی تقسیم کی بنیاد پر کی گئی تھی۔ مغربی علوم میں اجما کے ذریعے ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے لیکن علم اور عقیدہ ابھی تک ایک دو سے بیگانہ ہیں۔ مسلمانوں میں علم عقیدے کے ماتحت نہ تھا اور اس سے الگ اور بے بھی نہ تھا۔ مسلمان مفکر برابر یہ محسوس کرتے رہے کہ علم کا معیار الگ ہے اور دین کا الگ ا نے دونوں میں کوئی فرضی ہم آہنگی قائم نہیں کی۔ عقل کو اس پر مجبور کیا کہ وہ عقیدے سامنے سر جھکائے۔ علم اور عقیدے کے درمیان ربط ان واردات قلبی کی بنیاد پر گیا جس کی ایک نمایاں مثال امام غزالی کی روحانی سرگزشت ہے۔ یہی قلبی واردات شخصی دینی اور اجتماعی مذہب کو مربوط کرنے کا ذریعہ تھیں۔ انھوں نے مسلمانوں کو اس سرچشمہ تک جہاں علم اور عقیدہ مل کر ایک وحدت بن جاتے ہیں اور جیسے وہ تفریق جو ظاہری وجود نظر آتی ہے توحید کی ایک دلیل تھی۔ علم اور عقیدے کی وحدت علوم دینی اور دنیاوی تقسیم سے ثابت کی گئی ہے۔ بہت ممکن ہے نوع انسانی زیادہ لمبے رستے سے اس حقیقت پہنچے جس کی طرف مسلمان مفکر اشارہ کر گئے ہیں اور یہ بات [illegible]

[illegible]

سہارنپور کا معاشی جائزہ

"آبادی کے مختلف عناصر کا باہمی مقابلہ"

تمہید | سہارنپور کے مطالعے کے سلسلے میں زیادہ تر سوال نامہ [۱۱] یعنی برادریوں کے بارے میں جوابات حاصل کرنے کی کوشش کی گئی اور اس میں خاصی کامیابی ہوئی۔ دوسرا بڑا کام یہ کیا گیا کہ سہارنپور کی سکنائی جائداد میں مسلم اور غیر مسلم اقوام کا نسبتی حصہ معلوم کرنے کے لئے شہر سہارنپور کے مکانات کی ملکیت اور حیثیت کا ایک جائزہ لیا گیا اور اس کام میں بہت زیادہ مدد ان اعداد و شمار سے ملی جو میونسپل کمیٹی نے ہاؤس ٹیکس لگانے کے لئے جمع کرائے تھے۔ اس کے علاوہ ایک سرسری جائزہ شہر کی تجارت و صنعت کا بھی لیا گیا۔ ڈسٹرکٹ گزیٹیر اور بندوبست کی رپورٹوں میں جو اعداد و شمار سہارنپور کی تاریخ، یہاں کی آبادی کی تقسیم، یہاں کی معاشی اور معاشرتی حالت کے بارے میں مل سکے۔ ان سے بھی تھوڑا بہت کام لیا گیا۔

برادریوں کا مطالعہ صرف مسلمانوں تک ہی محدود نہیں رکھا گیا بلکہ اس میں غیر مسلم برادریوں کو بھی مقابلہ کے لئے شامل کیا گیا۔

سہارنپور کے ڈسٹرکٹ گزیٹیر سے اقتباسات | اپنے جائزہ کے نتائج بیان کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سہارنپور کے ڈسٹرکٹ گزیٹیر (مطبوعہ ۱۹۲۱ء) میں جو حصے اس سلسلے میں موجود ہیں ان کا اقتباس درج کر دیا جائے۔

ضلع سہارنپور میں آبادی کی مذہبی تقسیم | ۱۹۲۱ء کے گزیٹیر میں سنہ [illegible] کی [illegible]

میں بیان کیا گیا ہے۔

"گذشتہ مردم شماری (۱۹۶۱ء) کے مطابق ضلع سہارنپور کی مجموعی آبادی میں سے ۸ لاکھ ۸۲ ہزار ۶ سو ۱۹ ہندو اور ۳ لاکھ ۵۱ ہزار تین سو ۱۳ مسلمان، ۵۰ ہزار ۶ سو ۸۸ جین، ۲ ہزار ۹ سو ۲۷ عیسائی، ۲ ہزار ۳ سو ۲۹ آریا، ۴ سو ۷۷ سکھ ۱۲ پارسی، ایک بدھ متی تھے۔ یعنی ۶۵ر۳۱ فی صد ہندو اور ان کے بالمقابل ۹۹ر۴۳ فی صد مسلمان تھے، اور یہ بات قابل ذکر ہے کہ دوسرے بہت سے اضلاع کی طرح یہاں بھی مسلمانوں کی تعداد میں اپنے پڑوسیوں کے مقابلہ میں زیادہ تیزی کے ساتھ اضافہ ہو رہا ہے مجموعی آبادی میں مسلمانوں کا تناسب ۱۸۷۲ء میں ۶۱ر۳۱ فی صد تھا۔ ۱۸۹۱ء میں یہ بڑھ کر ۴۱ر۳۲ فی صد ہو گیا، اور ہندوؤں کی تعداد میں اسی نسبت سے کمی واقع ہوتی رہی۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ نسبتاً بہتر غذا کھانے کی وجہ سے مسلمانوں کی شرح پیدائش اور شرح عمر ہندوؤں کے مقابلے میں بڑھ جاتی ہے۔ اور اس کا یہ بھی سبب ہے کہ مسلمانوں کی مالی حالت بھی مقابلتہً بہتر ہے اور غریب ترین طبقہ میں ان کی کم تر تعداد شامل ہے۔ ضلع کے مختلف حصوں میں مسلم عنصر کی تقسیم اور اس کے نتیجے کے طور پر مجموعی آبادی کے مقابلے میں ان کی نسبتی تعداد مختلف ہے۔ سہارنپور کی تحصیل میں تقریباً ۴۰ فی صد لوگ مسلمان ہیں۔ اس کے مقابلے میں دیوبند میں ان کا تناسب ۲۴ فی صد سے زیادہ نہیں ہے۔ نکڑ اور رڑکی کی تحصیلوں میں ان کی تعداد ضلع کے عام اوسط کے مساوی ہے۔ دوسرے مذاہب کو ان دونوں کے مقابلے میں کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے ۱۹۳۱ء میں ضلع سہارنپور کی کل آبادی ۳ لاکھ ۷۷ ہزار ۶ سو ۵۴ تھی جس میں دو لاکھ ۱۱ ہزار ۵ سو ۴۷ ہندو، ایک لاکھ ۲۵ ہزار ۳ سو ۱۶ مسلمان اور ۱۰ ہزار ۵ سو ۱۰ دیگر لوگ تھے۔

(ب) شہر سہارنپور: سہارنپور شہر کے بارے میں روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ ۱۳۴

بنیاد ایک بزرگ شاہ ہارون چشتی نے رکھی، جن کی قبر کی زیارت کے لیے اب بھی
انوں کی ایک بڑی تعداد آتی رہتی ہے۔ یہ بزرگ محمد بن تغلق کے زمانے میں مشہور
ے، اور اس کے تھوڑے عرصے بعد اس جگہ نے اس حیثیت سے کچھ اہمیت اختیار
لی کہ یہاں ایک فوج رکھی جانے لگی تاکہ وہ مغلوں کے ان حملوں کو روک سکے جو
شمال کی جانب سے دوآب پر کرتے رہتے تھے۔ اکبر کے زمانے میں یہ شہر خاصا بڑا
گیا تھا۔ لیکن اس کی اہمیت اس وقت تک زیادہ نہیں ہوئی جب تک کہ روہیلہ نواب
ضابطہ خاں ولد نجیب خاں پدر غلام قادر خاں نے اس کو اپنی راجدھانی نہیں بنایا۔
جب برطانیہ نے بالائی دوآب پر قبضہ کیا تو اس شہر کو ضلع کا صدر مقام بنا دیا گیا اور
اس وقت سے برابر اس شہر کو اس وجہ سے کہ وہ میرٹھ اور پنجاب کے درمیان
ایک تجارتی مرکز تھا تیزی سے ترقی ہوتی رہی۔ اس شہر کی آبادی کی ترقی ذیل کے اعداد
سے ظاہر ہوگی۔

۱۸۴۷ء	۳۲	ہزار	۲ سو	۹۴
۱۸۵۳ء	۳۱	"	۹ "	۶۸
۱۸۶۵ء	۴۴	"	۱ "	۱۹
۱۸۷۲ء	۴۳	"	۸ "	۴۴
۱۸۸۱ء	۵۹	"	۱ "	۹۴
۱۸۹۱ء	۷۳	"	۱ "	۹۴
۱۹۰۱ء	۶۱	"	۲ "	۵۴

۱۹۰۱ء میں مسلمانوں کی تعداد ۳۷ ہزار ۶ سو ۴۶، ہندوؤں کی ۲۵ ہزار
۸ سو ۴۵، جینیوں کی ایک ہزار ۳ سو ۵۲، عیسائیوں کی ۹ سو ۱۱، جس میں یورپین
اور یوریشین بھی شامل تھے، اور دیگر (آریا اور سکھ) کی ۴ سو ۴۲ تھی۔ ۱۹۲۱ء میں

سہارنپور شہر کی کل آبادی ایک لاکھ ۵ ہزار [illegible] سو ۲۲ ہوگئی تھی، جس میں مسلمانوں کی تعداد ۵۰ ہزار سات سو ۱۸، ہندوؤں کی [illegible] ہزار ۸ سو ۸۲ اور بقیہ کی ۵ ہزار ۲۲ تھی۔

ج) ضلع سہارنپور میں مسلمانوں کی ذاتیں۔ اس ضلع کے مسلمان زیادہ تر سنّی ہیں۔ سنہ ۱۹۰۱ء میں ۸۴ر۹۷ فی صد مسلمانوں کا تعلق سنّی فرقہ سے تھا اور شیعہ صرف ۱۹ر۱ فی صد تھے اور لال بیگی جو مہتر ہیں اور صرف نام کے مسلمان ہیں ۹۵ر فی صد تھے۔

"مسلم آبادی کی ساخت مختلف نوعیت رکھتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اگر ایک طرف کچھ لوگ مسلم حملہ آوروں کی اولاد سے ہیں تو دوسری طرف اُن کی اکثریت کا تعلق ان ہندو ذاتوں سے ہے جنھوں نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ اس کے علاوہ موروثی پیشوں سے لگے ہوئے لوگوں میں بھی ایک جُداگانہ ذات بننے کی طرف رجحان پایا جاتا رہا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ماضی قریب میں ذاتوں کا ایک پیچیدہ اور مصنوعی نظام وجود میں آگیا ہے گذشتہ مردم شماری (سنہ ۱۹۰۱ء) کے موقع پر ۹۷ ذاتوں کا شمار کیا گیا تھا اور اس میں بھی وہ ۲۰۰۸ اشخاص شامل نہیں تھے جن کو کسی ذات میں نہیں رکھا جاسکتا تھا لیکن جن ذاتوں کو اہمیت حاصل ہے ان کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ ۲۴ ذاتوں میں لوگوں کی تعداد ۱۰۰ سے کم تھی۔ اس کے علاوہ ۲۳ ذاتوں میں لوگوں کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ نہیں تھی اور آبادی کے ۸۰ فی صد حصّہ کا تعلق صرف گیارہ ذاتوں سے تھا۔

"تیلی۔ ان ذاتوں میں تعداد کے لحاظ سے اول نمبر تیلیوں کا تھا جن کی تعداد ۲۰ ہزار ۶ سو ۴۲ یا مسلمان آبادی کا ۸۵ر۱۳ فی صد تھی۔ یوپی کے کسی دوسرے ضلع میں ان کی تعداد اتنی نہیں تھی۔ آبائی پیشہ کے لحاظ سے یہ لوگ تیل نکالنے کا کام کرتے ہیں۔ لیکن ان کی تعداد کا بڑا حصّہ دوسرے پیشوں خصوصاً زراعت سے لگا ہوا ہے۔ سہارنپور اور دیوبند کی تحصیلوں میں ان کی تعداد دوسری تمام ذاتوں سے زیادہ ہے۔ ان کی تقریباً نصف تعداد سہارنپور میں آباد ہے۔

جاتا ہے۔ ان کے بعد دوسرا نمبر جولاہوں کا ہے۔ ان کی تعداد ۱۰۲ ہزار، سو ۴۸ یا مسلم آبادی کا ۰۵ء ۱۲ فی صد ہے۔ ان کی زیادہ تر آبادی سہارنپور اور رڑکی کی تحصیلوں میں ہے لیکن دوسری جگہوں میں بھی یہ لوگ پائے جاتے ہیں۔ ان کی [illegible] مختصر سی ہوتی ہے اور گال تقریباً صاف ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے انھیں آسانی کے ساتھ پہچانا جا سکتا ہے اور یہ لوگ تقریباً ہر گاؤں میں ملتے ہیں۔ ان کی بیشتر تعداد پارچہ بافی کے آبائی پیشے سے لگی ہوئی ہے۔ لیکن کساد بازاری نے انھیں کھیتی کا کام اختیار کرنے کے لئے مجبور کر دیا ہے۔ اس کام میں انھیں خاصی کامیابی ہوئی ہے۔ ان سے قریبی طور پر مشابہ اور اصل کے لحاظ سے ایک، بہنا یا روئی دھننے والے لوگ ہیں۔ لیکن ان کی تعداد اس ضلع میں زیادہ نہیں ہے۔

گاڑا:۔ یوپی کے دوسرے حصوں کے مقابلے میں سہارنپور میں گاڑوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ یوپی میں گاڑے میرٹھ کمشنری اور آگرہ اور روہیلکھنڈ کی کمشنریوں کے بعض حصوں میں محدود ہیں۔ صوبہ کی مجموعی تعداد ۳۰ ہزار ۹ سو ۶۵ کے مقابلے میں ان کی تعداد ضلع سہارنپور میں ۴۴ ہزار ۹ سو ۶۳ تھی اور کل مسلمانوں کے مقابلے میں ان کا مجموعی اوسط ۰۸ء ۱۲ فی صد تھا۔ یہ مساوی طور پر منقسم تھے اور نکڑ کی تحصیل میں دوسری ذاتوں کے مقابلے میں ان کی تعداد سب سے زیادہ تھی۔ ان کی اصل کے بارے میں کچھ اپنے آپ کو مغل کہتے ہیں، کچھ سید۔ اگرچہ اکثر صورتوں میں یہ لوگ اپنے آپ کو ان راجپوتوں کی اولاد کہتے ہیں جنھوں نے مسلم حکومت کے ابتدائی زمانے میں اسلام قبول کر لیا تھا اور ان کا بیان ہے کہ ان کے نام کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ مسلمان ہونے کے بعد انھوں نے اپنے مردوں کو گاڑنا شروع کر دیا تھا۔ ان میں کئی شکمی ذاتیں پائی جاتی ہیں جن کے نام راجپوتوں کی شکمی ذاتوں سے ماخوذ ہیں۔ گاڑے اعلیٰ درجے کے کاشتکار ہوتے ہیں لیکن اپنے کام میں محنتی ہونے کے ساتھ ساتھ انھیں مقدمہ بازی کی بڑی لت ہے۔ اور [illegible]

باتوں سے [illegible]

چنانچہ یہ کہاوت مشہور ہے "گاؤں میں گاڑا، کھیت میں جھاڑا" یعنی گاؤں کے اندر گاڑا اتنا ہی پریشانی کا باعث ہوتا ہے، جتنا کھیت میں جھاڑ کانٹے ہوتے ہیں۔

"شیخ:۔" شیخوں کی تعداد ۲۷ ہزار ۹ سو ۶۳ یعنی مسلم آبادی کا ۹ء۶ر فی صد تھی۔ ان میں ۱/۵ کا تعلق سہارنپور تحصیل سے تھا اور باقی ضلع کے مختلف حصّوں میں مساوی طور پر پھیلے ہوئے تھے۔ ان میں بہت سے اپنی اصل کے لحاظ سے باہر کے لیکن ان میں سے کم ایسے ہیں جنھوں نے کوئی امتیاز یا شہرت حاصل کی ہو اور ان کی ملکیت زمینیں بھی نسبتاً کم ہی ہیں۔ ۹ ہزار ۸ سو ۲۸ کا تعلق صدیقی نسل سے تھا اور ۶ ہزار ۵ سو ۲ ۵ کا قریشی سے اور ان دونوں نسلوں میں ضلع کی اور تمام دوسری نسلوں کے مقابلے میں زیادہ شیخ پائے جاتے تھے۔ ۳ ہزار ۴ ۹ انصاری تھے جو ضلع کے سب حصوں میں رہتے لیکن ان کی زیادہ تعداد دیوبند اور نکڑ کی تحصیلوں میں تھی، ایک ہزار ۳ سو ۸۹ فاروقی تھے جو زیادہ تر نکڑ تحصیل میں تھے اور ۷۰۰ ۹ عثمانی تھے جو تقریباً تمام کے تمام دیوبند میں تھے دوسری اور نسلیں بھی تھیں لیکن ان کی تعداد زیادہ نہیں تھی جنھوں نے کسی نسل کا اظہار نہیں کیا یہ عام طور پر وہ لوگ تھے جو ان کی اولاد تھے جنھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور اپنے آپ کو شیخ کہنا شروع کر دیا تھا۔

"رانگڑ یا مسلم راجپوت:۔" ان کی تعداد ضلع سہارنپور میں بہت زیادہ یعنی ۲۳ ہزار ۸ سو ۵۸ یا مسلم آبادی کا ۱۵ر۶ فی صد۔ انھوں نے بہت ابتدائی زمانے میں اسلام قبول کر لیا تھا لیکن دوسری نو مسلم ذاتوں کی طرح ان میں بھی بڑی حد تک اصلی نسل کی خصوصیات اور رسم و رواج ابھی تک باقی ہیں۔ یہ زیادہ تر صدر مقام کی تحصیل میں پائے جاتے ہیں۔ لیکن اس جگہ اور نکڑ کی تحصیل میں ان کی اکثریت خالص راجپوت نسل نہیں ہے۔ بلکہ چوہان نسل سے ہے۔ مؤخر الذکر کی مجموعی تعداد ۸ ہزار ۲ سو ۸۷ باقی ماندہ میں سے ۸ ہزار ۷ ۴ کا تعلق کتھا کے علاقے کے پنڈیروں سے ہے اور یہ خاص طور پر شمال کی دو تحصیلوں میں رہتے ہیں۔ دوسری نسلوں میں جادون، بھٹ

ور راوت شامل ہیں جن میں سے تقریباً تمام سہارنپور تحصیل میں رہتے ہیں۔ ان کے علاوہ
ار، بڑگوجر اور دوسری اور نسلوں کے راجپوت بھی ہیں جن کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔

گوجر:- مسلمان گوجروں کی تعداد بھی اس ضلع میں غیر معمولی ہے یعنی ۲۰ ہزار ایک
سو ۳۲۔ اس سے زیادہ تعداد یوپی کے کسی دوسرے ضلع میں نہیں ہے۔ ان کی بیشتر
آبادی نکڑ اور سہارنپور کی تحصیلوں میں ہے۔ رڑکی کی تحصیل میں ان کی تعداد بہت کم ہے
یہاں یہ لوگ اپنے پرانے مذہب پر قائم ہیں۔ ان کے بارے میں کوئی خاص بات لائق
ذکر نہیں ہے کیونکہ ان میں اپنے ہندو بھائیوں کے مقابلے میں بہت کم فرق پایا جاتا ہے
انہوں نے اسلام کی صرف ظاہری شکل کو اختیار کیا ہے۔ اس کی روح کو قبول نہیں کیا ہے

پٹھان:- اس کے بعد پٹھانوں کا نمبر ہے۔ ان کی مجموعی تعداد ۱۶ ہزار ۹ سو
بارہ ہے۔ خاص طور پر سہارنپور تحصیل میں پائے جاتے ہیں لیکن ویسے پورے ضلع میں
مساوی طور پر پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کے پاس خاصی بڑی زمینداری ہے۔ لیکن ایسے
خاندان جن کی تعداد بڑی ہو بہت کم ہیں۔ ان کی قدیم املاک برطانوی حکومت کے
قائم ہونے کے فوراً بعد ختم ہو گئی تھیں۔ پٹھانوں میں بہت سی نسلوں کے لوگ پائے جاتے
ہیں۔ خاص طور پر لائق ذکر یوسف زئی ہیں۔ جن کی تعداد ۵ ہزار ۷ سو ۸۲ ہے۔ ان کے
بعد لگرزئی جن کی تعداد سب سے زیادہ نکڑ اور دیوبند میں ہے۔ ان کے علاوہ پوری
سہارنپور اور رڑکی کی تحصیلوں میں اور محمدزئی، داؤد زئی، بنگش، خلیل اور آفریدی ہیں

فقیر، قصاب، جھوجا، حجام:- فقیروں کے بارے میں جن کی تعداد ۱۳ ہزار ۵ سو
۸۲ ہے، کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ ہر جگہ ملتے ہیں۔ ان میں سے بہت کو محض فقیر
کہا جاتا ہے مگر ایک خاصی تعداد سائیں اور جوگیوں کی بھی ہے۔ اسی طرح قصاب یا
قصائیوں کے بارے میں بھی کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں ہے۔ جماعت میں ان کی حیثیت
کم بھی جاتی ہے ... کی شناخت کسی نسلی خصوصیت کی بنا پر نہیں بلکہ پیشہ کی بنا پر

کی جا سکتی ہے۔ یہ چاروں تحصیلوں میں پھیلے ہوئے ہیں، اور قدرتی طور پر شہروں میں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ جھوجھوں کے بارے میں البتہ کچھ باتیں خاص طور پر بیان کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ لوگ یو۔پی کے دوسرے تمام اضلاع کے مقابلے میں سہارنپور میں سب سے زیادہ پائے جاتے ہیں۔ ان کی تعداد ۱۲ ہزار ۴ سو ۲۶ ہے۔ سہارنپور کے علاوہ ان کی بڑی تعداد صرف مظفر نگر اور بجنور میں پائی جاتی ہے۔ ان کی ملکیت میں زمینیں کم ہیں۔ لیکن کاشتکار کی حیثیت سے ان کا درجہ بہت ممتاز ہے اور ضلع کے بہترین کاشتکاروں میں ان کا شمار کیا جاتا ہے۔ یہ سب تحصیلوں میں ملتے ہیں لیکن ان کی اکثریت رڑکی تحصیل میں پائی جاتی ہے۔ یہ اپنی اصل کے لحاظ سے واضح طور پر ہندو ہیں، اور اپنے آپ کو راجپوت کہتے ہیں۔ اگر اس بات کی رانگڑ اور دوسرے لوگ سختی سے تردید کرتے ہیں۔ اور انہیں ادنیٰ درجے کا سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ غیر معمولی جفاکشی اور ہنر کے مالک ہیں اور اپنی زمین کو بہت توجہ اور جزئی تفصیل کے ساتھ جوتتے ہیں اور اپنے کھیتوں کو اس طرح جز در جز تقسیم کرتے ہیں کہ پٹواری کو خسرہ کے تیار کرنے میں بڑی دقت ہوتی ہے۔ ان کے بعد صرف نائیوں یا حجاموں کی ایسی ذات رہ جاتی ہے جن کی تعداد دس ہزار سے زیادہ ہے۔ ان کی مجموعی تعداد ۱۲ ہزار ۳ سو ۹۵ ہے اور تمام ضلع میں مساوی طور پر منقسم ہے۔

سید:۔ باقی ماندہ ذاتوں میں صرف سید ایسے ہیں جن کی تعداد ۵ ہزار سے زیادہ ہے۔ ان کی مجموعی تعداد ۵ ہزار ۸ سو ۴۰ ہے۔ اور ان کی اکثریت رڑکی اور سہارنپور کی تحصیلوں میں ملتی ہے۔ ان کی ملکیت میں زمین کی ایک خاصی بڑی مقدار ہے۔ لیکن ان کے پرانے خاندان اکثر صورتوں میں زوال زدہ ہیں۔ صرف اچھے گھرانے [illegible] شاہ [illegible] سے متعلق ہیں۔ ایک زمانے میں مظفر نگر کے بارہ [illegible] خاندان کو اس ضلع میں ممتاز مرتبہ حاصل تھا لیکن [illegible]

ان کی زمینداری ان سے لی گئی تھی۔ سیدوں میں نصف سے زیادہ کا تعلق حسینی
نسل سے ہے۔ اس نسل کی تعداد دیوبند میں سب سے زیادہ ہے۔ نکڑ تحصیل میں بخاریوں کی
بھی ایک بڑی آبادی ہے اور رڑکی کی تحصیل میں جعفریوں کی بھی خاصی تعداد ہے۔ باقی ماندہ
کا تعلق مختلف نسلوں سے بیان کیا جاتا ہے۔ خاص نسلیں ترمذی اور ہاشمی ہیں۔

دوسری ذاتیں:۔ مسلمانوں کی باقی ماندہ ذاتیں اپنے نام یا پیشے کے لحاظ سے
بالکل ہندو ذاتوں جیسی ہیں۔ دھوبی، بھشتی، لوہار کمہار کی ذاتوں کی تعداد چار ہزار
نفوس سے زیادہ ہے۔ ان کے بعد نمبر بہنیا، بھنگی، بنجارا، درزی، تگا، بڑھئی،
مغل اور گھوسیوں کا ہے جن میں سے ہر ایک کی تعداد دو ہزار سے زیادہ ہے۔ مسلم کمہاروں
کی تعداد غیر معمولی ہے۔ لیکن یہ بات غالباً مقامی حالات کی وجہ سے ہے کیونکہ بعض قبائل
میں اس ضلع میں لوگوں نے وسیع پیمانے پر اسلام قبول کرنا شروع کر دیا تھا۔ مغل زیادہ تر
نکڑ اور سہارنپور کی تحصیلوں میں آباد ہیں۔ نصف کا شمار چغتائیوں میں کیا گیا ہے اور ان
کی اکثریت ترکمان ہے۔ مؤخر الذکر شیعہ فرقے سے تعلق رکھتے ہیں ان کا صدر مقام کھتولی
ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ یہاں بابر کے زمانے سے آباد ہیں۔ گھوسی، گلہ بان، تیلی،
اور منہدوا اہیروں سے بہت مشابہ ہیں اور زیادہ تر شمال کی تحصیلوں میں رہتے ہیں۔
چھوٹی ذاتوں میں سنار، کمبوہ، صیقل گر، پاندہ ساز اور کھٹیک صوبے کے دوسرے
اضلاع کے مقابلے میں یہاں زیادہ تعداد میں آباد ہیں۔ لیکن انھیں کسی طرح بھی
اس ضلع کے ساتھ مخصوص نہیں سمجھا جا سکتا۔ بنگالیوں کا بھی یہاں ذکر کرنا ضروری ہے
ان کی تعداد صوبے کی مجموعی تعداد ۱۰۹۵۱ کے مقابلے میں اس ضلع میں ۴۰۴ تھی۔ یہ لوگ
اودھ میں ملتے ہیں۔ ان کا تعلق اصل گرو ذات سے ہے اور ان کا دعویٰ ہے کہ
ان کا سلسلہ نسب جلال کے لودی پٹھانوں سے ملتا ہے۔ لیکن بظاہر یہ لوگ خاص
اسی قسم کے مجرموں سے شیعہ مسلم ہوتے ہیں۔

(۱) ضلع سہارنپور میں ہندو ذاتیں: سہارنپور کے ہندو عنصر کی ساخت بھی بہت مختلف النوع ہے۔ سنہ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری میں ۶۰ مختلف ذاتوں کے نمائندے دریافت کئے گئے تھے ان میں وہ ایک ہزار ۲ سو ۳۹ افراد شامل نہیں تھے جنہوں نے اپنی کوئی ذات درج نہیں کرائی تھی۔ ان میں سے اکثر کی اہمیت بہت کم تھی۔ صرف ۱۶ ذاتیں ایسی تھیں جو ہندو آبادی کے ۹۰ء۰۰ فی صد پر حاوی تھیں۔ اور ان میں سے ہر ایک میں ۱۰ ہزار سے زیادہ اشخاص شامل تھے اس کے بعد پانچ ذاتیں ایسی تھیں جن میں ۵ ہزار سے زیادہ اشخاص شامل تھے اور ان کا مجموعہ کل ہندو آبادی کا ۵،۲۲ فی صد ہوتا تھا۔ ۱۴ ذاتیں ایسی تھیں جن میں ۱۰۰ سے کم لوگ شامل تھے۔

چمار:- تعداد کے لحاظ سے سب سے اہم نمبر چماروں کا تھا۔ ان کی حیثیت بہت ادنیٰ سمجھی جاتی ہے۔ لیکن ضلع کے ہر حصہ میں اُن کی تعداد دوسری ذاتوں کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی اور سہارنپور اور رڑکی کی تحصیلوں میں ان کا غلبہ بہت نمایاں تھا۔ اُن کی مجموعی تعداد ۲ لاکھ ۵ ہزار، ۱۶ یا کل ہندو آبادی کا ۲۰،۰۶ فی صد تھی۔ یوں تو یوپی کے اکثر ضلعوں میں چمار ملتے ہیں۔ لیکن ایسے ضلع کم ہیں جن میں ان کی تعداد کی برتری اتنی زیادہ ہو جتنی کہ سہارنپور میں تھی۔ ان کی بیشتر تعداد دیہات کی مزدور پیشہ آبادی پر مشتمل ہے۔ ان کی ملکیت میں کچھ زمینیں بھی ہیں لیکن کاشتکار کی حیثیت سے ان کی جوت میں رقبہ نسبتاً مختصر ہی رہتا ہے کیونکہ اپنے طور پر کھیتی کا کام کرنے کی جگہ یہ زیادہ تر مزدور کی حیثیت سے کام کرتے نظر آتے ہیں۔ جہاں یہ لوگ کھیت پر کام نہیں کرتے وہاں اپنے پیشہ کے مطابق یہ لوگ اپنے نام بھی بدل لیتے ہیں، مثلاً بیلدار، موچی، راج، مستری جولاہا وغیرہ۔

گوجر:- ان کے بعد، لیکن ان سے بہت پیچھے گوجروں کا نمبر ہے۔ ان کی تعداد ۵۰ ہزار ایک سو ۹۱ یا ہندو آبادی کا ۵،۰۷ فی صد ہے۔ یہ ضلع میں خاصے مساوی طریقے پر منقسم ہیں۔ لیکن نکوڑ اور دیوبند کی تحصیلوں میں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے اور سہارنپور

میں نسبتاً کم ہیں۔ یہ ذات زیادہ تر مغربی اضلاع خصوصاً میرٹھ کی قسمت میں محدود ہے یوپی میں سہارنپور کی مجموعی تعداد سے زیادہ تعداد صرف میرٹھ کے ضلع میں پائی جاتی ہے گذشتہ زمانے میں سہارنپور کے ایک بڑے حصے کا نام گجرات تھا اور موجودہ زمانے میں اس ضلع کو لوگ تین مختلف حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ مشرق میں گنگا کا نشیبی علاقہ، کھادر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جمنا کے نشیبی علاقہ کو راؤ ٹولہ کہا جاتا ہے اور مرکزی حصے کو گجرات کہتے ہیں۔ جس میں گنگوہ، رامپور اور نکوڑ کے پرگنے اور مظفرنگر کے ملحقہ علاقے شامل ہیں۔ اس ضلع میں زمینوں کے سب سے بڑے مالک گوجر ہی ہیں۔ ان کی زمینداری میں لنڈھورا کی ریاست بھی شامل ہے۔ کاشتکار کی حیثیت سے بھی دوسری تمام ذاتوں کے مقابلے میں ان کے پاس زمینیں زیادہ ہیں۔ اگرچہ دیوبند کی تحصیل میں جاٹوں کاشتکاروں کے پاس ان سے زیادہ رقبہ ہے۔ کاشت کے کام میں یہ زیادہ اچھے نہیں ہیں اور ابھی تک یہ لوگ اپنی سرکشی اور فتنہ خیزی کی وجہ سے بدنام ہیں۔ یہ لوگ چوری بھی کرتے رہتے ہیں۔ ان کی تاریخ سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ لوگ پانچ صدیاں گذرے مغرب سے ترک وطن کرکے یہاں آئے تھے اور یہ ہر جگہ اپنے آپ کو راجپوت نسل سے کہتے ہیں۔ اس دعوے میں شاید کچھ اصلیت بھی ہے۔ کیونکہ یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ یہ گوجر اپنے اپنے زمانے کے ان گوجروں سے تعلق رکھتے ہیں جو موجودہ زمانے کے پریہار راجپوتوں کے اسلاف تھے ۔ ۱۵۰۰ء میں انھوں نے اپنی طاقت دوآب میں بڑھانا شروع کر دی تھی جس کی وجہ سے شیر شاہ ان کے خلاف سخت کارروائی کرنے کے لئے مجبور ہو گیا تھا لیکن ان کے سیاسی اثر نے اٹھارھویں صدی کے وسط تک کوئی اہمیت اختیار نہیں کی تھی۔ اس وقت راجہ رام دیال اور نائن سنگھ نے لنڈھوڑا اور پریشن جیت کی ریاستیں حاصل کیں۔ اس ضلع کے گوجروں کا تعلق بہت سی نسلوں سے ہے جن کے نام راجپوتوں کی کو نسلوں سے ملتے [illegible]

کا بھی تعلق ہے۔

"راجپوت": گوجروں کے بعد راجپوتوں کا نمبر ہے ان کی تعداد ۵۴ ہزار ۹ سو ۰۴ یعنی کل ہندو آبادی کا ۳۷ر۶ فی صد تھی۔ سہارنپور تحصیل میں ۱۹ ہزار ۲ سو ۴، دیوبند میں ۱۳ ہزار ۴۷، رڑکی میں ۶ ہزار ۴ سو ۲۰، نکڑ میں ایک ہزار ۹ سو ۶۰، دیوبند میں ایک ہزار ۹ سو ۴۵۔ چوہان اگرچہ اپنے آپ کو چھتری کہتے ہیں اور اپنی نسل کا سلسلہ دہلی کے حکمرانوں سے ملاتے ہیں، لیکن ان کا تعلق ایک جداگانہ ذات سے ہے جس کی حیثیت کچھ زیادہ بلند نہیں سمجھی جاتی۔ صحیح راجپوتوں میں سب سے بڑی تعداد پنڈیروں کی ہے۔ ان کا علاقہ وہ ہے جسے کھتا کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اس میں پرگنہ دیوبند، ناگل اور رامپور کے ۳۶ گاؤں شامل ہیں۔ یہ ایک مضبوط اور مغرور نسل کے لوگ ہیں اور شروع زمانے میں ان کی لوٹ مار کی شہرت گوجروں سے بھی زیادہ تھی۔

"برہمن": ان کی تعداد ۳۴ ہزار یعنی ۲۰ر۶ فی صد ہے یہ خاصے بڑے زمیندار ہیں اور کاشتکار کی حیثیت سے بھی ان کے پاس بڑا رقبہ ہے۔ لیکن ان کی کھیتی کا معیار کم درجے کا ہوتا ہے، اور یہ اپنا کام زیادہ تر مزدوروں سے کراتے ہیں ان کی اکثریت کا تعلق گوڑ ذات سے ہے۔

"کہار": پانچواں نمبر کہاروں کا ہے۔ اُن کی تعداد ۴۱ ہزار چار سو ۱ یعنی ۰۷ر۹ فی صد ہے، ان کا پیشہ کاشتکاری، پانی بھرنا، گھر کی ملازمت اور ڈولی پالکی اٹھانا ہے۔

"مالی اور سینی": مالی جنھیں باغبان بھی کہا جاتا ہے۔ ان کا دھندہ کھیتی کے کام میں اول ہے۔ ان کی تعداد ۲۹ ہزار چھ سو ۱۱ ہے۔ اس تعداد میں سینی شامل نہیں ہیں جو تقریباً بالکل ان ہی جیسے ہیں ان کی تعداد ۱۵ [illegible] اکر

ہندو آبادی کا ۵۰،۷ فی صد ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ ۶۱۱۶ چمار اور ۱۰۰۰۱ افراد بھی تھے
ب کو ملانے کے بعد ان کی تعداد سہارنپور تحصیل میں ۱۳ ہزار ۲ سو ۳۰، رڑکی کی
سیل میں ۱۱ ہزار ۹ سو ۶۱، دیوبند تحصیل میں ۱۱ ہزار ۲ سو ۹۳ اور نکڑ تحصیل میں
ہزار ۹ سو ۰۴ ہوتی تھی۔ ضلع کی بیشتر تعداد کا تعلق گوبے، جہانگیری اور ہنیا گوت سے
۔ گوبے زیادہ ترقی یافتہ ہیں۔ یہ زمیندار بھی ہیں۔ ان میں سے بعض وکیل بھی ہیں
ں کا خاص کام پھول ترکاری وغیرہ کی کاشت ہے۔ ویسے تو یہ کھیتی کا ہر طرح کا کام کرتے
۔ لیکن یہ اپنی خاص توجہ زیادہ قیمتی فصلوں کے بونے کی طرف کرتے ہیں۔

بھنگی:۔ بھنگی کے بارے میں جنھیں اس ضلع میں عام طور پر خاکروب کے نام سے
سوم کیا جاتا ہے۔ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کی تعداد ۲۹ ہزار ۲ سو ۰۵ تھی

بنئے:۔ اپنی دولت اور اپنی اس زمینداری کی وجہ سے جو انھوں نے پیدا کی
ہ۔ اس ضلع کی نہایت اہم ذاتوں میں سے ہیں۔ ان کی تعداد مجموعی طور پر ۲۰ ہزار ۸ سو
۲ ہے۔ یہ سہارنپور اور رڑکی کی تحصیل میں سب سے زیادہ ہیں لیکن ان کی تقسیم
ضلع میں خاصی مساوی ہے۔ ان کی بیشتر اکثریت اگروال کی مشہور گوت سے تعلق رکھتی
ہے۔ ان کے اس نام کے بارے میں بہت قیاس آرائی کی گئی ہے۔ لیکن اس ضلع کے لوگوں کا
بیان ہے کہ یہ لوگ چودھویں صدی کے خاتمہ پر ہریانا کی سرحد کے ایک مقام اگروہہ
سے آئے تھے۔ دوسرے گوت، رستوگی، سیشری، بارہ سینی اور کندو کے ہیں جو
صرف سہارنپور اور رڑکی کی تحصیلوں تک [illegible] جینیوں کی ایک بڑی تعداد کا تعلق [illegible]
ہے۔ ان گوتوں کے علاوہ جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے اکثر جین متی لوگوں کا تعلق
۱۵۰ کا ذات سے خصوصاً اگروال گوت سے ہے۔

بڑھئی:۔ پیشہ کے اعتبار سے بڑھئی کا کام کرتے ہیں۔ ان کی تعداد ۲۴ ہزار ۲
سو [illegible]

کوری :- یہ ہندو جلاہے ہیں۔ ان کی تعداد ۱۸ ہزار ۲۲ ہے۔ اور ان کی بڑی تعداد دیوبند کی تحصیل میں پائی جاتی ہے۔

کمہار :- یہ مٹی کے برتن بناتے ہیں، اُن کی تعداد ۱۶ ہزار ۸ سو ۴۴ ہے اور ان کی نصف تعداد رڑکی تحصیل میں ہے۔

جاٹ :- اُن کی تعداد ۱۵ ہزار ۹۶ ہے اور ان کی ایک تہائی تعداد رڑکی میں ہے۔ یہ لوگ بہت اعلیٰ قسم کے کاشتکار ہیں۔ وسیع پیمانے کی کھیتی کرتے ہیں اور بڑی صبر اور جانفشانی سے کام کرتے ہیں۔ ان کی جوت میں سب سے زیادہ رقبہ پرگنہ منگلور میں پایا جاتا ہے۔

تگا :- محنت میں جاٹوں کے برابر ہیں، لیکن کھیتی کے کام میں ان جیسی مہارت نہیں رکھتے۔ یہ زیادہ تر دیوبند کی تحصیل میں ہیں۔ ان کی تعداد ۱۰ ہزار ۵۱ ہے۔

فقیر :- فقیر ...... ۱۳ ہزار ۹ سو ۲۵، جوگی :- ۹ ہزار ۳ سو ۷۷۔
گوسائیں :- ایک ہزار ۷ سو ۳۳۔ بیراگی :- ایک ہزار پانچ سو ۱۳۔ سنیاسی :- ۵ سو ۴۴۔ ان کے علاوہ اور بھی مثلاً سنیاسی، اداسی اور غیر مشخص تیاگی۔

گڈریا :- ان کی تعداد ۱۲ ہزار ۲ سو ۵ ہے۔ یہ بھیڑوں اور بکریوں کے گلے پالتے ہیں۔ اکثر یہ بھیڑوں کا اون بھی بنتے ہیں۔ دیوبند اس صنعت کا مشہور مرکز ہے۔

نائی وغیرہ :- نائیوں کی تعداد ۸ ہزار ۷ سو ۴۴، لوہاروں کی ۶ ہزار ۳ سو ۵، اہیروں کی ۶ ہزار ۸ سو ۱۱، سناروں کی ۵ ہزار ۵ سو ۴۲، بنجاروں کی ۴ ہزار ۰۴، بنجاروں نے عام طور پر مذہب اسلام قبول کر لیا ہے۔ یہ لوگ پیشے کے اعتبار سے مال ڈھونے کا کام کرتے ہیں اور خاص طور پر شمال کے جنگلی علاقوں میں آباد ہیں، جہاں ان کی ملکیت میں بہت سے مویشی اور ٹٹو ہوتے ہیں

ان کو عام طور پر سرو گی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان میں سے قریب قریب سب لوگوں کا تعلق بنیا ذات سے ہے اور چند مستثنیات کو چھوڑ کر باقی سب اگروال گوت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ضلع کے ہر حصے میں ملتے ہیں۔ لیکن سہارنپور اور نکوڑ کی تحصیلوں میں ان کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ ان کا تناسب تجارت اور ساہو کار کا کام کرنے والے لوگوں میں بہت زیادہ ہے اور غلّہ کی برآمد کی تجارت پر بھی بڑی حد تک یہی لوگ حاوی ہیں۔

(باقی)

علیگڈھ کے تالے اور دھات کی صنعت کا جائزہ

(مسلسل)

(۷) علیگڈھ میں دھات کے سامان کے فرموں کی مجموعی تعداد | علیگڈھ میں تالے اور دھات کے سامان بنانے والے کتنے فرم ہیں اس بات کا پتہ چلانے کے لئے میں نے سپرنٹنڈنٹ صاحب گورنمنٹ میٹل ورکنگ اسکول علی گڈھ سے رجوع کیا۔ ان کے پاس ایک فائل میں اس جائزہ کی نقل موجود تھی جو حکومت یوپی نے ۱۹۳۹ء میں اضلاع کی مقامی صنعتوں کے جائزہ کے سلسلہ میں علیگڈھ کی دھات کی صنعتوں کا کرایا تھا۔ اس جائزہ میں ۳۱۹ فرموں کے نام درج کئے گئے تھے اور مندرجہ ذیل باتوں کی صراحت ہر فرم کے بارے میں کی گئی تھی اس کا محل وقوع یعنی شہر کے کس محلہ میں واقع ہے۔ اس کے مزدوروں ملازموں کلرکوں اور ایجنٹوں کی تعداد اکثر صورتوں میں ان کے نام کی صراحت کے ساتھ، ان کے مالکوں کے نام اور فرم کے کام کی نوعیت۔

اس جائزہ کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ ۳۱۹ فرموں میں سے ۱۹۵ کے مالک ہندو اور ۱۲۴ کے مسلمان تھے۔ ہندو مالکوں کے یہاں ہندو ملازمین کی تعداد نسبتاً زیادہ تھی اور مسلمان مالکوں کے یہاں مسلمان ملازمین کی۔ لیکن ہندوؤں کے یہاں مسلمان بھی ملازم تھے اور مسلمانوں کے یہاں ہندو بھی۔ بعض کام مخصوص طور پر ہندو یا مسلمان کرتے ہیں اور ان کے کرانے کے لئے انھی لوگوں کو ملازم رکھنا پڑتا ہے۔ مثلاً ڈھلیا تقریباً تمام تر ہندو کولی تھے۔ مسلمان ڈھلائی والے بہت کم ہیں مشکل سے پانچ فی صدی نکلیں گے یہاں کی سرائے میں [illegible] ڈھلیوں میں سے صرف دو مسلمان ہیں۔ ڈھلیے سب گوشت [illegible] علیگڈھ [illegible] خوب چلتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں [illegible] تقریباً

تمام تر کام مسلمان کاریگروں کے ہاتھ میں ہے۔ استاد کریم بخش نے یہ کام مسلمانوں ہی کو زیادہ سکھلایا۔ اس لئے قلعی کے کاریگروں میں ہندو صرف ایک دو فیصدی ہوں گے اور قلعی کا کام کرانے والے ہندو مالک بھی مسلمانوں سے کام لینے کے لئے مجبور ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ لوہے کا گرم کام (بھٹی کا) زیادہ تر مسلمانوں ہی کے ہاتھ میں ہے۔ محنت کا کام ہے۔ بھٹی کے سامنے بیٹھنا اور لوہے کو کوٹنا پڑتا ہے۔ گرم کام کرنے والوں میں ہمارے ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ملے گی۔ سندھ، سرحد، بلوچستان ریلوے کے تمام بڑے کارخانوں میں۔ تالے کے کام میں مسلمان گھیر بنانے والے تقریباً سو فی صدی۔ اسی طرح چابی اور کھٹکے بنانے والے بھی سو فی صدی۔ سروتا قینچی چاقو بھی شہر علیگڈھ میں زیادہ تر مسلمان ہی بناتے ہیں۔ سیٹیاں بنانے کا کام بھی تقریباً سو فی صدی مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے اور اس کا موجد نتھے خاں کو سمجھنا چاہیئے۔ ٹرنک کے کاریگر بھی مسلمان ہی ہیں۔ دہلی آگرہ اور الہ آباد میں بھی یہ کام مسلمان ہی کرتے ہیں۔ لیٹر بکس بنانے والے بھی مسلمان ہیں۔ ٹین کے کام میں بھی مسلمان زیادہ ہیں۔ سب سے زیادہ ہوشیار استاد عبد الغفور ہیں۔ ٹنکی، بڑے کنستر وغیرہ بناتے ہیں۔

لیکن مہر کھدائی کے کام میں ہندو زیادہ ہیں۔ اس جائزہ میں ۱۳۱ فرموں میں صرف تین مسلمان فرموں کو دکھلایا گیا ہے۔ تالے کے کام میں بھی ہندو زیادہ ہیں۔ چنانچہ ۱۲۹ تالے کے فرموں میں سے ۱۰۵ فرمیں ہندوؤں کی دکھلائی گئی ہیں۔ ان میں بڑھئی جو اپنے آپ کو پنڈت کہتے ہیں۔ اس کام میں بڑے ماہر سمجھے جاتے ہیں۔ بلڈنگ فٹنگ کے کام میں بھی ہندو کارخانہ دار آگے بڑھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ جس کی مجموعی تعداد میں صرف پانچ فرمیں مسلمانوں کی دکھلائی گئی ہیں۔ خراد کے کام میں تقریباً برابر برابر ہیں۔

لیکن اس جائزہ کی ایک بڑی خرابی یہ تھی کہ اس میں فرموں کی کوئی تفریق نہیں کی گئی تھی۔ جانسن کا کارخانہ اور گورنمنٹ میٹل ورکنگ اسکول بھی اس میں شامل کیا گیا اور

تین کاریگروں کو اپنی چھوٹی سی دوکان پر بٹھا کر تالے تیار کرنے والے چابیاں بنانے والے مہر کھدائی کرنے والے، قلعی اور پالش کرنے والے، استاد ڈھلئے وغیرہ بھی شامل تھے۔ اس جائزہ کی رہنمائی میں میں نے مدار دروازہ، ہاترس روڈ، مین پوری، سرائے مان سنگھ سرائے پختہ کے فرموں کا مشاہدہ خود اپنی آنکھ سے جاکر کیا۔ یہ سب فرمیں زیادہ تر چھوٹی چھوٹی دوکانیں تھیں جن میں استاد کاریگر اپنے تین چار مددگاروں کے ساتھ بیٹھے کام کر رہے تھے۔ ان میں سے بعض لوگ دوکان چھوڑ کر کہیں اور چلے گئے تھے، کچھ کا کام ختم ہو گیا تھا، کچھ نے ٹھیکیداروں یا گورنمنٹ میٹل ورکنگ اسکول میں ملازم کی حیثیت سے کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس لئے ضرورت ایک دوسرے قسم کے جائزہ کی تھی جن میں کارکنوں کی مختلف حیثیتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اعداد و شمار مہیا کئے جاتے۔

جائزہ کی اسی فائل میں ایک فہرست علیگڑھ کے اہم تالے کے کارخانوں کی بھی رکھی ہوئی تھی جس میں ۹۵ فرموں کے نام درج تھے۔ ان میں سے تیرہ تو وہی تھے جن کا ذکر اسٹور پرچیز اور ڈائرکٹر آف کنٹرکٹس آرمی ہیڈ کوارٹرز کی پسندیدہ فرموں کی فہرست میں کیا جا چکا ہے اور ان کا شمار کاروبار کے پیمانہ کے لحاظ سے اول یا دوم درجہ کی فرموں میں کیا جا سکتا ہے۔ بقیہ یا تو دوسرے درجہ کی فرمیں تھیں یا ان کی حیثیت مشتبہ سی تھی۔ یا پھر وہ محض استاد کاریگر تھے جو بہت چھوٹے پیمانہ پر چند مددگاروں کے ساتھ کام کر رہے تھے۔ غرض اس فہرست سے بھی میرا کام نہیں چل سکا۔ پھر اس فہرست میں چونکہ محض فرموں کے نام درج تھے اور دوسری کوئی تفصیلات نہیں تھیں، اس لئے محض اس فہرست کے مطالعہ سے اس بات کا بھی پتہ نہ لگایا جا سکتا تھا کہ کون سی فرم مسلمانوں کی ہے اور کون سی غیر مسلموں کی۔

میں چھوٹی صنعتوں کے بارے میں اپنے سوال نامہ نمبر۱ کے مطابق معلومات اکٹھا کرنا چاہتا تھا۔ فہرست کے ساتھ ساتھ اسی کے سوال دوم کی روشنی میں مسلمانوں کی خدمت کا [illegible]

لینا چاہتا تھا۔ لیکن اس قسم کی تحقیقات کے لئے جس قدر محنت اور وقت درکار تھا اس کو صرف کرنے کا مجھے موقع نہ تھا اس لئے میں نے نامکمل تحقیقات پر ہی قناعت کی۔ ا۔
سوال نامے کے عنوان "مزدور دستکار" کے بارے میں بہت سی باتیں مومن انصار برادری کے حالات کے تحت ملیں گی کیونکہ اس حیثیت سے اس برادری کے بہت سے لوگ اس کام میں لگے ہوئے ہیں۔ مزدور دستکاروں کے کام کی نوعیت اس صنعت میں مختلف قسم کی ہے۔ مثلاً تالے کی تیاری کے سلسلہ میں کئی مختلف قسم کے کاموں کی ضرورت ہے یعنی ڈھلائی کا کام، گھیرا، کڑے اور چابی بنائی کے کام، تالے کے جوڑنے اور فٹ کرنے کا کام جس میں گھیرا یعنی پتے کی ڈبیا بنانا، کھونٹی اور کڑے کا فٹ کرنا لیور اور کنجی کو ٹھیک کرکے چلانا سب شامل ہوتے ہیں، قلعی کا کام اور ربٹ کرکے تیار کرنے کا کام وغیرہ۔ تالے کے علاوہ دھات اور دوسرے سامان تیار کرانے میں بھی تقریباً یہی صورت ہے۔ البتہ مہر کی کھدائی کے کام ایک جداگانہ نوعیت ہے۔ شروع میں ڈھلائی اور آخر میں قلعی کی اکثر کاموں میں ضرورت ہے اور ان سب کاموں میں کم و بیش استاد کاریگر کے ساتھ کچھ شاگرد یا غیرماہر مزدور لگے ہیں۔ مثلاً ڈھلائی کے کام کو لیجئے۔ اس میں ایک دھونکنے والا مزدور رہا ہے جسے میری تحقیقا کے زمانہ میں ۱۲ ارتا ۱۴؎ مزدوری مل رہی تھی اور ایک مٹی پیسنے والا لڑکا جسے ۵ سے ۱۰ تک مل رہی تھی۔

اس زمانہ میں ڈھلیوں کی مانگ اور تمام کاریگروں کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی۔ ۔ ۔ وقت سے لے کر ۱۹۴۵ء ابھوا تک کما رہے تھے۔ ایک ایک ٹھیکیدار (اور ان میں مسلمان ۔ ۔ دونوں شامل تھے) سات سو روپے سے لے کر ڈیڑھ ہزار روپے تک ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کو اپنا پابند بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ان لوگوں کا کام بہت سخت ہوتا ہے۔ یہ کام کو تمام تر ہندو کوڑی کرتے ہیں۔ مسلمان بمشکل دو تین فی صدی کرتے ہیں۔ یہ سب لوگ ۔ خوب خرچ کرتے ہیں۔ بھنسے کا سری کھاتے، شراب پیتے، ۔ ۔ ۔ ۔

میں کچھ ایسے مجہول بھی ہیں لیکن ان کی تعداد بہت کم ہے شاید دس فی صدی جو روپیہ
جمع کر رہے ہیں۔ اور مکان وغیرہ کی مرمت کر رہے ہیں ورنہ زیادہ تر ٹھیکیداروں سے
پیشگی لیتے اور اسے بے دردی کے ساتھ اڑاتے ہیں۔ ان کی خام آمدنی اور لاگت کے
مندرجہ ذیل نقشے سے ان کی خالص آمدنی کا اندازہ کیا جا سکے گا۔

آمدنی:-

ٹھیکیداروں کے لئے ۴/۱ ۴ اور ۲ تاروں کے لئے شرح = ۸ روپے فی من

ٹھیکیدار ان میں سے ذیلی ٹھیکیداروں یا ڈھلیوں کو شرح ۶ روپے فی من کی دیتا ہے۔
لمبائی تاروں کے ٹھیکہ میں ۴/۱ ۱ کے تانے کم ڈھالے جائیں گے اور ۲ کے زیادہ۔ فرض کیجئے ۱۵ سیر
بڑے اور ۵ سیر چھوٹے تالے یعنی روزانہ بیس سیر تالے ایک ڈھلیا تیار کر لیتا ہے تو اس صورت میں ۸ روپے فی
من کی شرح سے ۴ روپے بڑے ٹھیکیدار کو اور ۳ روپے ڈھلیے کو مل سکیں گے۔

لاگت:-

۱۔ کوئلہ روزانہ ۱۲ سیر در ۱۲ فی من	۶/
۲۔ بہروزہ ڈیڑھ پاؤ روزانہ در ۸/ فی سیر	۵/
۳۔ لالٹین کا تیل ۲ چھٹانک	۵/
۴۔ ریتی بیل کی بعض کے استعمال کی	۲/
۵۔ ولایتی کھریا کی مٹی ۲ گریاں	۲/
۶۔ سانچے وغیرہ کی چٹا، گھلانے کا برتن وغیرہ	
۷۔ مزدور دھرنے کے لئے ایک لڑکا	۱۴/
۸۔ [illegible] کے لئے لڑکا	۵/

[illegible] [illegible] یا [illegible]

[illegible]

ڈھلیوں کے ریٹ اس زمانہ میں بہت بڑھے ہوئے تھے۔ جس چیز کو پہلے دم
درجن ڈھالتے تھے اب ۲ آنے ۲ روپے فی درجن ڈھال رہے تھے ۔ ۱ اور ۲ ½ ۱ تالوں کی ڈھلائی
درجن تھی ۳ کی ۴ درجن ۱۳ کی ۶ درجن۔

تالا جوڑنے والے کی مزدوری۔ معمولی کام کرنے والے ۴ روپے بڑھیا کام کرنے والے
۵ روپے ۶ جنگ کا کام کرنے والے ۳ روپے للعہ۔ تنخواہ دار ۵ روپے ماہوار کما رہے تھے۔ تالا جوڑنے
والوں میں ساٹھ فی صدی مسلمان کام کرنے والے ہیں۔ پیتل کا کام خصوصیت کے ساتھ
مسلمان کرتے ہیں۔ اس میں یہ نوے فی صدی ہیں۔ ہندوؤں میں بڑھئی قوم کے لوگ
ہیں۔ لوہے کا کام ہندو زیادہ کرتے ہیں مسلمان شاید صرف ۱۵ فی صدی ہیں۔ مسلمان کاریگر سینما دیکھتے
دیکھتے ہیں۔ ۱۵ فی صدی جوا بھی کھیلتے ہیں اور شراب بھی دس فی صدی پیتے ہوں گے۔

بڑھئی ہندو ہیں جو اپنے آپ کو پنڈت کہتے ہیں اور وہ لوہے کے کام کرتے ہیں۔
کی حالت بہت اچھی ہے۔ بمشکل دس فی صدی سینما جاتے ہوں گے۔ جوا وغیرہ بہت کم کھیلتے
ہیں۔ بری عادتیں بہت کم ہیں۔ ان کے مکان پختہ اور دو منزلہ ہوتے جا رہے ہیں۔ ان کے
میں لڑکوں اور لڑکیوں دونوں میں تعلیم کی اشاعت زیادہ ہے۔ ان کا لباس بہتر ہو گیا۔
ان کے اندر عزت نفس بڑھ گئی ہے۔ آریہ سماج نے بھی ان کی زندگی میں اصلاح کرنے کا کام
لیا ہے۔ حکومت کی طرف سے چھوٹے کاریگروں کی جو حوصلہ افزائی مختلف طریقوں سے کی
سے وہ اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ان کے آدمی گورنمنٹ میٹل ورکنگ اسکول میں
اپنی برادری کے لوگوں کو فائدہ پہنچانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے۔ ان میں سے یہ
لوگ گردونواح کے دیہات میں بھی آباد ہیں اور اپنے گھر خود کام کرتے رہتے ہیں۔ ان
علاوہ ہندوؤں میں گاؤں سے جو لوگ تالا بنا کر لاتے ہیں ان میں کھتری، جھنک اور دوسری
ذاتوں کے ہندو بھی شامل ہیں۔ دیہات کے کام کرنے والوں سے تمغے خریدنے کے لئے
میٹل ورکنگ اسکول کی طرف سے تحصیلوں میں سب سنٹر کھول کر بہت سے جیسا

ں تعداد کے اس لائن میں پڑھنے کا امکان پایا جاتا تھا۔

چابیاں بنانے والوں میں سب مسلمان ہیں۔ ہندو ایک بھی نہیں ہے۔ مزدوروں کی وسط آمدنی روزانہ .. ۲/ اور بڑھیا کام کرنے والوں کی عمر تک روزانہ ہو جاتی تھی۔ ان میں سے فی صدی پچاس کے قریب جوا کھیلتے ہیں۔ زیادہ عمر کے علاوہ باقی سب سینما دیکھتے ہیں۔ شراب ی ۲۵ فی صدی پیتے ہیں۔ اس کام میں مومن انصار زیادہ ہیں۔ پٹھان کم ہیں اور بھشتی بھی ہیں۔

تالا جوڑنے والوں میں مسلمانوں میں سب قوم کے لوگ ہیں۔ انصار زیادہ ہیں۔ انصاری رو طرح کے ہوتے ہیں، ایک جلاہے دوسرے بھٹیارے۔ پچاس فی صدی انصار ہیں۔ باقی شیخ پٹھان بھشتی ہیں۔

جنگ کے کام (کمبوئے وغیرہ) بنانے والوں میں بھی مسلمان زیادہ ہیں۔ چار سے لے کر ... تک مزدوری مل جاتی ہے۔ ان کی عادتیں بھی دوسرے مسلمان کام کرنے والوں جیسی ہیں۔ جنگ کے کام میں عورتیں بھی بہت لگی ہوئی ہیں۔ یہ گھر کے اندر بیٹھ کر کام کرتی ہیں۔ لیکن مسلمان دستکاروں کی آمد و خرچ اور گھر کی زندگی میں کوئی توازن نہیں ہے۔ ان کی عورتیں سلیقہ مند نہیں ہیں۔ ان میں تعلیم نہیں ہے۔ ان کی اولاد کی تربیت خراب ہے اور ان کے اندر ترقی کی کوئی علامات نظر نہیں آتیں۔

کارخانہ دار مزدور کاریگروں سے تین طرح پر کام لیتے ہیں:-

(۱) کم سے کم ایک مہینہ کی پیشگی دے کر اپنے کارخانہ میں بٹھا کر ان سے کام لیتے ہیں۔

(۲) روپیہ پیشگی دیتے ہیں (ایڈوانس کے طور پر) آرڈر دیتے ہیں اور بعد میں مال لیتے ہیں۔ کچا مال مالک اپنے پاس سے نہیں دیتے۔ کاریگر اپنے طور پر اپنے گھر پر کام کرتا ہے۔

(۳) دیہات میں کام کرنے والوں کو سب کچا مال اپنے پاس سے دیتے ہیں۔ روپیہ بھی پیشگی اجرت کے طور پر ملک ان سے زیادہ دیتے ہیں اور پھر ان سے مال منگاتے ہیں۔

دلونٹ والی میں اجرت بحساب وقت پر کام لینے کا کوئی طریقہ نہیں ہے۔ صرف تالے کے ساتھ کرنے والے ... پھٹنے والے اور گھر سے بھرنے والے لوگ تنخواہ دار ملازم رکھے جاتے ہیں

گورنمنٹ میٹل ورکنگ اسکول میں ان قسم کے کام کرنے والوں کی تنخواہ کی شرح حسب ذیل تھی :-

قلی ماہوار اجرت - [illegible] ماہوار اور [illegible] گرانی الاؤنس

جانچ کرنے والا (ایگزامنر) - [illegible] ماہوار اور [illegible] گرانی الاؤنس

ٹیکنیکل اسسٹنٹ - [illegible] ماہوار

محاسب ماہوار اجرت - [illegible] تا [illegible] ماہوار

سپروائزر آف اسٹورز اینڈ اکاؤنٹس - [illegible]

گورنمنٹ میٹل ورکنگ اسکول ہی میں اس کے سپرنٹنڈنٹ کی زیر نگرانی ایک دستکاروں کی بھرتی کا دفتر قائم تھا جس میں بھرتی کے لئے حسب ذیل ماہوار تنخواہوں کی شرح کا اعلان کیا جا رہا تھا۔

فٹر [illegible] لوہار [illegible] خرادی [illegible] کلرک [illegible] راج [illegible] مزدور [illegible] کا کام کرنے والا [illegible] ٹانکا لگانے والا [illegible] درزی [illegible] ڈرائیور [illegible] اسکول اسٹ [illegible] بوٹ بنانے والے [illegible] الکٹریشین [illegible] اسٹیم اور آئل انجن ڈرائیور [illegible]

"مزدور دستکار" کے بعد سوال نامہ [illegible] کے سوال (۴) میں دوسرا عنوان "دستکار [illegible]" (الف) آزاد (ب) پابند یا باقی دار کا ہے۔ اس طبقہ کے لوگوں کا رجحان یا تو ٹھیکیدار بننے یا دستکار بننے کی طرف رہتا ہے۔ مؤخر الذکر صورت میں ان کے بارے میں وہی باتیں کہی جا سکتی ہیں جو مزدور کاریگر کے بارے میں اوپر کہی گئی ہیں اور اول الذکر صورت میں [illegible] غیر کاریگروں کے عنوان کے تحت لایا جا سکتا ہے۔ میری تحقیقات کے زمانے میں [illegible] جیسا کہ [illegible] کے عنوان کے تحت بہت سے لوگ رکھے جا سکتے تھے [illegible] ٹھیکیداروں کے نیچے بہت سے ٹھیکیدار پیدا ہو گئے تھے [illegible] [illegible] براہ راست گرانی میں کاریگروں سے [illegible]

مقررہ وقت کے اندر مقررہ کوالٹی کا مال مہیا کر سکے وہ سپلائی کرنے کا معاہدہ کرلیتے اور ان سے اس بات کی ضمانت لیتے تھے جنگ سے پہلے بھی علیگڑھ کے تالوں کی مانگ نے غیر [illegible] کارخانہ داروں کے ایک طبقہ کو پیدا کر دیا تھا ان میں سخت باہمی مقابلہ جاری رہتا تھا اور بہت کم لوگ کامیاب ہو پاتے تھے۔ ان میں سے اکثر اس چکی کے اندر جس کے اوپر کا پاٹ بڑے ٹھیکیدار اور نیچے کا پاٹ خود سامان کا مال فراہم کرنے والا کارخانہ دار ہوتا تھا پس جاتے تھے جنگ سے پہلے اس گروہ میں زیادہ تر چھوٹی حیثیت کے بنیوں اور اس طبقہ کو جس نے ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا پسند کیا ہے شامل کئے جا سکتے تھے۔ اسی گروہ میں بعض وہ چلتے پرزے بھی شامل تھے جو جلد دولتمند بن جانے کے لالچ میں بے ایمانی کے ساتھ کام کرتے تھے اور علیگڑھ کی صنعت کے لئے بدنامی کا باعث تھے لیکن جنگ کے زمانہ میں ان ایجنٹوں اور بنیوں کے علاوہ کچھ دوسرے اور ایسے لوگوں نے بھی اس سلسلہ میں قسمت آزمائی شروع کر رکھی تھی جن کو اس صنعت کا بالکل کوئی تجربہ نہیں تھا اور غالباً ایسے لوگوں کو بہت کم کامیابی نصیب ہو رہی تھی۔ اس طبقہ کے تقریباً تمام لوگ روپیہ لگاتے ہیں یعنی کاریگروں کو پیشگی رقم دے کر اور سامان کو ان کے گھر پر بٹھا کر ان سے کام لیتے ہیں ان کا اپنا ذاتی کوئی کارخانہ نہیں ہوتا اور عموماً ان کے فرم کی کوئی مستقل حیثیت بھی نہیں ہوتی۔ ان کے فرم کے وجود کا ثبوت ان کے خط لکھنے کے چھپے ہوئے کاغذ ہوتے ہیں جن پر نہایت شاندار طریقہ سے ان کے فرم کا نام اور پتہ درج ہوتا ہے۔

اس کے بعد باقاعدہ کارخانہ داروں کا عنوان آتا ہے۔ جس کی دو مزید قسمیں ہیں یعنی ایک ایسے کارخانہ دار جو اس فن سے واقف ہیں اور جن کا یہ صنعت آبائی پیشہ ہے ان کے لئے استاد کارخانہ دار کی اصطلاح استعمال کی جا سکتی ہے اور دوسرے وہ جو محض ساہوکار [illegible] کی حیثیت سے کام کرتے ہیں اور ان کے لئے "ساہوکار کارخانہ دار" کی اصطلاح استعمال کی جا سکتی ہے ان لوگوں کی چونکہ مستقل حیثیت ہوتی ہے اس لئے ان کے بارے میں [illegible] چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔ پہلے استاد کارخانہ داروں کو لیجئے۔

[illegible]

اور مشین کا کام۔ نہایت کامیاب فرم ہے۔ جنگ کے زمانہ میں سرکاری ٹھیکوں کے سلسلہ میں اس فرم کی عزت وشہرت اور بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ سرکاری کام کے سلسلہ میں استادکاریگروں کے ذمہ ہیں۔ دور دور تک اس کا کوئی حریف اور مدمقابل نہیں تھا۔

۲۔ ایس۔ ایف۔ ڈی۔ برادرز۔ شمس الدین ولد رحیم الدین محلہ قریش اپر کوٹ ساٹھ ستر آدمی کام کرتے ہیں مشین کا کام بھی ہے۔

۳۔ بشیر اور مصطفےٰ۔ کٹرہ پنج اور پریس سے کام کرتے ہیں۔ تجوریوں کے قبضے، لٹو وغیرہ ڈھلائی کرتے ہیں۔ بیس پچیس آدمی کام کرنے والے

۴۔ امام الدین ٹنٹن پاڑہ۔

۵۔ بابو لال کشن لال قطب کی سرائے۔ بیس آدمی کام کرتے ہیں۔ زیادہ تر دیہات میں کام بانٹ دیتے ہیں۔

۶۔ ہردیو پیٹنٹ لاک فیکٹری۔ سورا ماپوری۔ ۵۰ آدمی ہر وقت کام کرتے ہیں لیکن مشین سے کام زیادہ ہوتا ہے۔

۷۔ سکھدیو B.T PAUAL نورنگ آباد۔ تیس چالیس آدمی پہلے سو آدمی تھے۔ ان کی ڈھلائی وغیرہ کے کام کی فیکٹری کانپور میں بھی ہو گئی ہے جس کی وجہ سے یہاں کا کام کچھ کم ہو گیا ہے۔

۸۔ کے۔ سی۔ مروبی۔ نورنگ آباد۔ مالک ملوک چند شرما۔ ستر اسی آدمی۔

۹۔ کے۔ آر۔ شنی۔ چمی لال کی سرائے۔ مالک بابو رام چند۔ ان کے گھر پر تو بیس پچیس آدمی کام کرتے ہیں لیکن ویسے کام بہت بڑا ہے۔ بانٹ دیتے ہیں۔

۱۰۔ درگا پرشاد سفید محل بابری منڈی مالک درگا پرشاد۔ بالمتا چند کے لڑکے ہیں جو امام الدین کے یہاں مستری تھے۔ اب پچاس سے سو آدمی تک کام کرتے ہیں۔

اب ساہوکار کارخانہ داروں کو لیجئے:-

۱۱۔ موہن لال صاحب [illegible] کے بیٹے [illegible] کا کارخانہ [illegible]

کے پاس۔ بہت بڑا کام ہے۔ فوج کے سپلائر ہیں۔ علیگڑھ میں یہ اور عبد العلیم اینڈ سنز ہی دو فوج کے بڑے سپلائر تھے۔

۲۔ امپیریل میٹل ورکس حکیم کی سرائے۔ مالک نوبت رام۔ شروع میں ایجنٹ تھے۔

۳۔ ٹیکا رام اینڈ سنز (دیش) مدار دروازہ۔ ڈوبے کا پڑاؤ۔ ساہوکاری کی حیثیت سے ترقی کی۔ اب کئی فیکٹریوں کے مالک ہیں۔

۴۔ جوتی لال کھرنی کی سرائے۔ ان کی فیکٹری کھرنی کی سرائے سے پانچ چھ فرلانگ پر پلا گاؤں میں ہے۔ بٹن، بکس، بروچ وغیرہ بناتے جاتے ہیں۔ یہ جانسن کے یہاں پہلے کنٹریکٹر تھے۔ اب وہاں سے ہٹنے کے بعد بڑے پیمانہ پر کام شروع کیا ہے۔ قریب دو سو تین سو آدمی کام کرتے ہیں۔

۵۔ یو۔ پی۔ بگ ہٹنگ کمپنی۔ بابو کیشب دیو اور پریم دت مصرا۔ کام ایجنسی سے شروع کیا تھا۔ پچاس آدمی کام کرتے ہیں۔

۶۔ ڈائمنڈ جبلی ورکس۔ درگا پرشاد بھارگوا۔ سو آدمی کام کرتے ہیں۔

۷۔ پنڈت ہیرا لال جیا۔ نورنگ آباد۔ گورنمنٹ پرشل ورکشاپ میں کنٹریکٹر تھے۔ ایک ایک لاکھ روپیہ کی سپلائی کیا کرتے تھے۔ ان کے یہاں پانچ پانچ سو آدمیوں نے کام کیا ہے۔ اب گورنمنٹ کی لڑائی کی وجہ سے گھر کا کام کم کر دیا ہے۔

۸۔ گورنمنٹ میٹل ورکنگ اسکول۔ یہ بھی نہایت بڑے پیمانہ پر تالے کی سپلائی کے کام کر رہا ہے۔ وقت چلتا ہے۔ اس کے کام نے جتنی ترقی کی ہے ایسی علیگڑھ کے کسی کمپنی والے نے آج تک نہیں کی۔ اس کا انتظام الٰہی پرشاد صاحب تیواری سپرنٹنڈنٹ میٹل ورکنگ اسکول کے ہاتھ میں ہے۔ اس اسکیم کی تفصیلات چشتی پر خرم اشک جی نے کی ہے جو پہلے جانسن کے ملازم والے تھے۔ اب ترقی دے کر ان کو ٹیکنیکل اسسٹنٹ کر دیا گیا ہے۔ کام [illegible]

شروع کیا [illegible]

سوال نامہ کے سوال (۴۲) میں اس کے بعد کا عنوان "تھوک فروش تاجر اور ساہوکار" کا ہے۔ علیگڑھ میں ایسے تھوک فروش ساہوکار نہیں تھے جو بڑے پیمانہ پر باہر فروخت کرنے کے لئے مال کو تیار کراتے یا خریدتے ہوں اور اس کی فروخت کا کوئی باقاعدہ انتظام کرتے ہوں یہاں اس قسم کا بڑے پیمانہ کا کام صرف بڑے ٹھیکیدار کرتے ہیں جو زیادہ تر گورنمنٹ اور ریاستوں سے آرڈر حاصل کرتے اور ان کی تعمیل کرتے رہتے ہیں۔ بقیہ لوگ کم و بیش چھوٹے پیمانہ پر اپنا مال کو باہر بھیجنے اور اس کی نکاسی کا انتظام کرتے ہیں۔ البتہ یہاں کچھ ایسے تھوک فروش ساہو ضرور ہیں جو کچے مال کے بڑے سپلائر ہیں اور یہاں کے اکثر کاریگر اور کارخانہ دار اپنا سامان بنانے کے لئے ان سے کچا مال (لوہا، پیتل وغیرہ) نقد اور ادھار خریدتے رہتے ہیں۔ ادھار عموماً ایسا ہوتا ہے جیسا بنک کے ذریعہ آج کل لیا جاتا ہے۔ ان کے نام ذیل میں درج ہیں:-

۱۔ کیول رام۔ پڑاؤ ڈوبے لوہے پیتل کے بڑے تاجر
۲۔ گنگا پرشاد۔ گنگا گنج پڑاؤ ڈوبے لوہے پیتل کے بڑے تاجر
۳۔ چرنجی لال۔ مانک چوک لوہے پیتل کے بڑے تاجر
۴۔ منشی لال دولت رام۔ کنوری گنج چھیپٹی لوہے پیتل کے بڑے تاجر
۵۔ گورنمنٹ میٹل ورکنگ اسکول۔

گورنمنٹ میٹل ورکنگ اسکول کو ایک معنی میں بڑی حد تک صحیح نمائندہ اس عنوان کا کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ کچا مال کاریگروں اور کارخانہ داروں کو مہیا کرتا اور مصنوعہ مال ان سے باہر فروخت کرنے کے لئے اسٹور کھولتا ہے۔ لیکن دوسرے معنی میں اس کی حیثیت ایک خرید کرنے والے سرکاری ایجنٹ کی سی ہے بہرحال گورنمنٹ میٹل ورکنگ اسکول کے پاس مال کا ایک بڑا ذخیرہ موجود تھا جسے وہ کنٹرول کی قیمت پہ اپنے کاریگروں کو دیا کرتا تھا [illegible] حسب ذیل چیزیں شامل تھیں۔

۱۔ پیتل کے ٹوٹے پھوٹے برتن جو بڑی [illegible]

۱/۸ و ۱/۴ و ۱/۲ اور چادریں (یعنی بڑی کترنیں) ۱۲ تا ۱۸ گز سے ۳ - گیلونائزڈ آئرن وائر نمبر ۸ و ۹ شیٹ پتیل کا مارٹ ۱۳ عدد ۱۸ سنگ بھرت سے ۴ - ایم - ایس راونڈس ۵/۸ و ۳/۴ و ۱/۲ ۱۲ تا گز سے ۔
۵ - جستہ (ٹین کے) ریوازی سے ۶ - نوشادر بمبئی سے ۷ - کوئلہ بہار یا رانی گنج سے -

یہ تمام مال سرکاری قیمتوں پر فروخت کیا جاتا تھا - اور سب چیزوں کے لئے سرکاری قیمتیں پہلے سے مقرر کردی گئی تھیں اس پر مال خرید لیا جاتا تھا -

اوپر کے بیان میں ٹھیکیداروں کا ذکر کیا گیا ہے - ان کو یہاں خاص اہمیت حاصل ہے جب سے گورنمنٹ کا اسٹورز پرچیز ڈپارٹمنٹ قائم ہوا ہے - سرکاری ضرورت کا بیشتر سامان انہی ٹھیکیداروں کی معرفت خرید اجانے لگا ہے -

ٹھیکیدار دو طرح کے ہوتے ہیں - بڑے اور چھوٹے - بڑے ٹھیکیدار کو اگر ۲۰ فی صدی کی بچت ہوتی ہے تو چھوٹے ٹھیکیدار کو اس میں سے ۱۲ فی صدی تک مل جاتا ہے - اور جب چھوٹے ٹھیکیدار یا کارخانہ دار براہ راست آرڈر لے آتے ہیں تو پھر سب منافع ان ہی کو مل جاتا ہے -

آدھے ٹھیکیدار مسلمان ہیں آدھے ہندو ہیں - ہندوؤں میں ویش اور پنڈت وغیرہ برادری کے ٹھیکیدار ہیں - مسلمانوں میں زیادہ تر لوہار، پٹھان اور شیخ برادری کے لوگ ہیں - مومن انصاریوں میں مشکل سے ایک دو ہوں گا - یہ سب حنفی ٹھیکیدار ہیں - بساطیوں میں بھی ایک دو ہیں مثلاً فضل حق قصائی قریشیوں میں بھی دو ایک ہیں -

ہندوؤں میں تو جنگ کے زمانہ میں بعض ٹھیکیداروں نے کئی کئی لاکھ پیدا کرلئے ہیں - مسلمانوں میں بھی ٹھیک ٹھاک بنے گئے ہیں - عام طور پر مسلمان ٹھیکیداروں میں کوئی بری عادتیں نہیں ہیں کچھ لوگ جو بعد جنگ زیادہ کمانے لگے ہیں - ان کی طرز معاشرت ضرور اسراف کی طرف مائل ہوگئی ہے اور ان میں لغو عادتیں بھی کافی سے زیادہ پیدا ہوگئی ہیں طوائفوں میں بھی جانے لگے ہیں چنانچہ ان میں سے ایک کا نام تو اب [illegible] مشہور ہوگیا ہے - جنھوں نے کھلا ہوا زنان خانہ بنا رکھا اور ایک طوائف کے گھر میں [illegible] عام طور سے طرز معاشرت ہندوؤں کی جانب سے [illegible]

اور صوم و صلوٰۃ کے پابند ہیں۔

(۱۷) علیگڑھ کے ممتاز مسلمان تاجر کے بارے ۔۔۔ علیگڑھ کے تالے کی صنعت کا جائزہ ختم کرنے سے پہلے مناسب ہے کہ ایک فہرست علیگڑھ کے ممتاز مسلمان تالے والوں کی پیش کر دی جائے ان کی حیثیت کے بارے میں جو کچھ درج کیا گیا ہے اس کے بارے میں وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ان معلومات کے لئے میں تمام تر عبد العلیم صاحب مالک عبد العلیم اینڈ سنز کا ممنون احسان ہوں۔

۱۔ انتظام الدین اینڈ سنز ۔ مالک جک حیثیت بیس ہزار روپے۔

۲۔ حافظ محمد اسمٰعیل اینڈ سنز ۔ محمد یا باغ حیثیت ایک لاکھ روپے۔

۳۔ عبد العلیم اینڈ سنز متصل مسلم یونیورسٹی ہسپتال حیثیت سات آٹھ لاکھ۔ یہ حیثیت عبد العلیم صاحب نے خود نہیں بتلائی بلکہ باہر کے لوگوں کی بتلائی ہوئی ہے۔

۴۔ حاجی عبد الرحیم بخش ٹیلا والے سرائے بی بی۔ حیثیت بیس پچیس ہزار۔

۵۔ شیخ الہ دین اینڈ سنز ماسعود اللہ حیثیت دس بارہ ہزار روپے کاکاروبار تقریباً چالیس سال

۶۔ محمد صدیق اینڈ سنز حیثیت دس پانچ ہزار

۷۔ رحیم الدین متصل ترش کنورے گنج حیثیت ۔۔۔ لاکھ کی ۔۔۔ [illegible]

کلکتہ ۔۔۔ میں ۔۔۔ قائم کرلی ہے ۔۔۔ [illegible]

۸۔ حافظ رفیع الدین اینڈ سنز ۔۔۔ حیثیت ۔۔۔ [illegible]

۹۔ [illegible]

۱۰۔ [illegible]

[illegible]

۱۱۔ [illegible]

[illegible]

۱۲- [illegible] متصل مسجد چھاری محلہ بنی اسرائیل۔ حیثیت [illegible] ہزار۔

۱۳- حاجی حمید بخش حاجی ننھے میاں محلہ بنی اسرائیل۔ حیثیت تیس پچیس ہزار۔ پرانا کام ہے۔ انھوں نے [illegible] جانماز اور دری بطور ہدیہ مکہ بھیجی تھیں۔

۱۴- شاہ ننگ لاک ورکس مالک عبد الشکور محلہ شتش پارہ حیثیت چالیس ہزار روپے۔

۱۵- امام الدین ضیاء الدین محلہ شتش پارہ حیثیت بیس پچیس ہزار

۱۶- ننھے خاں اینڈ سنز سیٹی بنانے والے شتش پارہ حیثیت دس پندرہ ہزار

۱۷- محمد اسمٰعیل سیٹی بنانے والے شتش پارہ حیثیت ہزار دو ہزار لیکن بڑے تیز آدمی ہیں۔ دو دو سو ماہوار تک کما لیتے ہیں۔

۱۸- محمد اسحٰق سیٹی بنانے والے گھنٹیا دربار اسٹریٹ ڈیڑھ دو ہزار

۱۹- عبد الرحمٰن نصیر الدین خاں میٹل کا کام محلہ آتش بازاں حیثیت تین چار ہزار

۲۰- عبد الغنی عبد العزیز میٹل کا کام محلہ آتش بازاں حیثیت تین چار ہزار

۲۱- وحیدیہ لاک فیکٹری تانبے کا کام اور نیا کام میٹل کا بھی کرتے ہیں۔ محلہ چرانجی حیثیت پچیس دس ہزار۔ بڑے تیز آدمی ہیں۔ ذاتی کوشش سے ترقی کی ہے۔

۲۲- احمد علی صمد علی تانبے کا کام اور نیا کام میٹل کا بھی کرتے ہیں۔ بابری منڈی میں پچیس ہزار ذاتی کوشش سے ترقی کی ہے۔

۲۳- نبی بخش کرم الٰہی- ان کا کاروبار ختم ہو گیا ہے۔ لیکن پہلے یہ [illegible] کا سب سے [illegible] کے مقابلہ کا [illegible] کام کرتے تھے۔ [illegible] ان کا [illegible] کا [illegible] کے ہونے کے بعد [illegible] کی فرم میں شریک [illegible] سب [illegible] کے جانشین [illegible]

۲۴۔ تالے کے ایک اور بڑے موجد جن کا کاروبار ختم ہوگیا ہے۔ منشی عبدالحمید تھے۔ ان کے لڑکے عبدالوحید صاحب ہیں۔ ان کے پاس تالے کا کاروبار اب نہیں ہے یہ عبدالعلیم اینڈ سنز میں کام کرتے ہیں۔

۲۵۔ نور محمد بالائے قلعہ۔ ان کے فرم کا کمرشل الیکٹرک ورکس ہے۔ بہت بڑا کاروبار الیکٹروپلیٹنگ کا ہے۔ بجلی کا بہت سی قسموں کا سامان بنتا ہے جسے یہ باہر فروخت کرتے ہیں۔ علیگڑھ میں بجلی کا سامان فراہم کرنے والوں میں یہ سب سے بڑی فرم ہے۔ آج کل میٹل کا کام بھی کرتے ہیں اور ٹین وین کا کام بھی کرتے ہیں۔ انھوں نے مسلم یونیورسٹی سٹی اسکول کے پاس ایک بڑا مکان بنوایا ہے حیثیت پچاس ہزار ہے۔

۲۶۔ علی محمد جے گنج۔ الیکٹروپلیٹنگ کا کام ہے۔ حیثیت پانچ سات ہزار۔

۲۷۔ جان محمد نتھے خاں دہلی دروازہ الیکٹروپلیٹنگ کا کام حیثیت پچیس تیس ہزار

۲۸۔ مصطفٰے اینڈ سنز دہلی دروازہ تالے کا کام کرنے والے حیثیت چالیس پچاس ہزار۔

۲۹۔ ایس فضل الدین اینڈ سنز عبدیا باغ۔ گورنمنٹ کنٹریکٹر تالے آئرن اسکیل کے۔ بندوق کی مرمت کا کام بھی ہوتا ہے۔ پانی کے پائپ کا کام، بلڈنگ فٹنگ کا سامان، چپراسیں بنتی ہیں الیکٹروپلیٹنگ کا کام بھی ہے۔ آگ بجھانے کے پمپ بھی بن رہے ہیں۔ ان کا لڑکا پوسٹل سیل کے کام میں ٹھیکیدار ہے جس کا نام محمد رشید ہے۔ ان کی حیثیت پندرہ بیس ہزار ہے۔ بیچ میں ان کو نقصان ہوگیا تھا۔ بہت تیز آدمی ہیں۔

۳۰۔ محمد بخش سلیم الدین عبدیا باغ تالے کا کام ستر اسی ہزار کی حیثیت ہے۔ اچھی فرم ہے جو بڑا سا کہ ہے۔ باہر بھی اور یہاں بھی اس کا ریگروں پر بڑا اثر ہے۔

۳۱۔ حافظ نظام الدین عبدیا باغ پوسٹل سیل میں گورنمنٹ کنٹریکٹر ہیں حیثیت دس بیس ہزار پہلے بڑی حیثیت تھی اب سرمایہ بگڑ گیا ہے۔

۳۲۔ محمد صدیق دہلی دروازہ پوسٹل سیل میں گورنمنٹ کنٹریکٹر حیثیت دو تین ہزار۔ والد خاں صاحب کا خطاب ملا تھا۔ لیکن اولاد کی حالت اتنی اچھی نہیں ہے۔

۳۳۔ عبدالحق محمد صدیق دہلی دروازہ پھول بیل میں گورنمنٹ کنٹریکٹر ان دونوں بھائیوں کی حیثیت دو تین ہزار
(نوٹ) کسی زمانہ میں دہلی دروازہ میں آٹھ دس چوٹی کے کارخانے تھے سب ختم ہو گئے۔

۳۴۔ کلب مینوفیکچرنگ کمپنی۔ بالائے قلعہ میٹل کے گورنمنٹ کنٹریکٹر ہیں حیثیت تیس چالیس ہزار الیکٹرو پلیٹنگ کا کام بھی ہے سب سے پہلے علیگڑھ میں بیرل (Barrel) کے ذریعہ الیکٹرو پلیٹنگ انھوں نے ہی شروع کیا۔

۳۵۔ حاجی منیرالدین حاجی نذیرالدین محلہ دوبے کا پڑاؤ لوہے کا کام کرنے والے حیثیت ستر اسی ہزار ان کی علیگڑھ میں اور باہر بڑی ساکھ ہے۔ یہ لوہے کی مختلف چیزیں بنا کر بھی بیچتے ہیں۔ مثلاً تالوں کے گھیر تالے کے کڑے، گھوڑے کے نعل وغیرہ ان کے یہاں تالے بھی بنتے ہیں تالے کے میٹریل کو بہت بڑے پیمانہ پر سپلائی کرتے ہیں سب سے خوبی اور عزت کی بات یہ ہے کہ تمام صرافہ کی چاندی ان کے یہاں آکر کٹتی ہے اس سے ان کی ساکھ کا پتہ چلتا ہے۔ صوم وصلوٰۃ کے پابند ہیں۔ ذاتی پیسے سے دوکان کے اوپر مسجد بنائی ہے چاندی کی کٹائی کے تمام پیسے مسجد میں لگاتے ہیں۔ اپنے ہاتھ سے محنت کرتے ہیں اور اس کمائی کو مسجد کی تعمیر میں لگاتے ہیں۔

۳۶۔ عبدالحکیم اینڈ سنز محلہ چوپٹی متصل تحریش۔ الیکٹرو پلیٹنگ کا کام حیثیت دو تین ہزار۔ نور محمد ادریس ایک ہی خاندان سے ہیں اور ان کے والد تمام شہر میں الیکٹرو پلیٹنگ کے کام میں استاد مانے جاتے ہیں۔ تیزاب کی رنگائی اور سونے چاندی کے ملمع کا کام خاندانی ہے انہی کے یہاں سے یہ کام پھیلا ہے زیورات اور سامان پر انہی کے یہاں سے سونے چاندی کا ملمع شروع ہوا ہے۔ یہ لوگ ابتداءً دہلی دروازہ کے رہنے والے تھے۔ ۳۷۔ محمد اسمٰعیل سرائے سلطانی تالے کا کارخانہ حیثیت تین چار ہزار۔ ۳۸۔ ولی محمد سرائے سلطانی۔ چابی کا کام بہت بڑا تھا اب کچھ میٹل کا کام شروع کر دیا ہے۔ حیثیت آٹھ دس ہزار۔ ۳۹۔ زاہد حسین شنشن پارہ۔ براس ٹب بناتے ہیں ان کی مدراس میں تالے کی دوکان تھی جنگ کے ہنگامے کی وجہ سے بند کر کے چلے آئے مدراس میں ان کا بہت روپیہ رہ گیا۔ حیثیت چار پانچ ہزار۔ ان کے مستری اعلیٰ اچھے سیدھے میں تھے۔

۴۰۔ عبدالرحمٰن عبدالسلام بالائے قلعہ تالے کا کام بمبئی میں تالے کی دوکان ہے ان کے لڑکے نے کئی دفعہ کا بیوپار گھاٹا سنبھالا ہے۔ اب حالت اچھی ہو گئی ہے۔ بیس پچیس ہزار کی حیثیت کے آدمی ہیں۔

(۴۱) رشید احمد انصاری محلہ چراغ چیاں۔ تالے کا کام آٹھ دس ہزار کی حیثیت ہے۔

۴۲۔ عبدالغفور انصاری محلہ چراغ چیاں میں ہزار کی حیثیت ہوگی۔

(نوٹ) انصاریوں میں اور بہت سے لوگوں کے اچھے اچھے کام تھے لیکن ...

۴۳۔ الیمن نظام الدین اینڈ سنز ماموں بھانجہ تالے کا کام حیثیت چالیس پچاس ہزار

۴۴۔ عبدالمجید عبدالحفیظ کالا محل تالے کا کام حیثیت بارہ ہزار

۴۵۔ نظیر احمد نبھے خاں سرائے بی بی۔ تالے کا کام اور ہینڈل کا کام بھی حیثیت آٹھ دس ہزار

ان کے علاوہ اور بہت سے تالے کے کام کرنے والے لوگ ہیں۔ لیکن ان کی حیثیت کم ہے کارخانہ داروں کی جگہ ان کا شمار کاریگروں میں کرنا زیادہ موزوں ہے۔

(نوٹ) اوپر جو حیثیت درج کی گئی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے پاس ذاتی سرمایہ ہے جائداد کی صورت میں، ساز و سامان کی صورت میں یا نقد لیکن اس ذاتی سرمایہ کے ذریعہ اس سے بہت زیادہ روپے کا بھی کر سکتے ہیں اور بہت کم کا بھی۔ کچھ ایسے لوگ ہیں جن کا ذاتی ... ہزار دو ہزار ہے لیکن بازار میں ان کی ساکھ اچھی ہے۔ روپیہ کا ہیر پھیر کرنا خوب جانتے ہیں اور ... کی آمدنی یعنی سو دو سو فی صدی منافع ہو جاتا ہے۔ لیکن ایسے لوگوں کے کام زیادہ پائداری اور ثبات نہیں ہوتا۔ اس کے مقابلہ میں جن لوگوں کی حیثیت زیادہ ہے ان کا زیادہ مستقل اور پائدار ہو سکتی ہے اگرچہ ان کے منافع کی شرح اتنی زیادہ نہیں ہوگی۔

(۷) گورنمنٹ میٹل ورکنگ اسکول علیگڑھ جیسا اوپر بیان کیا جا چکا ہے ۱۹۲۶ء میں علیگڑھ گورنمنٹ میٹل ورکنگ اسکول قائم کیا گیا تھا اس میں بجلی کی قوت محرکہ سے مشینیں چلائی جاتی ہیں۔ طلبہ کو حسب ذیل کام سکھلائے جاتے ہیں تالا بنانا اور مہر کھودنا ... میٹل ... اب اس میں مشین کے ذریعہ خراد کا کام بھی کیا جانے لگا ہے ... کا کام ... ... سازی ... اور فرنیچر کی فٹنگ، ڈھلائی کرم ... کا کام جنرل ... ... میں اس بات کی کوئی باقاعدہ تحقیقات نہیں ہوسکی ... ... سرکاری ... ...

[ملک کے پورے وسائل کی طاقت اور سب کچھ مال کا اجارہ اُسے ملا ہوا تھا] لیکن انجمن صناعوں
کے مقابلے میں بالا حیثیل ورکنگ۔ مسلمان کی طرف سے تالہ بنانے کے کام کے شروع کئے جانے کو علیگڑھ
کے بنیے مستقل بہت شبہ اور شک کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے [مسلمان صناعوں کو خصوصیت کے ساتھ
شکایت تھی کہ گورنمنٹ سپرنٹنڈنٹ صاحب کی طرف سے بالکل نئے لوگوں اور طبقوں کی ہمت افزائی اور
مربیانہ سرپرستی کی جا رہی تھی جس سے تالے اور دھات کی صنعت کا پہلا توازن بگڑ گیا تھا۔ جنگ کے
بعد سے نئے لوگوں کی دھات اور تالے کی صنعت میں کس طرح کھپت ہو سکے گی اور اس کی وجہ سے
ان پرانے صناعوں کو اپنا آبائی پیشہ چھوڑ کر پریشان اور سرگرداں پھرنا پڑے گا۔ یہ سوالات سخت خطرناک
امکانات کا پتہ دے رہے تھے۔

دی مغل لائن لمیٹڈ

جنگ کے زمانے میں

عدن، جدہ، پورٹ سوڈان
مصر اور مارشیس

جانے والے ہمارے مسافر اور مال کے جہازوں کی آمد و رفت
ناگزیر حالات کی وجہ سے بے قاعدہ رہی۔

قیام امن کے بعد

ہمیں امید ہے کہ حالات عنقریب پہلے کی طرح ہو جائیں گے تو
ان بندرگاہوں کو سفر کرنے والوں اور مال بھیجنے والوں
کے لئے انشاء اللہ بہت جلد ہمارے جہازات پھر اسی مستعدی
اور باقاعدگی سے آنے جانے لگیں گے۔

دریافت طلب امور کے لئے

ٹرنر مارسین اینڈ کمپنی لمیٹڈ

۱۶۔ بنک اسٹریٹ

بمبئی

رن فیڈرل یونین انشورنس کمپنی لمیٹڈ

ہندوستان میں قائم شدہ

صدر دفتر کلایو اسٹریٹ ، کلکتہ

سرپرست

ب ہز ہائنس نواب صاحب بھوپال — عالی جناب ہز ہائنس آغا خاں صاحب

ایہ	۔۔۔ لاکھ روپے	
ہ سرمایہ	۲۵ ، ،	۲۵۰۰۰۰۰
سرمایہ	۱۲ ، ۵۰ ہزار روپے	۱۲۵۰۰۰۰

پنے بیمہ کے کاموں میں ہم سے مشورہ کیجئے، ایسٹرن فیڈرل، آگ، زندگی، ریل و
بٹر، ہوائی جہاز کے خطرات، مزدوروں کا مالی معاوضہ، ضمانات اور عام حادثات کے ہر قسم کے
بیمہ کا کام کرتی ہے -

ہندوستان کے مشہور شہروں میں ایجنسیاں ہیں

اور

نمائندے دنیا کے ہر ملک میں ہیں

مندرجہ ذیل شہروں میں ہماری کمپنی کی شاخیں قائم ہیں

لاہور، بمبئی، حیدرآباد دکن، احمد آباد، کانپور، پشاور

دہلی

عہد نبوی میں نظامِ حکمرانی

از

ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب

استاد قانون

جامعہ عثمانیہ، حیدر آباد دکن

قیمت مجلد۔ تین روپے آٹھ آنے

بادشاہ

یعنی

مکیاولی کی مشہور کتاب

پرنس کا اردو ترجمہ

از

ڈاکٹر محمود حسین خاں صاحب

قیمت مجلد عـہ

مکتبہ جامعہ [illegible]

جامعہ

زیر ادارت۔ پروفیسر محمد عاقل ایم۔ اے

جلد ۴۱ - نمبر ۴ بابتہ ماہ جنوری ۱۹۴۶ء سالانہ چندہ ۔۔۔ فی پرچہ ۔۔۔

فہرست مضامین

[illegible]

اسلام کا جماعتی نظام

جامعہ اسکاؤٹس کے درس کے سلسلے میں پروفیسر محمد مجیب صاحب نے "اسلام کا جماعتی نظام" کے عنوان سے ایک نہایت بیش بہا مقالہ سنایا تھا، یہ مقالہ جامعہ اسکاؤٹس کے لئے بنیادی نصب العین کا کام انجام دے گا۔ ہم اس قیمتی مقالہ کو بجنسہٖ ذیل میں درج کرتے ہیں۔ "مدیر"

جامعہ ملیہ نے اسکاؤٹنگ کی ایک تحریک شروع کی ہے اور اس کے مقاصد اور طریقۂ کار کی مناسب اشاعت کی جارہی ہے، ایسی تحریکیں افراد کے ولولوں کا نتیجہ ہوں تب بھی کامیاب ہوسکتی ہیں اگر ان کی پشت پر تہذیبیں اور تاریخی روایات ہوں تو انہیں بہت جلد عمومیت حاصل ہوجاتی ہے اس لئے نہیں کہ روایات کی سند لوگوں کو مجبور کر دیتی ہے، بلکہ اس سبب سے کہ یہ روایات طبیعت اور میلانات کا آئینہ ہوتی ہیں اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ جس چیز کو کسی تہذیب کے حاملوں نے ایک مرتبہ پسند کیا ہے وہ اگر کسی نئی اور زمانے کے لحاظ سے مفید شکل میں پیش کی جائے تو وہ اسے خوشی سے قبول کر[illegible]

جامعہ نے جو نئی تحریک شروع کی ہے وہ ایک جماعتی منصوبہ ہے جس کا یہ مطلب ہے کہ وہ پوری جماعت کے لئے ہے ایک یا چند سیاسی یا مذہبی فرقوں کے لئے نہیں ہے اس کے مقاصد کسی اتفاقی یا عارضی یا وقتی ضرورت سے اثر لے کر نہیں بلکہ تہذیب اور اخلاق کے ایک اعلیٰ تاریخی معیار کو سامنے رکھ کر مقرر کئے ہیں، میں اس وقت بحث کرنا یا وعظ کہنا نہیں چاہتا، کوئی نئے خیالات بھی نہیں پیش کروں گا صرف آپ کو چند باتیں یاد دلاؤں گا جو آپ میں سے بیشتر کو معلوم ہیں، آپ کو یقین دلانے کی کوشش کروں گا کہ مسلمانوں کی جماعت شروع سے خود مختار تھی جن منصوبوں کو ہم اسلامی تہذیب کا جوہر کہہ سکتے ہیں انہیں جا[illegible] نے بادشاہوں اور ان کی طاقت کے سہارے [illegible]

نظام کیا پچھلے زمانوں کے مسلمانوں نے جو کچھ کیا ہے اس سے ہم بہت بہتر واقفیت
تقلید کے دور میں اجتہاد کا دروازہ بالکل بند نہ کر دیا جاتا۔ آج کل بھی ہم اپنی روایات کو
آسانی سے اپنا رہنما بنا لیتے اگر ہمیں بحث اور خاص طور پر اصولی بحث کا بے جا شوق نہ ہوتا۔
ہم اور ہر کام کے لئے ہوتے ہیں، دین اور اخلاق کے بھی اصول ہوتے ہیں جن کی وضاحت
مفید زندگی کے لئے لازمی ہے۔ لیکن ان کی وضاحت کرتے وقت ہم منطق سے اس درجہ
لیتے ہیں کہ حقیقت کو بالکل نظر انداز کر دیں اور یہ بھول جائیں کہ بعض باتیں جنہیں دل میں رکھنے کو
ہیں، زبان پر لانے سے بے تاثیر ہو جاتی ہیں اور اصول کا بے تاثیر ہو جانا جماعت کے لئے زہر
کے لئے زندگی، علم کے لئے عمل ویسا ہی ہے جیسے کھیتی کے لئے زمین اور آب و ہوا، علم کی کوئی
رنا صحیح نہیں ہے۔ مگر کاشت تو انھیں چیزوں کی ہو سکتی ہے جن کے لئے زمین اور آب و ہوا
ہو، جن کی بازار میں مانگ ہو، جو کسی ضرورت کو پورا کرتی ہوں، اس وقت ہمارے لئے صحیح
ہے جو ہماری جماعت میں قوت اور یکجہتی پیدا کرتے اور ہمیں سیاسی کشمکش کے نقصان سے
کے اس لئے ہمیں ان باتوں کا علم ہونا چاہئے جو ہماری جماعتی نظام کی بنیاد تھیں جنھوں نے
م کو مستحکم کیا اور جو ہمیں یقین دلاتی ہیں کہ ہماری جماعت کی ساری قوت پھر بحال ہو سکتی ہے۔ ہم
وگ جو چاہتے ہیں کہ اس وقت مسلمانوں کو بتائیں کہ ان کی حکومت کیسی ہونی چاہئے اس وجہ
شکل میں پڑ جاتے ہیں کہ دینی احکامات اور تاریخی واقعات میں بڑا اختلاف ہے۔ یہ مشکل آج کل
بہت زمانے سے محسوس ہو رہی ہے۔ بعض بزرگوں نے یہ دیکھ کر کہ سیاسی حاکم کسی طرح
رقانون کی پابندی نہیں کرتے ان سے الگ رہنے کی تعلیم دی۔ ایسی تعلیم دی جا سکتی تھی
ہوں اور ان کے امراء کے مال کو حرام، ان کے طریقہ کو گنہگاری کا نمونہ قرار دیا جا سکتا تھا،
سکتے لوگ محسوس کرتے تھے کہ سیاسی نظام جماعت کی تنظیم کا صرف ایک پہلو ہے۔ حکومت
والے جماعت کے بے حساب کاموں میں سے صرف چند کے ذمہ دار ہیں۔ اور وہ اگر اپنا راستہ
آگے تو ہمیں نظر انداز کر دینا چاہئے۔ آج کل ہمیں خیال ہوتا ہے کہ یہ خلفا حضرات مسلمانوں کو

[illegible] حکومت گوارا نہیں کرنی چاہیے تھی بلکہ جمہوریت کے ان اصولوں کو برتنا چاہیے تھا جن کو
پیغمبر اسلام اور خلفائے راشدین نے قائم کی تھی۔ مگر ہم بیشتر سیاسی تاریخ پڑھتے ہیں۔ اس کو پورے
کا خلاصہ سمجھتے ہیں، اور وہ مقاصد جنہوں نے ہمارے بزرگوں کو مصروف رکھا ہماری نظروں سے
نہ چھپتے ہیں۔ ہمارے بزرگ دراصل تصورات، قوانین اور اخلاق میں اسلام کی ترجمانی کرنا چاہتے
ان کے لئے کافی تھا اگر جماعت ان کے خیالات کو پسند اور قبول کرتی یا کم ازکم ان پر غور کرتی۔
نے یہ مان لیا کہ حکومت شریعت کی تابع ہے تو ان لوگوں کے لئے جو علم اور عمل کا نمونہ بننا چاہتے
میں کوئی کشش نہیں رہ گئی۔ وہ حکومت کے لئے جبر کو لازمی سمجھتے تھے، اور اس سے ان کی طبیعت [illegible]
انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ حاکم اپنے حال پر چھوڑ دیئے گئے تو اس سے کیا کیا نقصان پہنچیں گے
کا ظلم سہنا بہتر جانا اس سے کہ خود جبر کریں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سیاسی اور معاشی تنظیم کا اختیار ایسے
کے ہاتھوں میں رہا جو اسلام اور جماعت کا حق ادا نہیں کرنا چاہتے تھے، زکوٰۃ حکومت کی آمدنی
بن گئی اور اس کا بہت ہی حقیر حصہ ایسے کاموں میں صرف ہوتا تھا جن کے لئے زکوٰۃ مخصوص۔
نسل اور خاندان کے وہ امتیازات جنہیں اسلام مٹانا چاہتا تھا سیاسی مصلحتوں کی خاطر قائم رکھے
بنو امیہ کی حکومت عربوں کی غیر عربوں پر حکومت تھی، اور بنو عباس جس انقلاب کی بدولت
اقتدار ہوئے وہ اپنے معاشرتی اور اخلاقی مقاصد میں کامیاب نہیں ہوا۔ مسلمانوں کے [illegible]
اور خلافت کی ساری کمزوریاں اسلام کی تعلیم کو سیاسی غرض اور مصلحت پر قربان کرنے کا [illegible]
اب تحقیق کرنے سے رفتہ رفتہ معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں کے کئی فرقے جو اپنے عقائد کی [illegible]
مردود قرار دئے گئے اسلام کی کسی نہ کسی بڑی قدر کے حامل تھے۔ قرامطہ نے جو سب [illegible]
بدنام ہیں، اپنے فرقے کی جو معاشی تنظیم کی وہ عدل اور افراد کے باہمی ربط کا ایک [illegible]
[illegible] اور صنعت پیشہ لوگوں کو وہ حق اور امتیاز اور مرتبہ دیا گیا جو ان کا حق ہے
کا مطالبہ شریعت کے عالم تو صرف اس حقیقت کو واضح کر سکے کہ جماعت کا [illegible]
مطالبہ ہے اس لئے صنعت اور تجارت کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ لوگوں کی [illegible]

ہونا چاہئے کہ ہر شخص کسی کی ضرورت اور کسی کی محنت سے فائدہ اٹھا کر اپنے لئے دولت جمع کرے تمام امکانات کو دیکھئے تو یہ کارگذاری بہت تھوڑی معلوم ہوتی ہے۔ اس پر غور کیجئے کہ دنیا میں آزاد معاشے کے مسئلے کیا اہم ہو جاتے ہیں تو اس کا یقین ہو جائے گا کہ ہماری شریعت کی تعلیم نے معاشی زندگی کا سب سے اعلیٰ معیار قائم کیا ہے۔ ہمارے زمانے میں سیاست کو بڑی اہمیت حاصل ہو گئی ہے اور اب ایسے جماعتی نظام کا تصور کرنا مشکل ہو گیا ہے جو سیاست سے بالکل بے تعلق ہو۔ مگر ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ حکومت ان جماعتوں کو ہی فائدہ پہنچا سکتی ہے جو منظم ہوں، اور وہی جماعتیں اس کی زیادتیوں سے محفوظ بھی رہ سکتی ہیں جن میں تنظیم اور یک جہتی ہو۔ ہمیں سیاست میں پورا حصہ لینا چاہئے لیکن اس سیاست کی پشت پر ایسا نظام اور ایسے مقاصد ہونا چاہئیں جو ہر سیاسی خیال کے لوگوں کو اپنے خیال کے مطابق جماعت کی خدمت کا موقع دیں۔ اتحاد ہم سب چاہتے ہیں، جماعت کی خدمت بھی کرنا چاہتے ہیں مگر اس کا یقین بہت کم لوگوں کو ہے کہ خارجی امداد اور ایک نامعلوم انقلاب کے بغیر ہماری جماعت اپنے پاؤں پر کھڑی ہو سکے گی۔ ہمیں خلفا اور بادشاہوں کے نام اور ان کے کارنامے یاد ہیں۔ یہ یاد نہیں کہ ان کی قوت جماعت کے زور بازو کی علامت تھی، ان کے کارنامے جماعت کے حوصلے کی مثالیں ہیں۔ [illegible] اپنی سیاسی تاریخ پر غور کرتے وقت ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ حق دار کو اس کا حق دیں۔ تہذیب کی تاریخ کا مطالعہ کر کے یہ غلط فہمی دور ہو جائے جو صرف سیاسی تاریخ پڑھنے سے پیدا ہوتی ہے اور یہ معلوم ہو کہ ہماری جماعت حاکموں کی مدد کے بغیر اور کبھی ان کی مرضی کے خلاف کیا کچھ کر چکی ہے۔

پہلا کام جو مسلمانوں نے کیا ان قوانین کی وضاحت تھی جن کے ماتحت ان کی اجتماعی معاشی زندگی بسر ہوتی تھی۔ دراصل یہ کام پیغمبر اسلام صلعم کے ساتھ شروع ہوا اور اب تک جاری ہے مگر ایک خاص زمانہ تھا جب اس کی طرف بہت توجہ کی گئی۔ حقائق کی تحقیق اور شریعت کی تدوین میں سیاسی حاکموں سے کوئی مدد نہیں لی گئی اور ان کی مخالفت سے [illegible]
[illegible]
[illegible]

کرنے سے اور بغیر کسی درمیانی وسیلے کے شرع اسلامی جیسی جامع و مکمل چیز مرتب ہو گئی۔ خلفاء کو بھی اپنے پر عمل کرانے کا کوئی اختیار نہیں تھا۔ وہ صرف تعلیم دیتے، کتابیں لکھتے، سوالوں کے جواب دیتے تھے۔ جماعت ان کی رائے کو اہمیت دیتی تھی، ان کی رائے ایک حکم کی حیثیت رکھتی تھی اور اس کا ماننا لازمی سمجھا جاتا تھا۔ اگر اس کے خلاف کوئی اور زیادہ درست اور قابل قبول رائے حاصل ہو جاتی، علماء کی ضدیں اور مخالفتیں مشہور ہیں، تقلید کے دور میں یہ شدید اور بڑی حد تک بے معنی ہو گئیں۔ لیکن آپ یہ دیکھئے کہ عیسائیوں نے ایسی ہی مخالفتوں کی وجہ سے ایک روس پر کتنا ظلم کیا تو آپ اپنی جماعت کی رواداری اور سلامت روی پر فخر کریں گے۔ ہماری جماعت نے ہر شخص کی رائے کو اہمیت دی اس لئے کہ جماعت کے قانون کا دارومدار اتفاق رائے پر تھا۔ اصولاً نہیں تو عملاً آخری فیصلہ جماعت کرتی تھی اور اجماع کا سند کے طور پر مسلّم ہونا اسی کی دلیل ہے۔ اجماع کے مطلب پر بزرگوں میں بہت بحث ہو چکی ہے۔ میرے لئے اس میں شریک ہونا مناسب نہیں، مگر اس پر علماء کی اکثریت متفق ہو گی کہ اجماع کے تصور میں جماعت اور عام رائے کو ایک ہی مرتبہ دیا گیا ہے جو کسی حکومت سے پہلے کسی جماعت کو حاصل نہیں تھا۔

مسلمانوں کی جماعت کے بہت سے حقوق چھن گئے مگر شریعت کو نافذ کرنے کی کوشش برابر کرتی رہی۔ بادشاہ اور دوسرے حاکم شریعت کے عالم نہیں ہوتے تھے اور اپنی مصلحتوں کو شریعت کا پابند نہیں کرنا چاہتے تھے۔ شریعت کی محافظ اور اس پر عمل کرنے اور کرانے کی ذمہ دار خود جماعت تھی۔ اور جماعت اس فرض کو انجام دیتی رہی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ خود غرض یا فتنہ و فساد کو پسند کرنے والے لوگ مجمعوں کو مشتعل کر کے انہیں اپنا آلۂ کار بنا سکتے تھے اور ایسی مثالوں کی کمی نہیں ہے کہ جب جماعت نے اپنے اختیار سے نامناسب طریقے پر کام لیا لیکن جماعت عقل کے ساتھ عمل کو بھی دیکھتی رہی۔ نتائج کو جانچتی رہی۔ اس نے افراد کو اتنی آزادی نہیں دی کہ جماعت کے نظم کو کسی شخص کی بنا پر برباد کر دیں۔ لیکن انہیں اتنا اختیار دیا کہ اپنے [illegible] اور [illegible] ثابت کریں۔ شریعت [illegible]

اچھی بات کا حکم دے، بڑی بات کو منع کرے، اور ہم اتنے عرصے تک اس طریقے کو برتتے رہے ہیں کہ وہ ہماری طبیعت میں داخل ہو گیا ہے اور اس سے ناگوار صورتیں پیدا ہو سکتی ہیں، اور ہوتی رہتی ہیں، مگر جن افراد کا یہ عقیدہ ہے کہ جماعت کا ایک مقرر اور معلوم نظام زندگی ہونا چاہئے وہ بے ٹھکے سوالات کو اس بے پروائی پر ترجیح دیں گے جو انتشار اور بے حسی کی علامت ہے۔ اعتراض کرنے والوں کی نظر عموماً چھوٹی اور ظاہری باتوں پر پڑتی ہے، اور زندگی کی ادنیٰ تفصیلات پر جو نکتہ چینی کی جائے اس سے زیادہ وحشت ہوتی ہے۔ ہماری جماعت نے تفصیلات پر کچھ زیادہ توجہ کی تو اہم اور غیر اہم کے فرق کو بھی یاد رکھا، اگر اپنے کسی خادم کو غیر کا مقلد اور جماعت کا دشمن سمجھا تو بعد میں اس کی تلافی بھی کر دی۔ ایسی انفرادیت جو خدمت سے انکار کرے جماعت کے لئے ایک بڑا خطرہ ہوتی ہے اور جماعت کے پاس معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا کہ وہ انفرادیت جو زندگی کی تفصیلات میں نظر آتی ہے کسی بڑی اور مؤثر شخصیت کی نشانی ہے یا محض آزادی کی نمائش کبھی اصلاح کا پیش خیمہ ہے یا بگڑی طبیعت کی ایک ادا، یہ کوئی تعجب کی بات نہ ہوگی اگر ایک جماعت جس میں ہر درجے کے عالم اور جاہل شامل ہوں کسی جدت کے بارے میں غلط رائے قائم کرے، نقصان تو اس وقت ہوتا ہے جب وہ غلطی پر قائم رہے۔ پچھلے ستر اسی برس میں ہماری جماعتی زندگی میں ایک بہت بڑا انقلاب ہوا ہے اور اس کا سبب چند شخصیتیں ہیں جنہیں ہماری جماعت نے پہلے مخالفت کر کے آزمایا اور پھر تائید کر کے انھیں کامیاب کیا۔ اسی طرح ہماری جماعت نقصان سے بچی رہی اس لئے کہ ہمارے معترض صرف اصولی بحث کرنے والے لوگ نہیں تھے بلکہ اکبر الہ آبادی مرحوم جیسے شاعر بھی جن کا ہنسنا اور رونا، غم اور غصہ سب ایک دل کی کیفیتیں تھیں جو ہمدردی و محبت سے لبریز تھا۔

شریعت جیسے متناسب قانونی مجموعے کا مجموعہ ہے جو اجتماعی زندگی کے ہر پہلو پر حاوی ہیں، ہماری جماعت اپنی شریعت کے مطابق [illegible] کرتی رہی گی اپنے لئے ایک نیا ضابطہ نہیں بنا سکتے [illegible] لوگوں کا اعتراض کرنا [illegible]

ایسے لوگوں کی دو بڑی قسمیں تھیں۔ ایک تو وہ تھے جو سماجی زندگی میں بہترین اخلاقی نمونہ پیش کرنا چاہتے تھے اور اس مقصد سے ہم خیال لوگوں کی جماعتیں بنا لیتے تھے۔ یہ طریقہ فتوت کہلاتا تھا اور اس کے متبع والے اہل فتوت۔ دوسری قسم صوفیوں کی تھی۔ تصوف کی خصوصیات بیان کرنے کی یہاں ضرورت نہیں مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ دنیا اور اہل دنیا سے کنارہ کشی صوفیوں کا کوئی عام اور مسلّم اصول نہیں تھا۔ شیخ سری سقطی جو نویں صدی عیسوی کے ایک بزرگ تھے ایک پیرزادے کے بارے میں فرماتے ہیں۔ دنیا سے بھاگ کر پہاڑوں میں رہنے لگے تھے کہ:

وہ تو پہاڑ میں ساکن ہو گئے ہیں اور یہ کوئی جوان مردی نہیں ہے، مرد ایسا ہونا چاہئے کہ بازار میں رہ کر حق تعالیٰ کے ساتھ ایسا مشغول ہو کہ اس سے غائب نہ ہو۔ صوفی کی اصل شان یہ تھی کہ دنیا میں رہے اور ان معاملات کے علاوہ جو اس کے اور حق تعالیٰ کے درمیان تھے اپنے قول و عمل پاک زندگی کی جیتی جاگتی مثال بنائے۔ ظاہر میں فتوت اور تصوف کے درمیان کوئی نمایاں فرق نہیں تھا۔ فتوت میں تہذیب کا، تصوف میں دین کا عنصر غالب تھا۔ جماعتی زندگی کو ہیئت اور تقویت دونوں کی بدولت حاصل ہوئی۔

فتوت اور تصوف کے سلسلے میں بہت سی اصطلاحیں آتی ہیں جن کے معنی رفتہ رفتہ اس قدر گھس گئے ہیں کہ اب وہ بے معنی ہو گئی ہیں۔ ان میں سے بعض کا جو فتوت اور تصوف دونوں میں بنیادی حیثیت رکھتی تھیں کسی قدر سمجھنا ضروری ہے۔ ان میں سے ایک نفس ہے۔ دینیات، فلسفہ اور تصوف میں اصطلاح مختلف اور متضاد معنوں میں استعمال ہوئی ہے۔ اور میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کا کون سا صحیح اور کون سا غلط ہے۔ عام طور پر اس سے مراد وہ خواہشیں ہوتی ہیں جن کا پورا کرنا دین یا اخلاق کی رو سے غلط ہے لیکن یہ خواہشیں انسان اپنی جہالت یا حماقت سے پیدا نہیں کرتا۔ یہ اُسے قدرت کی طرف سے ملی ہیں اور ان میں سے بعض مادی زندگی کی اساس ہیں یا [illegible] خاطر نفس کہا جاتا ہو تو فطرت کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔ دین اور فطرت کا [illegible] [illegible] نفس کو [illegible]

کرتا ہے اور اسے جماعت میں محو ہونے کے بجائے جماعت سے الگ ہونے پر آمادہ کرتا ہے اسے یہ سکھاتا ہے کہ جماعت کے وجود سے اس کا الگ اپنا ایک وجود ہے، جماعت کے فائدے سے الگ اس کا اپنا ایک فائدہ ہے اگر یہ میلان قوی ہو تو انسان اپنی خواہشوں کو پورا کرنے کی فکر میں پڑ جاتا ہے، شریعت میں حیلے کرتا ہے، خدا سے سودا کرتا ہے، اور دنیا میں چور کی طرح رہتا ہے لیکن اگر کوئی تعلیم یا کسی شخصیت کا اثر انسان کو یقین دلا دے کہ اپنی ذات کو ایک سوراخ بنا کر اس میں چوہے کی طرح چھپ کر بیٹھنے سے وہ لطف اور وہ آسودگی نصیب ہی نہیں ہو سکتی جو آزاد زندگی کا حصہ ہے، تو پھر وہی خواہشیں جو آدمی کو چور اور مکار بناتی ہیں اس کی پیشانی کو روشن، اس کی نظر کو دلیر، اس کے دل کو شوق، اور وجد کی کیفیتوں کا خزانہ بنا دیتی ہیں۔

تصوف کی اصطلاح میں ایسا شخص توبہ کر لیتا ہے یعنی اس کا عہد کرتا ہے کہ اعلیٰ کو ادنیٰ پر، بزرگ کو حقیر پر قربان نہ کروں گا۔ آپ خود ہی سمجھ سکتے ہیں کہ اس توبہ کا گناہ یا گناہ کی نیت سے کوئی خاص تعلق نہیں، یہ صحیح اور اچھی زندگی بسر کرنے کا ارادہ ہے جو اس سے بچنے اور بچنے سے پورا نہیں ہوتا، بلکہ دل اور دماغ کو ایسے کاموں میں مصروف رکھنے سے جو اپنے لئے خواہش کرنے کی عادت ہی چھڑا دیتے ہیں، بیشک اچھی زندگی بسر کرنے کا ارادہ مضبوط ہونا چاہئے اور اس میں پختگی، خلوص اور صدق کی بدولت پیدا ہوتی ہے لیکن توبہ کی طرح خلوص اور صدق سے بھی مراد نفس اور خواہشوں کو مارنے کے طریقے نہیں ہیں، یہ ایسی قوتوں کو بیدار کرنے کے ذریعے ہیں جو آدمی کو سچا اور پورا آدمی بناتی ہیں، آدمی اپنی قوت کو صرف میں لانے سے طاقتور ہوتا ہے۔ اخلاق کو مستحکم کرنے کے لئے سخاوت ضروری ہے، سخاوت کے معنی صرف یہ نہیں کہ بھوکے کو کھلایئے، فقیر کو خیرات دیجئے اور چندہ مانگنے والوں کو چندہ دیجئے۔ ہم اگر خود غرضی کی ایسی کیفیت کو معیار مانیں جس میں آدمی اپنی ذات اور اپنی ملکیت پر کسی دوسرے کا کوئی حق تسلیم نہیں کرتا تو اتنا دے دینا بھی سخاوت ہے۔ دراصل سخاوت اس جذبے کی پرورش کا نام ہے جو انسان کو مانگنے والے کے بجائے دینے والا بنا دیتا ہے۔ انسان دیتا رہے تو اس میں [illegible] کیفیت جسے توکل کہتے ہیں، یہ سخاوت [illegible]

بلند درجہ رکھتی ہے کہ اس میں آدمی ان چیزوں کو کافی نہیں سمجھتا جو اسے میسر ہوں بلکہ اپنے آپ کو ہر چیز سے محروم کر کے اس کا [illegible] کرتا ہے کہ اسے ہر چیز مل گئی۔ اس نظام کے برحق ہونے کا اقرار کرتا ہے جس میں سب سے زیادہ دولت مند وہ ہے جو سب سے زیادہ دے سکے اور سب سے زیادہ محتاج وہ ہے جو اپنے ہی لئے مانگے اور اپنے ہی پاس رکھنا چاہے۔ میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ میرا مقصد نصیحت اور تلقین کرنا نہیں ہے اور اب مجھے ڈر ہے کہ آپ کہیں گے کہ میں وعدہ خلافی کر رہا ہوں، اس میں صرف میرا قصور نہیں ہے۔ اسلام منتشر اور ایک دوسرے سے بے تعلق افراد کا مذہب نہیں ہے، لیکن دینیات اور اخلاق کی بیشتر اصطلاحوں کا جو مفہوم عام طور پر سمجھا جاتا ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہر مسلمان کا خدا سے براہ راست معاملہ ہے، جماعت کا کوئی حق اور حصہ، کوئی منصب اور مرتبہ نہیں، اس طرح عمل کا میدان بہت تنگ ہو جاتا ہے اتنا ہی تنگ جتنا کہ خود غرض آدمی کا دل۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم اپنے دین کو مانتے ہیں مگر اس کے اصولوں کو برتنے سے معذور ہیں، میں نے شریعت اور اس سے متعلق چند امور کی مثال دے کر یہ دکھانے کی کوشش کی کہ مسلمانوں کی جماعت نے کس طرح اپنے نظام زندگی کو مرتب کیا اور پھر میں یہ بیان کرنا چاہتا تھا کہ ان لوگوں نے جو شریعت پر عمل کرنا کافی نہیں سمجھتے تھے کیا طریقہ اختیار کیا۔ اس سلسلے میں فتوت اور تصوف کا ذکر آیا اور ان اصطلاحوں کی تھوڑی سی وضاحت کرنا ضروری ہوا، جس کے معنی پہلے بہت وسیع تھے اور اب بہت محدود ہو گئے ہیں، جب تک ہم اس فرق کو ذہن نشین نہ کر لیں تو ہمارا دین اصطلاحوں میں بند رہے گا، ہماری جماعت کو افراد سے اور افراد کو جماعت سے کچھ فیض نہ پہنچ سکے گا اور فتوت اور تصوف جیسے مسلک ہمارے لئے معمہ بنے رہیں گے۔

فتوت کے بارے میں ابھی تک اتنی تحقیق نہیں کی جا سکی ہے کہ ہم اس کا صحیح اندازہ کر سکیں کہ اس کا [illegible] چرچا تھا۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں ایسی جماعتوں کا ذکر کیا ہے جن کے اراکین صنعت پیشہ لوگ تھے ایک خانقاہ میں ساتھ رہتے تھے اور اپنی کمائی پر گذر کرتے تھے جماعت کے اراکین فتیان کہلاتے تھے ان کا سردار اخی۔ ان کا ایک مخصوص لباس تھا ایک خاص عہد جو

ہر حال میں پابندی کی جاتی تھی، ان کی تواضع اور سخاوت مشہور تھی، لوگ یہ بھی جانتے تھے کہ ظالم حاکموں
ور ان کے کارندوں کی مخالفت کرنے میں ان سے زیادہ مستعد اور جانباز کوئی نہیں۔ ابن بطوطہ
زمانہ چودھویں صدی عیسوی ہے اس سے قریب سوا سو برس پہلے خلیفہ الناصر لدین اللہ نے
یسے لوگوں کی ایک جماعت بنائی جنہوں نے فتوت کا عہد لیا تھا، ان لوگوں کا جماعت میں داخلہ ایک
خاص رسم ادا کرکے ہوتا تھا اور داخلے کے بعد وہ اپنے آپ کو ممتاز کرنے کے لئے کوئی مخصوص
لباس پہنتے تھے۔ یہ سیاسی اور سرکاری فتوت ایک زیادہ بڑی اور مفید تحریک کا عکس تھی جسے حکومت
سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ فتوت کے کوئی ایک معنی نہیں ہیں، جیسے شرافت کسی ایک بات میں نہیں
ہوتی اور اس کا فیصلہ لوگ اپنی طبیعت کے مطابق کرتے ہوں گے کہ وہ اپنی فتوت کو کس طرح نمایاں
کریں گے۔ علامہ قشیری نے اپنے رسالے میں بہت سی رائیں اور مثالیں دے کر فتوت کے مفہوم کو
واضح کیا ہے۔ فتوت کے لفظی معنی جواں مردی کے ہیں لیکن اس کا تعلق شجاعت سے زیادہ سخاوت
اور ایثار سے ہے۔ اصلی فتوت یہ ہے کہ انسان دوسرے کے کام میں مدد دے، آنحضرت صلعم سے
مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی حاجت پوری کرتا ہے جب تک وہ بندہ اپنے مسلمان
بھائی کی حاجت میں مددگار ہے۔ فتوت نام ہے لوگوں کی غلطیوں کو نظر انداز کرنے کا۔ یہ بھی کہا گیا
ہے کہ فتوت کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو دوسرے سے برتر نہ سمجھے۔ ابوبکر وراق کا قول
ہے کہ اہلِ فتوت وہ ہے جس کا کوئی دشمن نہ ہو۔ حضرت حارثؒ محاسبی کا قول ہے کہ فتوت یہ ہے کہ
تم خود اپنے معاملات میں انصاف سے کام لو۔ اور کسی دوسرے کو اس میں انصاف کرنے کی ضرورت
نہ پڑے۔ عمرؒ بن عثمان مکی کہتے ہیں کہ فتوت حسنِ خلق کا نام ہے۔ نصیر آبادی نے کہا ہے کہ مروت
فتوت کی ایک شاخ ہے اور فتوت نام ہے دونوں جہان سے روگرداں ہو جانے اور ان سے
دور بھاگنے کا۔ حضرت جنید بغدادیؒ کا قول ہے کہ فتوت نام ہے اس بات کا کہ انسان کسی کو آزار
نہ پہنچائے، اور اپنا مال خرچ کرتا رہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ فتوت کا مفہوم ہے وفاداری اور
عیب پوشی بعض نے اس کی تعریف یہ کی ہے کہ انسان لوگوں پر مہربانی کرے اور پھر اپنے آپ کو

[illegible] سمجھے۔ ایک صاحب نے یہ بھی کہا ہے کہ فتوت یہ ہے کہ نہ جمع رکھے اور نہ معذرت کرے اور کہا گیا ہے کہ فتوت یہ ہے کہ نعمت ظاہر کی جائے اور مصیبت چھپائی جائے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ فتوت [illegible] سادیے کا نام ہے۔

فتوت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کے لئے علامہ قشیری نے طرح طرح کی مثالیں [illegible] دی ہیں:-

ایک صوفی نے اپنی جماعت کی دعوت کی، ان میں ایک شیخ شیرازی بھی تھے۔ جب سب کھانا کھا چکے اور قوالی شروع ہوئی تو سب کے اوپر نیند طاری ہوگئی، شیخ شیرازی نے دعوت دینے والے سے پوچھا کہ سماع میں ہمارے سوجانے کا کیا سبب ہے۔ اس نے کہا کہ جو چیزیں میں نے آپ لوگوں کو کھلائی ہیں ہر ایک کی بابت اچھی طرح جانچ لیا تھا۔ سوائے بینگن کے، جب صبح ہوئی تو وہ لوگ کنجڑے کے پاس گئے اور پوچھا۔ جو بینگن تم نے کل دئے تھے وہ کہاں سے لائے تھے۔ اس نے کہا کہ بات یہ ہے کہ کل میرے پاس کوئی بینگن نہیں تھا میں نے فلاں کھیت سے چرا کر دعوت کرنے والے کے ہاتھ بیچا، وہ لوگ اس کو اپنے ساتھ کھیت والے کے پاس لے گئے کہ اس سے معاف کرائیں۔ (یہ اہل فتوت میں سے تھا) اس نے کہا کہ میں نے یہ کھیت ہی اس شخص کو بخش دیا، اور اس کے ساتھ دو کھیت اور، اور ایک گدھا، اور کھیتی کے اوزار تاکہ وہ پھر ایسی حرکت نہ کرے

ایک شخص نے ایک عورت سے شادی کی، ابھی اس سے ملا بھی نہیں تھا کہ عورت کو بخار آیا اور چیچک نکلی جس سے اس کی صورت بگڑ گئی، اس مرد نے یہ کہا کہ میری آنکھیں خراب ہوگئی ہیں اور مجھے کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ بیوی رخصت ہو کر اس کے یہاں آئی اور بیس برس تک اس کے ساتھ رہ کر گذر گئی۔ اس وقت اس شخص نے اپنی آنکھیں کھولیں، لوگوں نے کہا کہ یہ کیا؟ اس نے کہا میں اندھا نہیں ہوا تھا، اندھا بن گیا تھا اس خوف سے کہ میری بیوی کو دکھ نہ ہو۔ لوگوں نے کہا کہ تم فتوت میں سب سے بازی لے گئے ہو۔

ایک شخص [illegible] نیشاپور کا [illegible] گیا [illegible] نے [illegible]

ارباب فتوت کی بھی۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو ایک لونڈی ہاتھ دھلانے کے لئے لوٹے سے پانی گرانے لگی۔ نیشاپوری نے ہاتھ روک لیا اور کہا یہ فتوت کے خلاف ہے کہ عورتیں مردوں کے ہاتھ پر پانی ڈالیں۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں سالہا سال سے اس گھر میں دعوت کھانے آتا ہوں اور مجھے پتہ نہیں کہ میرے ہاتھ پر عورت پانی ڈالتی ہے یا مرد۔ شفیق بلخی نے امام جعفرؓ ابن محمدؒ سے فتوت کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے کہا پہلے تم بتاؤ۔ شفیقؒ نے کہا کہ اگر ملے تو شکر کرے اور اگر نہ ملے تو صبر کرے۔ امام نے فرمایا کہ یہ تو ہمارے مدینے کے کتے بھی کرتے ہیں۔ فتوت یہ ہے کہ اگر ملے تو ایثار کرے اور نہ ملے تو شکر کرے۔

فتوت کے سلسلے میں علامہ قشیری نے آخر میں جو رائے دی ہے وہ ہمارے زمانے کے لئے خاص اہمیت رکھتی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جاننا چاہئے کہ اصلی فتوت دوستوں کی عیب پوشی ہے خاص کر ایسے عیبوں کی جن سے دشمن کو ہنسنے کا موقع ملے۔ آپ کو معلوم ہے کہ شرعی احکامات اور ان اعلیٰ مصلحتوں کے لحاظ سے جو شرعی احکامات کی بنیاد مانی جاتی ہیں، ہر مسلمان کے لئے باقی تمام مسلمانوں پر حقوق ہیں۔ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں ۲۶ ایسے حقوق کی تفصیل دی ہے، ان میں بعض کا تعلق میل جول کے معمولی آداب سے ہے، بعض اجتماعی زندگی کی جان ہیں۔ پہلا اور ہر معاملے پر حاوی حق یہ ہے کہ ہر مسلمان دوسرے کے لئے وہی چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہو اور اس کے لئے وہی بات بُری سمجھے جو اپنے لئے بُری سمجھتا ہو۔ اسے کسی کو اپنے قول و فعل سے ایذا نہیں دینا چاہئے، ہر ایک پر حتی الامکان احسان کرنا چاہئے اور اس میں مستحق اور غیر مستحق کا فرق نہ کرنا چاہئے، اسے عیبوں کو چھپانا، کسی کے بارے میں بری بات سننے میں آئے تو اسے بھول جانا، خیر خواہی کرنا اور خوشی پہنچانے کی کوشش کرنا چاہئے۔ مسلمان کے لئے مناسب نہیں ہے کہ امیروں کے پاس بیٹھے، اٹھے، مساکین سے اختلاط اور یتیموں سے سلوک کرنا چاہئے۔ اس کا فرض ہے کہ جہاں تک ممکن ہو مسلمان بھائی کی عزت اور جان کو ظالموں سے بچائے، بلکہ [illegible] ہر وقت [illegible]

دستگیری کرنا، ان کی عدم موجودگی میں ان کے گھر اور مال کی حفاظت کرنا، اور جو امر دنیاوی اور دینی انہیں معلوم نہ ہوں وہ انھیں ٹھیک ٹھیک بتانا چاہئے۔ ہمسائے گی سے بڑھ کر دوستی اور محبت فی اللہ کا درجہ ہے۔ یہ رشتہ شریعت اور قانون کے مطالبوں سے الگ اور برتر ہے اسے وہ لوگ جو چاہتے آپس میں قایم کرتے تھے اور اس میں مقصود یہ تھا کہ دوست کے مقابلے میں اپنی ذات قیمت و نابود کر دی جائے۔ شیخ ابوالحسن نوری کا قصہ مشہور ہے کہ خلیفہ سے کسی نے ان کی اور ان کے چند دوستوں کی چغلی کھائی اور اس نے سب کی گردن مارنے کا حکم دیا، جب جلاد آیا تو شیخ ابوالحسن نوری سب سے پہلے اس کے سامنے کھڑے ہوئے اور کہا کہ پہلے مجھے قتل کرو اس نے وجہ پوچھی تو آپ نے جواب دیا کہ میں چاہتا ہوں کہ اس لحظہ اپنی زندگی اپنے بھائیوں کی زندگی پر مقدم کروں۔ محبت فی اللہ قایم کرنے کا رواج زیادہ تر صوفیوں میں تھا لیکن دوستی کا جو مرتبہ اسلامی جماعت کے اخلاق میں دیا گیا وہ دنیا کی کسی تہذیب میں نظر نہیں آتا، عام مسلمانوں ہمسایوں اور دوستوں کے حقوق کو ذہن میں رکھ کر فتوت کی ان توضیحوں پر غور کیجئے جو میں ابھی بیان کر چکا ہوں تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ مسلمانوں کی جماعت نے اپنی شیرازہ بندی کیسے لطیف اور موثر طریقے سے کی تھی۔

ہم لوگ فتوت کا نام تک بھول گئے ہیں۔ تصوف کی اب بھی عزت کی جاتی ہے مگر احترام کے اس جذبہ کا جماعت کے حقوق اور اس کے مفاد سے کوئی تعلق نہیں ہے، ہماری عقیدت کا سبب کرامات کی روائتیں ہیں، جماعت کی اصلاح اور رہنمائی کے وہ منصوبے نہیں ہیں جن میں صوفی در اصل مشغول تھے۔ تصوف کا میلان کسی نہ کسی حد تک ہر شخص میں ہوتا ہے مگر ایسے لوگ تھوڑے ہی ہوتے ہیں جن کا اصل محرک یہی میلان ہو۔ صوفیوں کی جماعتیں ان نسبتاً تھوڑے سے لوگوں پر مشتمل تھیں جو اپنے روحانی رشتے کو طرح طرح سے مضبوط کرتے رہتے تھے، ان کی زندگی لوگوں کی نظروں کے سامنے تھی، اور لوگوں کی نیت اور عمل کا سارا حال انھیں معلوم تھا، ان کا کام لینا نہیں تھا، دینا تھا، مستحق اور غیر مستحق میں تمیز نہیں کرتے تھے۔ ان کے احسان کے ساتھ کوئی شرط نہیں تھی۔

دنیا میں بے شک ایسے لوگ ہیں جنہیں صرف دوسروں کی نیکی سے فائدہ اٹھانا آتا ہے، مگر شاید ایسے لوگ تعداد میں زیادہ ہوتے ہیں جن پر اچھی مثال کا اثر پڑتا ہے، صوفیوں کی سب سے بڑی خدمت یہ تھی کہ انہوں نے مذہب اور اخلاق کی اعلیٰ قدروں کو عام مسلمانوں کے سامنے رکھا اور ان کا اس خلوص اور شوق سے اقرار اور اثبات کرتے رہے کہ کوئی ان سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔

اب میں پھر اسی مطلب پر آ گیا جس سے یہ مضمون شروع ہوا تھا۔ جامعہ سکاؤٹنگ کی تحریک بالکل نئی ہے، اس کی اصطلاحیں انوکھی ہیں، اس کا طریق کار زمانے کے مناسب۔ یہ صرف اس بھروسے پر شروع کی گئی ہے کہ مسلمانوں کی جماعت میں اتنی توفیق ہے کہ وہ اپنی ترقی اور استقلال کی تدبیریں خود کر سکے، اپنی سیاست کو اپنے اجتماعی کاموں کا ایک شعبہ قرار دے سکے۔ اجتماعی کاموں کو سیاست پر منحصر نہ کرے، آپ کی مدد سے اس تحریک کو فروغ ہوا تو یہ شریعت سے ایک نئی محبت پیدا کرے گی، فتوت کی مشق کے لئے میدان فراہم کرے گی اور ان اعلیٰ انسانی قدروں کی علم بردار ہوگی جن کی شہادت ہمارے صوفیوں نے دی ہے۔

محمد مجیب

دیہات کا مشترک انتظام

ترلوک سنگھ صاحب آئی سی ، ایس نے چھ سال تک پنجاب کے دیہات کا ذاتی طور پر مشاہدہ اور مطالعہ کیا ، اور خود دیہات کے لوگوں اور دیگر واقف کار حضرات سے اصلاح و ترقی کی تجویزوں کے بارے میں بحث و مباحثہ کیا اور ان کی بنیاد پر ایک تجویز مرتب کی ہے جسے انھوں نے "دیہات کے مشترک انتظام" کے نام سے موسوم کیا ہے ۔ ان کی کتاب "پاورٹی اینڈ سوشل چینج" (افلاس اور معاشرتی تبدیلی) میں اس تجویز کو تفصیل کے ساتھ درج کیا گیا ہے ۔ "زمین کی ملکیت کس کے ہاتھ میں ہو" یہ مسئلہ چونکہ زراعتی اصلاح و ترقی کے لئے بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے ، اور یہی اس کتاب کا اصل موضوع ہے ۔ اس لئے اس کے جستہ جستہ اقتباسات کو ہم اپنے قارئین کی واقفیت اور اظہار رائے کے لئے شائع کر رہے ہیں ۔ (مدیر)

برما چین اور مشرق وسطیٰ کی زراعت کی ایک نہایت اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہاں پیداوار فی کارکن کم ہے ۔ اس لئے زراعت کا کام کرنے والے لوگوں کی اکثریت گذر اوقات کے جو لوازمات ہیں ، ان کی محض کمترین مقدار کو حاصل کر پاتی ہے اور قحط سالی اور بیماری کا شکار بہت آسانی سے ہو جاتی ہے ۔ غذا کی وہ عالمگیر کمی جس کی وجہ سے ملک کے بڑے رقبہ خصوصاً بنگال میں سخت مصیبت نازل ہوئی اور جس نے جنگ کے ایک نازک دور میں ہندوستانی معیشت کے شیرازہ کو تقریباً برباد کر دیا ، ہمیں متنبہ کرتی ہے کہ جب تک ہم اپنے وسائل کو منظم نہیں کریں گے ہم اپنی آبادی کے لئے غذا کے ان ناکافی معیاروں کو بھی قائم نہ رکھ سکیں گے جو اس وقت عام طور پر رائج ہیں ۔

کاشت کو بہتر کرنے کے لئے ہر مزرعہ کے لئے جداگانہ طریقے پر چار چیزیں لازمی طور پر مہیا کرنے کی ضرورت ہے :-

(۱) اتنا کافی رقبہ کہ اس پر اچھی طرح کام کیا جا سکے۔

(۲) تنظیم (۳) سرمایہ اور

(۴) اس سطح کی فنی واقفیت جس سے موجودہ حالات میں بیش ترین کفایت کے ساتھ کام چلایا جا سکے۔

ان میں اولین لازمی ضرورت کافی رقبہ ہے۔ دوسرے عوامل بغیر اس کے کام نہیں ہو سکتے اس لئے بنیادی تبدیلی جسے ہمیں کرنا ہے وہ یہ ہے کہ انتظام کے دائرے میں اور جہاں تک فنی واقفیت اجازت دے، کاشت کے دائرے میں بھی خاصی توسیع کی جائے بڑے زمینداروں کے پاس تو بڑا رقبہ موجود ہے۔ اس لئے ان کے لئے تو ایسی تدبیریں نکالنے کی ضرورت ہے کہ وہ اپنی زمین کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرکے اسے پٹے پر نہ اٹھائیں۔ لیکن خود کاشت کرنے والے زمینداروں اور کسانوں کا مسئلہ بہت مشکل ہے یہ یقینی ہے کہ جتنی آبادی بڑھتی جائے گی اتنے ہی کسان کے رقبے غیر نفع بخش ہوتے چلے جائیں گے۔ اور جب تک اس رجحان کو روکنے کی کوئی تدبیر نہیں کی جائے گی۔ کسان اور اس کے مزدور بچارے روز بروز زیادہ غریب ہوتے چلے جائیں گے۔

اس صورت حال کا علاج کرنے کے لئے مختلف تجویزیں زیر بحث آ چکی ہیں۔ اس ملک میں ایک طبقہ چاہتا ہے کہ کسانوں کو زمینداری کے حقوق دئے جانے پر بہت زور دیتا ہے اگر کسانوں کو زمیندار بنا دینے سے کام چل سکتا تو دوسرے علاجوں کو سوچنے کی کوئی ضرورت نہ تھی لیکن ہندوستان میں آبادی اور زمین کا جو تناسب پایا جاتا ہے اور کسانوں کے قبضے میں جو رقبے ہیں وہ جس حد تک غیر نفع بخش ہو چکے ہیں ان کی موجودگی میں اس قسم کی امید قائم کرنا غلط [illegible] ہے۔ موجودہ خرابیوں کو دور کرنے کے لئے اشتمال اراضی اور

[illegible]

ہوتی ہے۔ دوسرے یہ بذاتِ خود مسئلہ کا کوئی حل نہیں ہے بلکہ اس کے بعد جب تک زمین پر سرمایہ لگانے کا بندوبست نہ کیا جائے اس وقت تک اس کے فائدوں کو حاصل نہیں کیا جا سکتا اور تیسرے یہ کوئی مستقل علاج نہیں بلکہ عارضی علاج ہے، کیونکہ کسانوں کے جن مقبوضہ رقبوں کو استمال اراضی کے ذریعے یک جا کیا جاتا ہے وہ کسان کے مرنے کے بعد اس کی اولاد کے درمیان دوبارہ برابر تقسیم ہونا شروع کر دیتے ہیں۔ اس خرابی کو دور کرنے کے لئے جٹھائی وراثت کو تجویز کیا گیا ہے لیکن جب دوسرے لڑکوں کے لئے زراعت کے علاوہ کوئی اور ذریعہ معاش موجود نہ ہو محض بڑے لڑکے کو زمین کا وارث بنا دینا اور بقیہ اولاد کو ترکہ سے محروم کر دینا انصاف کے خلاف نظر آتا ہے۔ اس لئے یہ علاج بھی مفید نہیں معلوم ہوتا۔

مشرقی یورپ کے کئی ملکوں میں جنگ عظیم اول کے بعد بڑے زمینداروں کے مقبوضہ رقبوں کو تقسیم کر کے چھوٹے زمینداروں کے مقبوضہ رقبوں کو وسیع کر دیا گیا ہے، لیکن مشرقی یورپ میں زمین کی تقسیم میں جتنی عدم مساوات پائی جاتی تھی، اتنی ہندوستان میں نہیں پائی جاتی یورپ کے برعکس ہندوستان میں بڑی زمینداریوں کی کاشت کا کام مزدوروں سے نہیں کرایا جاتا بلکہ چھوٹے کسانوں سے کرایا جاتا ہے۔ اگر بڑی زمینداریوں کو تقسیم کر کے چھوٹے زمینداروں کے رقبہ کو بڑھایا جائے گا تو ان کسانوں کے لئے زمین کو فراہم کرنے کا مسئلہ جو اس وقت بڑے زمینداروں کی زمینوں کو پٹہ پر لے کر کاشت کر رہے ہیں پھر بھی باقی رہے گا اور ان کے مقابلے میں خود کاشت کرنے والے چھوٹے زمینداروں کے حقوق کو ترجیح دینے سے اصل مسئلہ کا کوئی حل نہ نکل سکے گا۔

اب اگر خود کاشت کرنے والے چھوٹے زمینداری بھی ہمارے مسئلہ کا کوئی حل نہیں ہیں تو پھر سوال یہ ہے کہ کیا سرمایہ داری کے طریقوں پر کاشت کرنے سے ہمارا کام چل سکے گا جس کے ذریعے [illegible] کو مقابلے سے خارج کیا جا سکتا ہے۔ اس کی تائید اول تو وہ لوگ کرتے ہیں جنہوں نے [illegible] یا تو بجائے خود بڑی زمینداریاں خریدی ہیں یا جنہوں نے پہلے سے یہ چھوٹے زمینداروں کو قرض [illegible] آہستہ آہستہ ان کی زمینداریوں کو ہتھیا کر اپنے لئے ایک بڑی جائداد پیدا کر لی ہے یا وہ دوسرے وہ لوگ کرتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اگر صرف زراعت کے کاروبار میں [illegible]

کے ساتھ زراعت کے کاروبار کو بھی نفع کی خاطر چلانا چاہتے ہیں، لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ سرمایہ دارانہ رجحان ہماری زراعت پیشہ آبادی کی کثیر تعداد کے لئے مہلک ثابت ہوگا، لیکن اگر چھوٹے پیمانے کی کاشت روز بروز اسی طرح غیر نفع بخش ہوتی چلی گئی تو چھوٹے زمینداروں اور کاشتکاروں کو ان سرمایہ داروں کے لئے جگہ چھوڑنا ہی پڑے گی۔

ان حالات کو دیکھنے کے بعد ہمارا روشن خیال طبقہ اس کا علاج یہ تجویز کرتا ہے کہ زمین کو قومی ملکیت بنا دیا جائے۔ لیکن قومی ملکیت کا سوال تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ (۱) ایسے چھوٹے زمینداروں کے حقوق کو قومی ملکیت بنانا جو خود کاشت نہیں کرتے (۲) خود کاشت کرنے والے چھوٹے زمینداروں اور کسانوں کے حقوق کو قومی ملکیت بنانا، (۳) بڑے زمینداروں کی زمین کو جو براہ راست ان کے قبضہ میں ہو قومی ملکیت بنانا

آئیے سب سے پہلے ان چھوٹے زمینداروں کے بالاتر حقوق کے مسئلے کو لیا جائے جو اپنی زمین لگان پر اٹھاتے ہیں۔ جہاں تک زمین کے مناسب استعمال کا تعلق ہے جن لوگوں کو اہمیت حاصل ہے وہ، وہ لوگ نہیں ہیں، جنھیں زمین سے لگان وغیرہ وصول کرنے کا حق ملا ہوا ہے۔ بلکہ دراصل وہ کسان ہیں جو براہ راست زمین پر قابض ہیں اور ان کسانوں کے فائدہ کے لئے (کیونکہ ان کی ترقی کے ساتھ زراعت کی عام ترقی بھی وابستہ ہے) سب سے اہم ضرورت یہ ہے کہ زمین پر بالاتر حقوق رکھنے والے زمینداروں سے زمین کی اصلاح و ترقی میں مزاحم ہونے کا اختیار چھین لیا جائے۔

بنگال کے صوبے کے لئے رعیت واری نظام تجویز کرنے میں فلاؤڈ کمیشن کا یہ متفقہ فیصلہ تھا کہ کسان یا موروثی کاشتکار کے اوپر جتنے لوگوں کو بھی زمین پر حقوق حاصل ہوں ان سب کے حقوق کو سرکار معاوضہ ادا کرکے خرید لے، اور کسانوں کا رابطہ چاہے وہ اپنی اپنی کاشت خود کرتے ہوں یا کسی شکمی کاشتکار سے کراتے ہوں براہ راست حکومت کے ساتھ قائم کر دیا جائے۔

کمیشن کی یہ تجویز اس حد تک تو مناسب معلوم ہوتی ہے کہ کسان کا رابطہ براہ راست سرکار سے کر دیا جائے، لیکن سرکار کو بالاتر حقوق فوراً نہ خریدنا چاہئیں بلکہ درمیانی زمانے میں یہ کرنا چاہیے کہ جو لگان قانونی طور پر مقرر ہو اسے گاؤں سے استثنائی طور پر خود وصول کرے، اور اس کی وصولیابی میں اس کا جو خرچ ہو، وہ سرکاری مالگذاری وضع کر کے بقیہ حصہ کو زمین کے مالکوں اور حق داروں کے درمیان تقسیم کر دیا کرے۔

اسی درمیانی زمانے میں گاؤں کے اندر مشترک انتظام رائج کرا دینا چاہیے، دیہات کا مشترک انتظام کیا ہے؟ اس کا مفہوم آگے تفصیل سے سمجھایا جائے گا۔ جب یہ مشترک انتظام رائج ہو جائے گا تو گاؤں کے اندر ملکیت کے حقوق کو خریدنے کی خواہش پیدا ہو جائے گی اور اس کے پاس وسائل بھی اکٹھے ہو جائیں گے۔ اس وقت سرکار کو ملکیت کے بالاتر حقوق کی خریداری کا اعلان کرنا چاہیے، اور گاؤں کی مشترک تنظیم کو شفع کا حق دینا چاہیے اگر گاؤں مشترک طور پر بالاتر حقوق کو خریدنے کے لئے آمادہ ہو جائے گا تو سرکار ان کی خریداری کے لئے روپیہ کی فراہمی کی زحمت سے بچ جائے گی۔

کاشت نہ کرنے والے زمینداروں کے بعد خود کاشت کرنے والے چھوٹے زمینداروں کے حقوق کو قومی ملکیت بنانے کا مسئلہ ہے۔ اس کی حکومت کو ہرگز کوئی کوشش نہیں کرنا چاہیے، بلکہ ان کی تنظیم کی بہتری کی طرف توجہ کرنا چاہیے۔

آخر میں بڑے زمینداروں کی جائداد کو قومی ملکیت بنانے کا مسئلہ ہے۔ اس کے لئے حکومت کو ایک طرف تو منصفانہ لگان اور اجرتوں کا مطالبہ کرنا چاہیے اور دوسرے رقبہ کی وسعت کے لحاظ سے مالگذاری کی شرح کو متزائد کرنا چاہیے۔ جب یہ کیا جائے تو یہ بڑے زمیندار اپنی زمینداری کی حالت کو بہتر کرنے کے لئے مجبور ہوں گے۔ اس لئے یہ بات البتہ لازمی کر دینا چاہیے کہ وہ اپنی فصلوں کو حکومت کے منصوبے کے ماتحت رکھیں۔

چھوٹے خود کاشت کرنے والے زمینداروں کی تنظیم کے لئے کئی حل تجویز کئے گئے ہیں۔ ان سب میں ان کو متحد کرنے پر زور دیا جاتا ہے۔ لیکن اس اتحاد کی شکلیں اور طریق مختلف ہیں پہلی تجویز یہ ہے کہ ان لوگوں کو اپنے کھیتوں پر تو خود ہی کام کرنا چاہیے لیکن جن فصلوں کو یہ بوئیں ان کا تعین جماعت کی طرف سے کیا جائے۔ اس میں عملی دشواریاں بہت سی ہیں۔ اس لئے ایک دوسرے گروہ کی تجویز یہ ہے کہ اتحادِ عمل، کھیتی کے کام کے علاوہ اور دوسرے کاموں مثلاً قرض حاصل کرنے خریدنے اور بیچنے میں جاری کیا جائے۔ لیکن ہندوستان میں امداد باہمی کی تحریک جس کے مقاصد میں یہ سب چیزیں شامل تھیں۔ کچھ زیادہ کامیابی حاصل نہ کر سکی اس لئے دوسرے لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ اس قسم کی امداد باہمی کو شروع میں رواج دینے کی جگہ بعد میں رواج دیا جائے، اور اس سے پہلے امداد باہمی کی کاشت کو رائج کیا جائے۔

امداد باہمی کی کاشت کا مفہوم ابھی تک لوگوں کے ذہن میں صاف نہیں ہے امپیریل کاونسل آف اگریکلچرل ریسرچ نے جو یادداشت زراعت اور فلاحت حیوانات کی ترقی کے بارے میں ۱۹۴۴ء میں شائع کی ہے اس میں اس کی حسب ذیل تعریف کی گئی ہے "ہر کاشتکار کے حقوق اپنی زمین پر باقی رہیں گے، لیکن کاشت کا کام مشترک طور پر کیا جائے گا۔ خرچ ایک مشترک فنڈ سے پورا کیا جائے گا، اور اسے مجموعی آمدنی میں سے وضع کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد خالص آمدنی کو کاشتکاروں کے درمیان، ہر شخص کی زمین کے تناسب کے مطابق تقسیم کر دیا جائے گا۔" جب ہم امداد باہمی کی کاشت کو اس تعریف کے ساتھ اپنی دیہی معیشت میں داخل کرنا چاہتے ہیں تو یہ ہمیں اتنی مفید ثابت نہیں ہوتی جتنی کہ نظر آتی ہے اور اس سے ہمارا زیادہ کام نہیں چلتا۔ نہ تو کاشتکار کے حقوق ہی زمین پر باقی رہتے ہیں اور نہ مشترک کاموں کی تقسیم ہی ٹھیک طریقے پر ہو پاتی ہے اور نہ ان کا معاوضہ ہی قابل اطمینان طریقے پر دیا جا سکتا ہے۔

اس لیے ہمیں کچھ زیادہ کارگر طریقہ پیدائش اور زیادہ منصفانہ طریقہ تقسیم

پیداوار کی ضرورت ہے۔ اس سلسلہ میں دو باتوں کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اول یہ کہ چونکہ زمین کے انتظام پر نگرانی قائم کرنا دیہی تنظیم نو کے لئے نہایت لازمی ہے۔ اس لئے ہمیں کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کرنا چاہیے جس سے کسان ہمارا ساتھ دینے کی جگہ ہمارا مخالف ہو جائے۔ دوسرے تنظیم نو کا کوئی طریقہ کسانوں میں اس وقت تک مقبول نہیں ہوگا جب تک کہ وہ دو تصورات کا جو دونوں ہماری دیہی معاشرت کی نفسیات کے لئے بنیادی اہمیت رکھتے ہیں، انکار کرتا رہے گا یعنی:۔

(۱) ملکیت کا اصول اور

(۲) مساوی وراثت کا اصول

اس کے علاوہ جو لوگ امداد باہمی کی کاشت تجویز کرتے ہیں وہ صرف خود کاشت کرنے والے چھوٹے زمینداروں کو اپنے پیش نظر رکھتے ہیں، اور دیہات کے لاکھوں زمین کی ملکیت سے محروم مزدوروں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اس لئے نیا دیہی نظام بناتے وقت ہمیں چار ضرورتوں کو اپنے سامنے رکھنا چاہیے:۔

(۱) کارگزار جماعت

(۲) زمین کی ملکیت سے محروم، مزدوروں کی بہبود۔

(۳) دیہی اور صنعتی معیشت میں یک جہتی اور

(۴) معاشری قدروں اور محرکوں کے لئے معیار

جو تبدیلیاں ہم چاہتے ہیں، ان کے لئے زمین پر نگرانی قائم کرنا اولین شرط ہے، سوویٹ روس میں اس نگرانی کو قائم کر لیا گیا ہے۔ لیکن اگر ہم پر امن طریقے پر تبدیلی چاہتے ہیں تو ہمیں مناسب موقع پر کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرنا ہوگا۔ ہمیں مزرعوں کے مشترک انتظام کی ضرورت ہے جس میں زمین کے حقوق کا تو خیال رکھا جائے، لیکن جس میں ساتھ ساتھ زمین محنت اور دیگر وسائل کے بہترین استعمال کی کوشش کی جائے اور امداد باہمی کا یہی وہ طریقہ ہے جسے موجودہ حالت میں سب سے زیادہ لائق عمل قرار دیا جا سکتا ہے۔

مشترک انتظام سے مراد ایک ایسا نظام ہے جس میں ملکیت کے حقوق کا تو احترام کیا جاتا ہے۔ لیکن جس میں مالکان اراضی انتظام کے لئے اپنی زمینوں کو متحد کر لیتے ہیں۔ اس کے اصول کو سمجھانے کے لئے ایک مثال کو پیش کرنا مناسب ہوگا۔ فرض کیجئے ہمارے پاس ۶۰ ایکڑ کا ایک رقبہ ہے۔ جس کے دس مالک ہیں جن میں سے ہر ایک کے قبضہ میں علی الترتیب دو چار چھ، آٹھ یا زیادہ ایکڑ ہیں۔ فرض کیجئے ان دسوں مالکوں میں سے چار خود کاشت نہیں کرتے کیونکہ ان میں سے دو کہیں ملازم ہیں، ایک تجارت کرتا ہے اور ایک اتنا بوڑھا ہے کہ کام نہیں کر سکتا۔ آج کل جو نظام رائج ہے، اس میں جو لوگ خود کاشت نہیں کرتے وہ اپنی زمین ذیلی کاشتکار کو لگان پر اٹھا دیتے ہیں۔ لیکن یہ طریقہ چونکہ زراعت کے لئے اچھا ثابت نہیں ہوتا۔ اس لئے فرض کیجئے کہ ان ۶۰ ایکڑوں کو دسوں مالکوں کے مشترک نظام کے ماتحت لے آیا جاتا ہے لیکن ان میں سے صرف ۶ گاؤں میں کام کرنے کے لئے موجود رہتے ہیں۔

اب زمین کی آمدنی دو حصوں میں تقسیم کرنا ہوگی، ایک حصہ تو کام کی آمدنی کا ہوگا دوسرا ملکیت کی آمدنی کا ہوگا۔ یہی وہ فرق ہے جس کے ماتحت ذیلی کاشتکار اور مالک دونوں ایک ہی زمین سے آمدنی حاصل کرتے ہیں۔ آمدنی کی تقسیم یا تو نقد میں کی جائے گی یا جنس کی صورت میں۔ یہ تقسیم عموماً رواج کے مطابق ہوگی لیکن کبھی کبھی مقابلے کے مطابق بھی ہو سکے گی۔ مثال کے طور پر فرض کیجئے کہ ذیلی کاشتکار اور زمین کے مالک کے درمیان نصفا نصفی پر پیداوار کی بٹائی ہوتی ہے جو چھ آدمی ۶۰ ایکڑ رقبہ کی کاشت کریں گے۔ وہ اپنی محنت کے معاوضہ میں نصف پیداوار لے لیں گے اور یہ چھ بقیہ چار کے ساتھ مل کر زمین کے مالک کی حیثیت سے نصف پیداوار کے حق دار ہوں گے اگر سہولت کی خاطر مان لیا جائے کہ ۶۰ ایکڑ کا یہ رقبہ دس ایکڑ کے چھ قطعوں میں بٹا ہوا ہے تو ہر کام کرنے والے کو اپنی زمین کی آدھی پیداوار ملے گی۔ بقیہ پیداوار کو مشترکہ ذخیرہ میں شامل کر دیا جائے گا۔ پھر اس مشترکہ ذخیرہ میں سے مشترک خرچہ اپنی مالگذاری ادا کی جائے گی۔ ادا [illegible] مشترکہ طور پر [illegible] کا حصہ [illegible]

... پورا کرے گا۔ اس کے بعد جو بچت ہوگی وہ دوسرے مالکوں کے درمیان ان کے زمین حصے کے مطابق تقسیم کر دی جائے گی۔

اب سوال یہ ہے کہ زمین کے مشترک انتظام کے لئے زمین کا کس قدر رقبہ ضروری ہوگا اس کا انحصار تین باتوں پر ہوگا:۔

۱۔ سرمایہ کس قدر دستیاب ہو سکتا ہے۔

۲۔ انتظامی اہلیت کس پیمانہ کی پائی جاتی ہے اور (۳) فنی واقفیت کی کیا حالت ہے

ایک مزرعہ کے چلانے کے لئے کتنے سرمائے کی ضرورت ہوگی۔ اس کا انحصار اس بات پر ہوگا کہ ہمارے پاس فنی واقفیت کس قسم کی ہے اور ہمارا طریقۂ کار کیا ہے۔ جدید طرز پر قوت محرکہ سے جو کاشت کی جاتی ہے اس کے لئے بہت زیادہ سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے انگلستان، کینیڈا، آسٹریلیا اور امریکہ میں جو منفرد کسان زمین کو پٹہ پر لیتے ہیں وہ پہلے اس بات کا اندازہ کرتے ہیں کہ کتنا سرمایہ انھیں دستیاب ہوسکے گا اور اس کے بعد فیصلہ کرتے ہیں کہ کتنی زمین انھیں حاصل کرنا ہوگی۔ لیکن جہاں معاملہ افراد کا نہ ہو بلکہ کسانوں کی جماعت کا ہو جس کی بہبودی کو سرکار نے اپنے مقاصد میں داخل کر لیا ہو تو وہاں سرمایہ کی فراہمی کا سوال اس بات کا فیصلہ کرنے میں زیادہ اہمیت نہیں رکھتا کہ مشترک تنظیم کی توسیع کتنے رقبہ پر کی جائے۔

مغربی ملکوں کے منفرد کسانوں کے لئے صرف سرمایہ ہی کا سوال اہمیت نہیں رکھتا بلکہ رقبہ کی توسیع کا فیصلہ کرنے میں انتظامی قابلیت کی نوعیت کو اس سے بھی زیادہ اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ انتظامی قابلیت کی ترقی مختلف اسباب کی پابند ہوتی ہے، تعلیم، تربیت روایت، تجربہ اور جماعت کی معاشی اور معاشرتی تنظیم یہ سب مجموعی اور انفرادی قابلیت کی ترقی میں معاون یا مزاحم ہو سکتے ہیں۔ ہماری دیہی معاشرت کی خرابیاں سب پر روشن ہیں اس لئے ہمارے کسانوں کے اندر انتظامی قابلیت ... نہیں کی

معاملے میں حکومت بہت کچھ مدد کرسکتی ہے۔ ہمیں قسم کی تنظیم کو ترقی دینا چاہیے گی
انتظامی اہلیت کو مہیا کرسکے گی۔ چھوٹے خود کاشت کرنے والے زمینداروں کے گاؤں
یلوں کے مشیر، منیجر اور ان کے تربیت یافتہ عملے کی خدمات فراہم کی جاسکتی ہیں۔ جب چند
کسان مشترک انتظام کے ماتحت کام کرلیں گے تو خود ان کے اندر مناسب انتظامی اہلیت پیدا ہوجائے
ماں تک انتظامی اہلیت کا تعلق ہے ہم اپنے مشترک مزرعوں کو جتنا چاہیں بڑا بنا سکتے ہیں
اس لئے ہمارے لئے نہ تو سرمایہ کی فراہمی زیادہ اہمیت رکھتی ہے نہ انتظامی قابلیت بلکہ
لئے فنی واقفیت اور طریقہ کار کا سوال سب سے زیادہ اہم ہے۔ طریقہ کار ایک زبردست
یا قوت ہے۔ اس کی تبدیلیوں سے معاشرہ کی تنظیم اور اس کی قدروں میں زبردست
ں پیدا کی جاسکتی ہیں جس معاشرہ میں طریقہ کار کی تبدیلیاں مسلسل ہوتی رہتی ہیں وہاں
ت کے فرق اور دوسرے معاشری امتیازات قائم نہیں رکھے جاسکتے۔ اس لئے ہمیں توقع ہے کہ
ہ کار کی تبدیلیوں اور مشترک انتظام کی وجہ سے گاؤں کے اندر ایک ہی کام میں لگے
وگوں میں حیثیت، آمدنی اور کام کے حالات میں جو فرق پایا جاتا ہے وہ غائب ہوجائے گا
دہ طریقہ کار کے مطابق تنظیم دی گئی تو اس کے لئے سو دو سو ایکڑ کے مزرعے مناسب
ان مزرعوں میں انتظام اور فروخت کی کفایتوں کو بھی حاصل کرنا ممکن ہوگا اور بیج
، کھادوں، پودوں کی بیماریوں اور فلاحت حیوانات کے بارے میں جو علمی واقفیت
ہے۔ ان کے ذریعے جن کفایتوں کو حاصل کیا جاسکتا ہے انھیں بھی حاصل کیا جاسکے گا
میں سائنس کے رواج کے معنی عام طور پر مشین کا استعمال سمجھے جاتے ہیں لیکن در اصل
مفہوم اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے اور اس سے بڑی حد تک علیحدہ ہے۔ اگر ہم زراعت کو
ینے کے لئے مشین کا استعمال کرنا چاہیں گے تو اس کے لئے سو دو سو ایکڑ کے مزرعے
نا ہوں گے بلکہ بعض بہت زیادہ بڑا کرنا ہوگا، لیکن ہندوستان میں، خصوصاً
[illegible] زمینداروں کے گاؤں میں، ابھی مشین کے رواج میں دیر

گے۔ یہاں کام کو دو منزلوں میں کرنا ہوگا۔ پہلے موجودہ طریقۂ کار کو جاری رکھتے ہوئے انتظام کو عملی اصول پر ترقی دینا ہوگی۔ جب اس کام میں کامیابی ہوگی اور فرد ایک مکمل معاشی واحدے کی معیشت سے کام کرنے لگیں گے تب دوسری منزل میں جدید طریقۂ کار کو اختیار کیا جائے گا۔ اس طرح پر گاؤں کی معیشت کے لئے جو لوگ فاضل ثابت ہوں گے ان کی تعداد کو بھی محدود رکھا جاسکے گا اور تبدیلی کی وجہ سے ابتری یکبارگی رونما نہیں ہوسکے گی۔ اس لئے چھوٹے خود کاشت کرنے والے زمینداروں کے گاؤں میں مشترک انتظام کا رقبہ کل گاؤں کو قرار دینا ہی زیادہ موزوں ہوگا۔ گاؤں کے اس رقبہ کو پانچ سات یا دس مزرعوں میں جن کا رقبہ سو سو، دو دو سو ایکڑ ہوگا تقسیم کیا جاسکے گا اور اس طرح مختلف خاندانی قبائلی اور مذہبی اختلافات کو بھی جو گاؤں میں موجود ہیں چھوٹے پیمانے پر حل کیا جاسکے گا۔ اس کے علاوہ گاؤں ان غیر زراعتی پیشوں کے لئے بھی جن کی ان لوگوں کے لئے ضرورت ہوگی جو زراعت کے کام میں فاضل سمجھ کر علیحدہ کئے جائیں گے ایک موزوں واحدہ ثابت ہوگا۔

ترلوک سنگھ

ہندوستان میں عورتوں کی تحریک

ہندوستان میں عورتوں کی تحریک کا آغاز ان مردوں کی کوششوں سے ہوا جنھوں نے اصلاح معاشرت کی تحریکوں کو ہندوستان میں سب سے پہلے شروع کیا تھا۔ ہندوستان کی سماج میں عورتوں کی جو ادنیٰ حیثیت تھی اور جن خرابیوں اور نا انصافیوں کا وہ شکار تھیں اور جن ناقابل علاج مشکلوں میں وہ مبتلا تھیں، ان کا احساس خود عورتوں کو بعد میں ہوا لیکن مردوں نے اس سے پہلے ان کے حقوق کی حمایت شروع کر دی تھی۔ راجہ رام موہن رائے نے جو برہمو سماج کے بانی تھے، نہ صرف عورتوں کو اپنے شوہر کی لاش کے ساتھ ستی ہونے سے بچایا بلکہ نکاح بیوگان کو قانونی حیثیت دے کر سماج میں ان کی حیثیت کو محفوظ کر دیا۔ ہندوستان کے قوانین و ضوابط میں نکاح بیوگان کا قانون، پنڈت ایشور چندر ودیا ساگر کی کوششوں سے ۱۸۵۶ء میں شامل کیا گیا۔ ان ہی کی کوششوں سے شادی کی رضامندی کے لئے کم سے کم دس سال کی عمر پہلی مرتبہ قانونی طور پر لازمی قرار دی گئی۔ ودیا ساگر نے اپنا سارا وقت ہندو سماج کی برائیوں کے خلاف جنگ کرنے کے لئے وقف کر دیا تھا۔ ان ہی نے پہلی مرتبہ لڑکیوں کی تعلیم سے جو نہایت اچھے نتائج برآمد ہو سکتے تھے انھیں سمجھا اور یہ خود ایک عرصے تک کلکتہ کے پہلے لڑکیوں کے مدرسہ یعنی بیتھون اسکول سے متعلق رہے۔ م۔ ا۔ ب مالاباری کی کوششوں سے ۱۸۹۱ء میں شادی کی رضامندی کی عمر کو دس سال سے بڑھا کر کم سے کم بارہ سال کر دیا گیا اور نکاح بیوگان کے سلسلے میں جو بعض پابندیاں تھیں انھیں ختم کر دیا گیا۔ ان کے بعد اس کام کو مہادیو گوبند راناڈے اور ان کے جانشین سر نارائن چندا ورکر نے جاری رکھا۔ اس کے بعد کے دور میں جن سے اخبار انڈین سوشل ریفارمر کے ایڈیٹر کی حیثیت سے اس سلسلے میں بڑی نمایاں خدمات انجام دیں اور آج زندہ لوگوں میں اس کام کو پھر منظم

ڈی. کے. کاروے پونا کی انڈین ویمنز یونیورسٹی کے بانی اور دیوان بہادر ہربلاس سردا قانون امتناع شادی بچگان کے مصنف انجام دے رہے ہیں۔

لیکن جس شعل کو مردوں نے روشن کیا تھا وہ جلد ہی عورتوں کے ہاتھ میں پہنچ گئی اس کام کو شروع کرنے والوں میں سب سے پہلا نام مہادیو گوند رانا ڈے کی اہلیہ ساما بائی رانا ڈے کا ہے۔ ہم سے زیادہ قریب زمانے میں ممتاز نام کلکتہ کی مسز پی. کے. رے اور لیڈی بوس مدراس کی ڈاکٹر متھو لکشمی ریڈی اور احمد آباد کی شریمتی انا سویا بین سارابھائی کے ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے بڑے نام تورودت اور سروجنی نائڈو۔ بھوپال کی نواب سلطان جہاں بیگم مرحومہ، علی برادران کی والدہ بی اماں اور بڑودہ کی ہز ہائی نس مہارانی جمنا بائی کے ہیں۔ ان سب نے اپنے اپنے طریقے پر ہندوستان کی عورتوں میں خود اعتمادی اور احساس عظمت پیدا کرنے میں بڑا حصہ لیا ہے۔ آہستہ آہستہ افراد و گروہ غیر نمایاں طور پر مختلف طریقوں سے اور کم و بیش محدود سمتوں اور حلقوں میں جو کام کر رہے تھے اس نے آخر کار ایک عظیم الشان تحریک نسواں کی صورت اختیار کر لی۔

قومی پیمانہ پر ہندوستانی عورتوں کی پہلی تنظیم ویمنز انڈین ایسوسی ایشن کی شکل پر ہوئی جس کی بنیاد مسز اینی بسنٹ نے ۱۹۱۷ء میں مدراس میں رکھی تھی۔ یہ اس زمانے کی عظیم الشان قومی تحریک کا جس کی مسز بسنٹ رہنما تھیں ایک جز تھی۔ اس کے منشور آزادی میں حسب ذیل چیزیں شامل تھیں:۔ عورتوں کی تعلیمی ترقی۔ معاشرتی خرابیوں کا ازالہ اور مردوں کے مساوی حقوق کا حصول۔ اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ سماجی خدمت کے لئے عورتوں کی تنظیم کی جائے۔ اس انجمن کو بلا خوف تردید عورتوں کی ان تمام تنظیموں کا جو اس وقت ہندوستان میں پائی جاتی ہیں سرچشمہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ ۱۹۲۰ء کے بعد کے چند سالوں میں عورتوں کے واسطے حق رائے حاصل کرنے کے لئے اس نے جو کامیاب شورش کی اس کو اس کا ایک کارنامہ سمجھنا چاہئے۔ ۱۹۲۷ء میں اس کی ۸۰ شاخیں، ۵۱ مرکز [illegible] ارسا

راد تھی۔ اس کے سرکاری اخبار کا نام "استری دھرم" تھا۔ مدراس میں دیوا داسی کے نظام کو
ہ کرنے میں اور نجات گھر (ریسکیو روم)، مدراس سیوا سدن اور انجمن امداد بچگان کے قایم
نے میں اس نے جو خدمات انجام دی ہیں وہ اس قدر معروف ہیں کہ ان کے مزید تذکرے
ضرورت نہیں ہے۔ آل انڈیا ویمنز کانفرنس اور آل ایشین ویمنز کانفرنس کے قایم کرنے میں
یادہ تر مسز مارگریٹ کزنس کی کوششوں کو دخل رہا ہے جو مسز بسنٹ کی بہت قریبی مشیر اور
عاون تھیں اور ایک طویل زمانے تک ایسوسی ایشن کی سکریٹری اور استری دھرم کی ایڈیٹر رہیں
لکن پچھلے کچھ سالوں سے ویمنز ایسوسی ایشن کے مشاغل ویمنز کانفرنس کے ترقی پا جانے کی
جہ سے اور شاید کچھ اس لئے کہ شروع ہی سے اس کا تعلق تھیاسوفیکل سوسائٹی سے
وگیا تھا۔ صرف احاطہ مدراس تک ہی محدود ہو کر رہ گئے ہیں۔ مسز بسنٹ کے انتقال کے
عد سے اس کی صدر ڈاکٹر متھو لکشمی ریڈی چلی آ رہی ہیں۔

نیشنل کونسل آف ویمن آف انڈیا کی بنیاد ۱۹۲۵ء میں بین الاقوامی کونسل آف ویمن کی
شاخ کے طور پر رکھی گئی اور اس کا الحاق بھی اسی بین الاقوامی انجمن کے ساتھ ہے۔ اس کی اب
پانچ صوبائی کونسلیں دہلی، بمبئی، بہار، صوبہ متوسط اور بنگال میں ہیں۔ یہ ایک ماہانہ بلیٹن شایع
رتی ہے جس میں ہندوستان اور تمام دنیا میں عورتوں سے متعلق خبریں درج کی جاتی ہیں۔
س کی رکنیت زیادہ تر انگریزی داں عورتوں تک محدود ہے جن کا تعلق سرکاری اور
دولت مند طبقوں سے ہے اپنے مخصوص حلقوں میں تو یہ خوب کام کرتی ہے اور عورتوں کے
مفاد کی پوری دیکھ بھال کرتی رہتی ہے لیکن ویمنز کانفرنس کے برابر یہ ہندوستان کی عورتوں کو
پنی جانب مائل [illegible]

آل انڈیا ویمنز کانفرنس اکتوبر ۱۹۲۶ء میں وجود میں آئی اور اس کا پہلا اجلاس [illegible]
میں تعلیمی اصلاح کی کانفرنس کی حیثیت سے ہوا تھا لیکن بہت جلد اس کے دائرہ عمل کو وسیع
کرنے کا [illegible] اس کے مقاصد اس قدر وسیع اور ہمہ گیر ہو گئے ہیں کہ

اس میں بہتر قسم کی تعلیمی اور معاشرتی ترقی، قومی اتحاد اور بہبود اور بین الاقوامی سمجھوتہ او
جاتی سب کو شامل کیا جاسکتا ہے۔ اس نے ویمنز انڈین ایسوسی ایشن اور نیشنل کونسل آ
ویمنز کے ساتھ مل کر شادی کی رضامندی عمر کے بڑھانے، بچوں کی شادی کے روکنے،
کے حق رائے کو وسیع کرنے اور ہندوؤں کے قانون کو مرتب شکل دینے میں پورا حصہ لیا
نئی دلّی میں لڑکیوں کو علوم خانگی سکھلانے اور اساتذہ کی تربیت کرنے کے لئے جوا
اروِن کالج چل رہا ہے وہ بھی اسی کی نگرانی اور اسی کی کوششوں سے چل رہا ہے۔ یہ کا
ڈپلوما تو عطا کرتا ہی ہے لیکن اس کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے نہ صرف عورتوں بلکہ مر
کو بھی اس بات سے واقف کر دیا کہ تدبیر منزل کے لئے عورتوں کی سائنٹیفک تعلیم و تربیہ
کیا فوائد حاصل ہوسکتے ہیں۔ اس کے زیر انتظام ایک آل انڈیا سیو دی چلڈرن فنڈ ایہ
ایشن بھی بنائی گئی ہے تاکہ ان لاوارث بچوں کے لئے گھر فراہم کئے جائیں جنہیں جنگ اور ق
نے پیدا کر دیا ہے۔

ہندوستان میں عورتوں کی جتنی دوسری انجمنیں ہیں ان سب کے مقابلے میں اس
کی رکنیت کی تعداد سب سے زیادہ ہے اور اس میں تمام طبقوں اور مذہبوں کی نمائند
شامل ہیں۔ اس کی شاخیں اور ماتحت شاخیں جن کی تعداد ۱۲۰ کے قریب ہے تمام صو!
بہت سی ریاستوں میں موجود ہیں۔ یہ کانفرنس سیاسی معاملات میں سختی کے ساتھ غیر جانب
سے کام لیتی ہے لیکن پھر بھی اس کا ایک مخصوص قومی نقطہ نگاہ ہے جس کی وجہ سے ا
ایک عام مقبولیت حاصل ہے، یہ ایک رسالہ "روشنی" نام کا نکالتی ہے، جس کا شما
کے اندر عورتوں کے ممتاز رسالوں میں کیا جاتا ہے۔ اس کے سالانہ اجلاسوں کا شمار ملک
اہم واقعات میں کیا جاتا ہے اور اس کی کارروائیوں سے سرکاری اور غیر سرکاری حلقے
زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔

مندرجہ بالا تمام انجمنیں غیر فرقہ وارانہ ہیں اور ہر چند اپنے مخصوص وجود کو قائم ر

کرتی ہیں۔ لیکن ضروری موقع پر وقتاً فوقتاً عورتوں کا ایک متحدہ محاذ پیش کرنے کے لئے
بانی ہیں۔ عورتوں کے حق رائے کے کو وسیع کرنے کی جب شورش کی جا رہی تھی تو ان
نے مشترکہ طور پر اپنے مطالبوں کو پیش کیا اور ان کی یہ مشترک کوشش نہایت موثر ثابت ہوئی
ان کے علاوہ عورتوں کی چار اور انجمنیں بھی ہیں جن کی اہمیت اتنی زیادہ تو نہیں ہے لیکن
ن کا تذکرہ ضروری ہے "نیشنل وائی۔ ڈبلیو۔ سی۔ اے" جو اپنے مشاغل کو تعلیمی اور معاشرتی
تک اور وہ بھی صرف عیسائی فرقے کے درمیان محدود رکھتی ہے۔ مسلم لیگ اور ہندو سبھا
ال ہیں عورتوں کے شعبوں کو شروع کیا ہے لیکن ابھی تک ان کا کام صرف ابتدائی
ں ہے۔ ان کے علاوہ یونیورسٹیوں میں رہنے والی عورتوں کی انجمنوں کا بھی ایک وفاق
ن آف یونیورسٹی ویمن کے نام سے ہے جس کے اندر ترقی کے امکانات تو بہت ہیں لیکن
لیت ابھی تک بمبئی، کلکتہ اور مدراس کے شہروں تک محدود ہے۔

ہندوستان میں عورتیں تعلیمی اور معاشرتی حیثیت سے جتنی پس ماندہ ہیں اس کا قدرتی نتیجہ
ہ یہ تمام انجمنیں ملک کی عورتوں کے ایک نہایت مختصر تناسب کو متاثر کر پاتی ہیں۔ عورتوں
ہت دیہات میں رہتی اور کھیتوں اور فیکٹریوں میں محنت کام کرتی ہے اور ان انجمنوں کی
تک نہیں پہنچ سکتی۔ ان کے لئے شہری حقوق یا سیاسی آزادی کے حاصل کرنے کا مسئلہ
نہیں ہے جتنا کہ اپنے لئے کسی نہ کسی طرح روزی کے فراہم کرنے کا ہے۔ اس لئے جب
رتوں کی انجمنیں ان تک پہنچنے کی کوشش نہ کریں ان کی تمام تحریک عزلت پسند اور بے اثر رہے گی
جہاں تک عورتوں کی تحریک کے مستقبل کا تعلق ہے اس کی ترقی کی لازمی شرط جیسا کہ
اوپر بیان کیا ہے یہ ہے کہ اس کو زندگی کے حقیقی مسئلوں سے اپنے آپ کو آج کے مقابلے
ہ زیادہ وابستہ کرنا چاہیے۔ حق رائے کی شورش انگیز تحریک کے زمانے میں انگلستان
ں نے جو محنت اور [illegible] برداشت کیں یا امریکہ کی عورتوں نے اپنے طبقے سے متعلق جو حقوق
کے سلسلے میں [illegible] ہیں ان کا مقابلہ ہم ہندوستان کی عورتوں [illegible]

کی تحریک سے کرتے ہیں تو ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ ابھی ہندوستان کی عورتوں کے لئے کتنا کام کرنا باقی ہے۔ لیکن ان کی کوششیں اس وقت تک مکمل نہ ہوسکیں گی جب تک حکومت کی طرف سے بھی ضروری قوانین وضع نہیں کئے جائیں گے۔ ایک حد تک تعلیم کے لئے سارجنٹ کے منصوبہ ہندو قانون کی اصلاح کے لئے راؤ کے مسودے اور سنٹرل سیلتھ سروے کمیٹی کی تحقیقات کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان سے ایک نئے دور کا آغاز ہوگا۔ لیکن یہ سب چیزیں ابھی تک خیالی منصوبے کی منزل سے آگے نہیں بڑھی ہیں جب تک ان کو عملی جامہ پہنانا شروع نہیں کیا اس وقت تک یہ بیکار ہیں۔ حکومت کی کوششوں میں اب تک اس وجہ سے رکاوٹ پیدا ہوتی رہی کہ وہ ایک طرف تو مذہبی اور معاشرتی معاملات میں غیر جانبدار رہنا پسند کرتی ہے اور دوسری طرف بین الاقوامی معاملات میں جنگ جوئی سے اُسے فرصت نہیں ملتی۔ لیکن انگلستان میں تعلیم کا نیا قانون جامعی تحفظ اور قومی صحت کے لئے منصوبے جنگ کے نہایت تشویشناک زمانے ہی میں بنائے گئے میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ کام وہاں کی قومی حکومت نے انجام دئے ہیں۔ اس سے بھی ہم ہندوستا ایک سبق لے سکتے ہیں۔

لیکن ہمارے لئے صرف انگلستان ہی درسِ عبرت فراہم نہیں کرتا بلکہ جاپان، روس، ترکی میں جو کچھ پچھلے پچیس سالوں میں عوام کی کثیر تعداد کی تعلیم، حفظانِ صحت اور معاشرتی ترقی لئے کیا جاتا رہا ہے اس کی اہمیت مشرقی ملک ہونے کی وجہ سے اور بھی زیادہ ہے۔

اس لئے ہندوستان کی عورتوں کی موجودہ حالت اگرچہ اندیشہ سے خالی نہیں ہے، پھر بھی ان کا ماضی حوصلہ افزا ہے اور مستقبل کے لئے خوش آئند توقعات قائم کی جاسکتی ہیں

لکشمی۔ این۔ مینن

مسلم راجپوت برادری

مسلم راجپوت[1] راگھڑوں کی برادری کی تاریخ اور ہندوستان کے مختلف شہروں
ان کی تقسیم کے بارے میں مجھے بتلایا گیا ہے کہ ان کا حال راؤ صاحب راؤ عبدالحمید خاں
صاحب رئیس پیر ھیٹی ضلع مظفر نگر سے معلوم کیا جا سکتا ہے جو آل انڈیا مسلم راجپوت کانفرنس
کے سکریٹری ہیں، لیکن ان سے ملاقات نہیں کر سکا۔

سہارنپور شہر میں یہ برادری چھ سات محلوں میں ہے۔ سب سے زیادہ آبادی چار محلوں میں
ہے (۱) محلہ داؤد سرائے (۲) محلہ جاٹوں (۳) کھجور تلہ (۴) لکھن تلہ۔ اس کے علاوہ شاہ بہلول
اور محلہ کشیرہ میں بھی ان کی آبادی ہے۔ محلہ ہرن ماراں اور محلہ چدیراواں میں ان کی آبادی
کم ہے۔ چند گھر محلہ پٹھان پورہ میں بھی ہیں۔ چند گھر محلہ منڈی اور محلہ شاہ مدار میں ہیں۔ کل تعداد
بارہ چودہ ہزار کے درمیان ہے۔

بھاجی (دعوت) کے حساب سے بھی آبادی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کچی بھاجی
میں آدھ سیر چاول اور پاؤ بھر دال تقسیم کی جاتی ہے۔ بعض محلوں میں دال کی مقدار کم ہے
پکی بھاجی میں مٹھائی ہوتی ہے۔ اور آدھ سیر فی کس تقسیم کی جاتی ہے۔

اس حساب سے سب سے زیادہ بھاجی محلہ داؤد سرائے میں تقسیم ہوتی ہے۔ یہ سارا کا سارا
محلہ راجپوتوں کا ہے۔ کچی بھاجی پندرہ من بٹتی ہے گویا بارہ سو آدمی ہوئے۔ کھجور تلہ میں
آٹھ من بٹتی ہے۔ جاٹوں کا محلہ چھوٹا ہے۔ کھجور تلہ میں کچھ پٹھان بھی آباد ہیں۔ ان حضرات کی
راجپوتوں کے ساتھ رشتہ داریاں بھی ہیں۔ اسی طرح لکھن تلہ اور شاہ بہلول میں بھی پٹھانوں

---

[1] یہ حالات حکیم محمد محمد کامل خاں صاحب کے بتلائے ہوئے ہیں جو "افضل" اخبار کے ایڈیٹر ہیں اور
آل انڈیا [illegible] کے سرگرم کارکن ہیں۔

کے ساتھ رشتہ داریاں ہوگئی ہیں۔ یہ سلسلہ بیس پچیس سال سے شروع ہوا ہے۔ پہلے یہ بات معیوب سمجھی جاتی تھی، لیکن اب یہ بات نہیں رہی ہے۔ اس لئے بعض وقت راجپوتوں اور پٹھانوں کا شمار ساتھ ساتھ کیا جاتا ہے۔ اس میں غالباً کچھ الیکشن وغیرہ کی سیاسی مصلحتیں بھی ہیں۔ اول الذکر چھ محلوں میں، رعیت کے علاوہ باقی پوری آبادی راجپوتوں یا ان کے رشتہ دار پٹھانوں کی ہے۔

ان سب محلوں میں کچھ نہ کچھ کھیتی کا کام کرتے ہیں۔ یہ کام یا تو حدود (یعنی شہرپناہ) سے ملحقہ زمینوں) میں کیا جاتا ہے یا قرب وجوار کے دیہات مثلاً مانک مئو وغیرہ میں، کچھ لوگوں کی اپنی زمینیں ہیں اور کچھ دوسرے لوگوں سے زمین لے کر کھیتی کا کام کرتے ہیں۔

پکھن تلہ، شاہ بہلول اور کٹھرہ کے محلوں کے راجپوت لکڑی کا کام کرتے ہیں یعنی نقشین چوبی کام۔ یہ لوگ کارخانہ دار بھی ہیں اور کاریگر بھی ہیں۔ اس کے علاوہ عمارتی لکڑی کی دکانیں بھی ہیں۔ جو باغ کٹوائے جاتے ہیں ان کی لکڑی خرید کر کٹواتے اور اسے فروخت کرتے ہیں۔ سوختنی لکڑی کی بھی دوکانیں ہیں۔

محلہ جاٹوان میں زیادہ تر ملازم پیشہ ہیں اور کچہریوں وغیرہ میں ملازم ہیں۔

محلہ چنور برداروں کے راجپوت مزدوری کا، قلی کا اور ڈھلائی کا کام کرتے ہیں

ہرن ماران میں جراب کے کارخانوں میں کام کرتے ہیں اور باقی ملازم پیشہ ہیں۔

ان سب محلوں میں کچھ لوگ معمار وغیرہ کا کام بھی کرتے ہیں

محلہ شاہ مدار میں زمیندار قسم کے لوگ ہیں۔ خان بہادر [illegible] علی خاں صاحب اسی محلے میں رہتے ہیں۔ انھیں پہلی مرتبہ خان بہادر کا خطاب [illegible] جو تا کو راؤ بہادر کا خطاب ملا کرتا تھا۔

کچھ آدمی بہت معمولی پیمانے پر چوڑی، پنساری، [illegible] وغیرہ کا کام کرتے ہیں۔

کچھ وعدہ پیشہ قسم کے لوگ سگریٹ فیکٹری وغیرہ میں بھی ہیں۔ اس برادری کے لوگ دولت مند بڑے نام ہیں۔ کچھ متوسط الحال ہیں اور بیشتر مزدور پیشہ ہیں۔

کھیتی میں بعض لوگوں کے پاس اچھا کام ہے۔ کچھ لوگوں کے یہاں چالیس، پچاس ہزار کا سرمایہ ہے مثلاً سلہری کی فصل کی کاشت میں کسی کو بیس ہزار کسی کو ستائیس ہزار تک مل جاتا ہے۔ اس ذیل میں مندرجہ ذیل نام لائق ذکر ہیں۔

(۱) راؤ فضل محمد خاں: (۲) محمد اکرام خاں (۳) سلطان احمد۔

یہ محلہ بلکھن تلہ میں رہتے ہیں، اور پڑھے لکھے بھی ہیں۔

لکڑی کے کام میں بعض لوگوں کے اپنے ذاتی کارخانے ہیں، اور اچھا بڑا کاروبار ہے مثلاً محلہ بلکھن تلہ میں نظر محمد خاں صاحب، طفیل احمد صاحب وغیرہ بڑے کارخانے دار ہیں۔ اسی طرح محلہ داؤد سرائے میں محمد ظہیر خاں بڑے کارخانہ دار ہیں۔ اسی محلے میں کچھ اچھی حیثیت کے کھیتی کے کام کرنے والے لوگ ہیں۔

محلہ شاہ مدار میں قربان علی خاں، یعقوب علی خاں، راؤ محمد احمد خاں بڑے زمیندار ہیں اور ٹھیکیداری بھی کرتے ہیں۔ آرمی کنٹریکٹر ہیں، راؤ قربان علی خاں کا زرسری ہے جس کا نام چین میں نرسری ہے اور ہندوستان بھر میں اس کی شہرت ہے اور اسی سلسلہ میں ان کو خان بہادر کا خطاب بھی ملا ہے۔

محلہ جالاؤن میں بھی لوگ میونسپلٹی وغیرہ کے ٹھیکہ لیتے رہتے ہیں۔ محلہ جاٹوں اور کے جاٹ مشہور ہے کہ ایک روایت تو یہ ہے کہ ان کے مورث اعلیٰ کے بال (جٹ) بڑے بڑے تھے اور دوسری یہ کہ جٹ راجپوتوں کا ایک گوت ہے۔ دراصل یہ لوگ جاٹ نہیں۔ اس کا محلہ کو یہ بینسبت [illegible] ہندو جاٹوں کا ایک محلہ آباد ہے۔

محلہ [illegible] سلسلہ میں محمد [illegible] خاں کا نام لائق ذکر ہے

راجپوتوں میں جو لوگ کھیتی کرتے ہیں ان کے پاس عموماً دو سو۔ تین سو بیگھ کی خود کاشت کھیتی ہوتی ہے۔ کچھ زمینیں ان کی اپنی ہوتی ہیں اور کچھ لگان پہلے لیتے ہیں۔ راؤ قربان علی خاں صاحب کا ایک اپنا ذاتی گاؤں ہے جس کا نام مکہ بانس ہے۔ ان کا باغ اور نرسری اسی گاؤں میں ہے۔

کچہری کے پاس راؤ محمد خاں صاحب کا باغ ہے جس میں قلمیں وغیرہ بندھتی ہیں۔ ملازم پیشہ لوگوں میں بعض ریلوے میں کلرک ہیں۔ ایک نائب تحصیلدار محلہ ملکھن تلہ کے رہنے والے ہیں جن کا نام رضوان اللہ صاحب ہے۔ تھانیدار کئی ایک تھے لیکن اب سب ریٹائر ہو چکے ہیں۔ کلکٹری میں بھی کچھ لوگ ملازم ہیں۔ چیف ریڈر عبدالرشید خاں صاحب بھی راجپوت ہیں۔ کلکٹری میں کچھ اور کلرک بھی ہیں۔ ڈاکٹروں میں ڈاکٹر فیاض خاں صاحب ہیں جو مسلم یونیورسٹی میں ڈاکٹر تھے اور اس کے بعد کچھ دن جامعہ ملیہ میں بھی کام کیا ہے۔ کچھ لوگ تعلیمی محکمہ میں بھی ہیں۔ پانچ دس سال سے پڑھے لکھے لوگ بھی ہونے لگے ہیں۔ دو تین بی اے ہیں۔ ظفر احمد خاں صاحب بی اے، ایل، ایل، بی امپیریل سکریٹریٹ میں ملازم ہیں۔ ڈاکٹر فیاض خاں صاحب کے لڑکے ریاض خاں صاحب بی اے بی ٹی ہیں، اور علی گڑھ کے اسلامیہ ہائی اسکول میں ٹیچر ہیں۔ غلام محمد خاں ایم اے، ایل ایل بی وکالت کرتے ہیں۔ یہ نگرٹے کے رہنے والے ہیں۔ محلہ داؤد سرائے میں تو اس ایک نئے اور دو تین پرانے میٹرک پاس ہیں۔ محلہ چاٹوان میں بھی آٹھ نو میٹرک پاس ہیں۔ محلہ ملکھن تلہ میں بھی چار پانچ ہیں۔ محلہ ہرن ماران میں دو تین ہیں۔ محلہ شاہ غفار میں بھی ایک نے میٹرک پاس کیا ہے۔

محلہ داؤد سرائے اور محلہ چاٹوان میں لڑکیوں میں بھی تعلیم پائی جاتی ہے۔ محلہ چوک میں بھی کچھ گھر راجپوتوں کے ہیں جن میں تعلیم ہے۔ تعلیم صرف پرائمری ہے۔ نماز روزہ سے واقفیت پیدا کرا دی جاتی ہے۔ محلہ چیتور بردارن میں ایک دو لڑکیاں میٹرک پاس ہیں۔

مدرسہ مظاہر العلوم یا دیوبند میں کسی نے تعلیم نہیں پائی ہے کچھ بچے تو مکتب میں پڑھتے ہیں کچھ اسلامیہ ہائی اسکول میں پڑھتے ہیں۔

ایک انجمن اتحاد مسلم راجپوتان برائے نام قائم ہے۔ اس نے رسوم قبیحہ کو روکنے کی بھی کوشش کی ہے، جو لوگ تعلیم یافتہ ہیں ان میں تو رسومات قبیحہ کے انسداد کا کام ہو جاتا ہے بقیہ میں باوجود جد و جہد کوئی کامیابی نہیں ہوئی ہے۔ تندرستی عام طور پر عورتوں، مردوں میں اچھی ہے۔ کسرت وغیرہ کا غیر تعلیم یافتہ لوگوں میں کچھ شوق ہے لیکن عام طور پر کوئی شوق نہیں ہے۔

عام طور پر بری عادتیں نہیں ہیں۔ لیکن بے پڑھے لکھے لوگوں میں جو جہالت کی باتیں پائی جاتی ہیں وہ ہیں کبھی کبھار کوئی شخص شراب خوری میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے اور کسی کسی میں جوئے کی لت بھی ہو جاتی ہے۔

شادی بیاہ عام طور پر برادری کے اندر ہی ہوتا ہے۔ شہر کے کچھ خاندانوں میں لیتہ پٹھانوں کے یہاں لین دین شروع ہو گیا ہے۔

برادری کی پنچایت ہر محلے میں ہے۔ پنچایت کے چودھری ہوتے ہیں۔ کسی محلے میں دو، کسی محلے میں چار، کسی میں پانچ۔ لیکن چودھریوں کا اقتدار بہت زیادہ نہیں رہا ہے شادی بیاہ کا تنازعہ یا خانگی جھگڑوں کا تصفیہ پنچایت کے ذریعے ہو جاتا ہے۔

برادری کا انتظام قائم ہے۔ لیکن پہلے جیسا محکم نہیں ہے۔

بیاہ شادی اور دیگر تقریبات پر خرچ بہت زیادہ ہیں، برادری کو کھانا دینے، جہیز اور بھات (جو بہن کو بھائی کی طرف سے دیا جاتا ہے۔) میں خرچ بہت زیادہ ہو جاتا ہے۔ پیسے والے اب رسومات میں کمی کر رہے ہیں لیکن غیر تعلیم یافتہ لوگ پیسے سے زیادہ بڑھ چڑھ کر خرچ کر رہے ہیں واضح رسوم کی زیادہ مخالفت چودھری کر رہے ہیں اور انھوں نے اس کام کو نہیں چھوڑا شادی وغیرہ عام طور پر قرض لے کر بھی کرتے ہیں اور ان کا

قرض میں پھنس جاتے ہیں۔

شہر کے راجپوتوں میں زیادہ تر چوہان اور پنڈیر ہیں، اس کے علاوہ جاتون سردے وغیرہ ہیں۔ پنور اور تنور بھی ہیں۔

ضلع سہارنپور میں راجپوتوں کے بڑے مرکز تحصیل رڑکی میں کھیڑی سکراوتہ، جوالاپور ہیں، تحصیل سہارنپور میں رائے پور اور کھجاور ہیں۔ ویسے ضلع کے تقریباً ہر حصہ کے دیہات میں دو دو چار چار گھر ہیں۔ ان سب میں زیادہ تر چھوٹے زمیندار ہیں اور خود کھیتی کرتے ہیں۔ بعض بڑے بھی ہیں۔ راؤ علی احمد خاں بیہٹ کے پیرزادوں سے رشتہ داری کر راجپوت برادری کے دو اخبار جاری ہیں۔ ایک امرتسر سے مسلم راجپوت اور دوسرا گرامو شنکر پنجاب سے۔ ایک رہتک سے بھی نکلنا شروع ہوا تھا جو بند ہو گیا ہے۔

برادری کے ممتاز لوگوں میں حسب ذیل اصحاب قابل ذکر ہیں۔

۱۔ خان بہادر راؤ قربان خاں صاحب میونسپل کمشنر۔ یہ اچھے زمیندار ہیں، اردو کی اچھی تعلیم ہے۔ پہلے ان کے یہاں کا کاروبار شکرم والوں کے نام سے مشہور تھا۔ ریل نکلنے سے پہلے دہرہ دون کی ڈاک شکرم کے ذریعے جاتی تھی اور انہی کی شکرموں میں جاتی تھی۔ یہ نرسری اور زراعت کے کام میں بڑے ماہر ہیں۔ معاشرت پرانی وضع کی ہے۔ خان بہادر کا خطاب نرسری کے سلسلہ میں ملا ہے۔

۲۔ احسان اللہ خاں مرحوم تھانہ دار تھے۔ پڑھے لکھے تھے محلے میں با اثر تھے ان کے والد کی بھی محلہ میں بہت عزت تھی۔ ان کے لڑکے سات ہیں جو تقریباً سب ملازم ہیں۔

۳۔ محمد ظہیر خاں صاحب:۔ میٹرک پاس ہیں۔ منظور [illegible] کے نام سے فرنیچر ایک فرم اور سوڈا فیکٹری چلا رہے ہیں۔ آج کل شکر [illegible] میں حصہ دار ہیں صحرائی جائداد بھی ہے۔ این، آر، پال کے [illegible] کورس دو

کی دوکان ہے جو کچہری روڈ پر ہے۔ پانچ چھ بھائی ہیں جن میں سے بعض ملازم ہیں اور بعض کاروبار میں لگے ہوئے ہیں۔ ان سب کے والد نہایت مخلص سیدھے آدمی تھے۔ منظور اینڈ سنز کی فرم انھی کی قائم کی ہوئی ہے۔

۴۔ راؤ محمد کامل خاں صاحب :۔ آل انڈیا مجلس احرار کی جنرل کاونسل کے ممبر ہیں سرگرم کارکن ہیں۔ متعدد اخبارات جاری کئے "مجاہد"، "ہمدرد"، "آواز" اور "آج کل"، "افضل"۔ نکال رہے ہیں۔ صوبہ احرار کانفرنس کمیٹی کے ممبر اور ضلع احرار کے سکریٹری ہیں۔ مسلم راجپوتوں کے بارے میں زیادہ تر معلومات آپ ہی کے ذریعے سے حاصل ہوئیں۔

۵۔ ڈاکٹر فیاض خاں صاحب ریٹائرڈ ڈاکٹر مسلم یونیورسٹی۔

۶۔ محمد ابراہیم خاں صاحب ٹھیکیدار :۔ گورنمنٹ کنٹریکٹر تھے۔ بیس سال سے میونسپل کمشنر ہیں۔ جائداد صحرائی بھی ہے اور باغات بھی ہیں۔

غالباً صرف ایک ظہیر خاں صاحب انکم ٹیکس دیتے ہونگے باقی اور کسی شخص کی حیثیت انکم ٹیکس ادا کرنے کے لائق نہیں ہے۔ صحرائی جائداد والے البتہ مال گذاری ادا کرتے ہیں۔

راؤ محمد خاں صاحب کے پاس باغ اور گاؤں ہے۔ ان کی حیثیت ایک لاکھ سے اوپر ہوگی۔ خان بہادر قربان علی خاں صاحب کی حیثیت ایک لاکھ سے کم ہوگی۔ دس ہزار اور پچاس ہزار کے درمیان حیثیت رکھنے والے لوگ دس بارہ ہوں گے۔ ایک ہزار اور دس ہزار کے درمیان بہت سے ہوں گے۔

برادری کے خوش حال لوگوں کا سرمایہ زیادہ تر صحرائی جائداد میں لگا ہوا ہے سکنائی جائداد کی مقدار کم ہے۔ کچھ سرمایہ کوٹھی کے کارخانوں میں لگا ہوا ہے، کچھ لوگ کھیتی کے کام میں بھی لگاتے ہیں اور دوسرے کاموں میں سرمایہ

لگا ہوا نہیں ہے۔ زیورات کا شوق ہے۔ بعض لوگوں کی ٹکسیاں کرایہ پر چل
رہی ہیں۔ کاریں نہیں ہیں۔ عام طریقے پر لوگوں کی معاشرت پرانی ہے۔ نئی
وضع کا کچھ سامان ظہیر خاں اور راؤ قربان علی خاں کے یہاں ملے گا۔
ڈسٹرکٹ بورڈ میں اس برادری کے ایک ممبر یعنی راؤ علی احمد خاں صاحب ہیں

یہ آرزو تھی

یہ آرزو تھی کہ شعر و ادب کی دنیا میں
مرے حسین خیالوں کے باغ بھی ہوتے
دلوں کے سرد اندھیرے میں چاندنی کے لئے
مرے چراغ سے روشن چراغ بھی ہوتے

یہ آرزو تھی کہ اس ملک کے جوانوں کو
ہم اپنے قلب کی ساری حرارتیں دیتے
حیاتِ تازہ کے وہ ولولے عطا کرتے
جو مشتِ خاک کو تاروں کی رفعتیں دیتے

یہ آرزو تھی کہ ہم اپنی درس گاہوں میں
سیاستوں کے فریبوں کو فاش کر سکتے
یہ بن گئے ہیں روایت کے مصلحت کے جو بت
بس ایک بار انھیں پاش پاش کر سکتے

یہ آرزو تھی سیاست کے پہلوانوں کو
نیا خیال، نیا دل، نئی نظر دیتے
ان انقلاب کا نعرہ لگانے والوں کی
طبیعتوں ہی میں کچھ انقلاب کر دیتے

مگر تیری نگہِ لطف یاد آتی ہے
کبھی نظر نگہِ لطف کل سے ہٹ رہی ہے
کبھی تری تری زلفوں میں دل الجھ رہا ہے
بس آج اور نظر کا سباب ہو جائے
یہ آرزو ہے کہ کل انقلاب ہو جائے

آل احمد

حالاتِ حاضرہ

جس وقت سے جرمنی کی شکست یقینی ہوگئی روس کا رویہ بین اقوامی سیاست کا سب سے اہم مسئلہ بن گیا، اور اب بھی یہی مسئلہ سب سے نمایاں ہے۔ پچھلے سال خارجی وزیروں کی جو کانفرنس لندن میں ہوئی وہ روس کی وجہ سے ناکامیاب ہوئی، وسط دسمبر میں برطانیہ کے وزیر خارجہ مسٹر بیون متحدہ ریاستوں کے وزیر مسٹر برنز اور مسٹر مولوٹوف کی ماسکو میں ملاقات ہوئی جو نسبتاً بار آور تھی، مگر اس موقع پر بھی ایران اور ترکی کے متعلق جو گفتگو ہوئی وہ بے نتیجہ تھی۔ اب متحدہ اقوام کی مجلس تحفظ کا پہلا جلسہ ہو رہا ہے، اور یہ دیکھنا ہے کہ اس میں معاملات کس حد تک سلجھائے جا سکتے ہیں۔

جب کوئی خطرہ نظر میں نہ ہو تو حفاظت کی معقول تدبیریں بھی طرح طرح کی بدگمانیاں پیدا کرتی ہیں۔ روس نے جنگ میں بہت نقصان اٹھایا، لیکن برطانیہ اور متحدہ ریاستوں نے اس کی پوری مدد بھی کی، اور اب جو جرمنی کی طاقت بالکل مٹائی جا چکی ہے روس کا حفاظت کی تدبیریں کرتے رہنا برطانیہ اور متحدہ ریاستوں پر ایک طرح کی تہمت لگاتا ہے۔ روس نے فن لینڈ سے جو معاہدہ کیا ہے اس میں ایسے جزیروں کا پٹے پر لینا شامل ہے جو بہت اچھے ہوائی اور بحری مرکز بن سکتے ہیں، سویڈن کے جنوب میں ڈنمارک کا ایک جزیرہ بورن ہوم ہے جس پر روسیوں نے اپنی فوجیں جنگ کے آخری دنوں میں اتار دی تھیں، اور اب معلوم ہوتا ہے وہ اصرار کریں گے کہ جزیرہ بھی انھیں ایک لمبی مدت کے لئے پٹے پر دیدیا جائے۔ اس طرح پورا بحر بالٹک روسیوں کے قبضے میں آجائے گا، اور چونکہ استھونیا، لیتویہ اور لتھوینیا روس میں شامل کئے جا چکے ہیں، شمال مغ میں روس بالکل محفوظ ہوگیا ہے۔ مغرب اور جنوب مغرب میں پولینڈ، چکوسلوواکیا، ہنگری، رو بلغاریہ اور یوگوسلاویہ بالکل روس کے اثر میں ہیں۔ ان ملکوں میں کومیونسٹ حکومتیں قائم ہیں اور روسیوں نے یہ دیکھ کر کہ کومیونسٹ پارٹیوں کی حکومت مسلط کی گئی تو بہت سی عداوتیں

ہوجائیں گی اسے بہتر سمجھا کہ ان ملکوں کا معاشی نظام اپنے قابو میں کرلیں اور ان کی داخلی سیاست سے الگ رہیں۔ اس وقت ان ملکوں کی صنعت اور تجارت کو بحال کرنا صرف روس کی سرپرستی سے ممکن ہے، اور غالباً روس سے ان کا معاشی تعلق بڑھتے بڑھتے ایسا ہمہ گیر ہوجائے گا کہ ان کی سیاست بھی روس کی پالیسی سے علیحدہ نہ کی جاسکے گی۔ برطانیہ اور متحدہ ریاستوں نے اسے گوارا کیا ہے کہ روس اپنا یہ سیاسی اور معاشی حلقہ بنالے، اور اس کے بدلے میں وہ چاہتے ہیں کہ روس بھی اسی حد تک انھیں اپنے حلقے پھیلانے کی اجازت دے۔ ماسکو میں جو کانفرنس ہوئی تھی اس میں متحدہ ریاستوں کے وزیر خارجہ مسٹر برنز نے روس سے جاپان، مشرق بعید اور بحرالکاہل کے متعلق سمجھوتا کرلیا، اور اس کے بعد واشنگٹن چلے گئے۔ انھیں باقی مسائل سے خاص دلچسپی نہ تھی، یونان کے معاملے میں انھوں نے برطانیہ اور روس کے درمیان بحث ہونے دی، اور بالکل آخر میں برطانیہ کا صرف اس قدر ساتھ دیا کہ روسی خاموش ہوجائیں۔ ایران اور انڈونیشیا کے معاملوں میں بھی انھوں نے اپنا دامن بچایا یا دو رخی باتیں کیں، برطانیہ کی صریحی حمایت نہیں کی۔ اب ایران، یونان اور انڈونیشیا کے بارے میں مجلس تحفظ غور کرے گی۔ مگر متحدہ ریاستوں کی نمائندگی مسٹر برنز نہ کریں گے۔ انھیں واشنگٹن واپس جانا ہے۔

یہ سوال صرف برطانوی مدبروں کی زبان پر نہیں بلکہ ہر شخص کے ذہن میں ہے کہ جب روسیوں نے اپنی مغربی سرحد کی بہت اچھی مورچہ بندی کرلی ہے اور ان کو خطرہ اسی سمت سے ہے تو وہ ایران اور ترکی کو کیوں چھیڑ رہے ہیں، خود ایران سے انھیں کسی قسم کا اندیشہ نہ ہونا چاہیے، اگر کسی موقع پر ایران برطانیہ یا کسی اور ملک کا آلۂ کار بن گیا، تب بھی روسیوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جاسکتا۔ ایران کا تیل بے شک اپنی قیمت رکھتا ہے۔ لیکن روس میں تیل کی کمی نہیں وہ اگر چاہے تو اپنے "حلقے" کی تمام ضروریات پوری کرنے کے بعد دوسری منڈیوں میں تیل بیچ سکتا ہے۔ اسی طرح ترکوں سے کارس اور اردہان یا باسفورس و درۂ دانیال کے انتظام اور حفاظت میں شرکت کا مطالبہ کرنا بالکل بیجا معلوم ہوتا ہے۔ کوئی جبر کا دعوے کا کوئی کھا جائے تو بات سمجھ میں آجاتی ہے، مگر جنگ کے بعد ترکوں کی طرح

ادھر ادھر ہاتھ بڑھانا معقولیت اور فطرت کے اس قدر خلاف ہے کہ اسے کسی گہری مصلحت ہی پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ یہ مصلحت کیا ہے؟

غالباً روسی سیاست داں جن حالات کو پیش نظر رکھ کر مطالبے اور کارروائیاں کر رہے ہیں وہ اس جنگ کے پہلے کے یا اس وقت کے حالات نہیں ہیں۔ ان کی نظر میں ایسے ہوائی بیڑے ہوں گے جن کے پرواز پر وقت اور فاصلے کی کوئی قید نہ ہوگی۔ ایسے بم ہوں گے جو سارے ملکوں کو برباد کر سکتے ہیں، ایسی فوجیں ہوں گی جو اپنے پورے سازوسامان کے ساتھ ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچائی جا سکتی ہیں۔ ایسے جنگ کے خطروں کی پیش بندی بھی مناسب طریقے پر کرنا چاہیئے، اور اس وقت نہیں جبکہ خطرہ پیدا ہو جائے بلکہ اس وقت جب وہ محض امکانی معلوم ہوتا ہے، جیسکہ آج کل غالباً روسی یہ محسوس کرتے ہیں کہ متحدہ ریاستوں کی اپنی الگ دنیا ہے جو روس کے حلقے سے دور ہوگی، اور ایک بڑی مدت تک متحدہ ریاستوں کو تنگ نہ معلوم ہوگی۔ برطانیہ کا میدان بھی روس سے الگ ہی ہے، مگر مشرق قریب اور مشرق وسطےٰ میں ان کی حدود ایک دوسرے کے کچھ قریب آ جاتی ہیں، اس لئے یہ طے ہو جانا بہتر ہے کہ یہاں ملک اور قوت کی تقسیم کس طرح پر ہوگی۔ روسی چاہتے ہوں گے کہ ترکی ان کے ویسے ہی اتحادی بن جائیں جیسے کہ بلغاریہ اور رومانیہ۔ اور اگر وہ ایسے اتحاد پر راضی نہ ہوں تو اس کا قریب قریب صحیح اندازہ ہو جائے کہ وہ کسی حد تک اپنی مصلحت اور ضرورت، کس حد تک برطانیہ اور متحدہ ریاستوں کے مشورے کا لحاظ کرتے ہیں۔ ایران کی اپنی کچھ طاقت نہیں ہے، اس لئے روسی وہاں ایک قدم آگے بڑھ گئے ہیں اور آذربائیجان کے صوبے کو ملک سے الگ کر دیا ہے، ایرانیوں کو یقین ہے کہ آذربائیجان میں جو کچھ ہوا ہے اس کا ذمہ دار روس ہے، اور اسی وجہ سے ایرانی حکومت نے اس معاملے کو مجلس متحدہ کے سامنے پیش کیا ہے۔ مجلس اس معاملے میں کوئی کارروائی نہیں کر سکے گی، معاملہ روس اور ایران کے درمیان طے ہوگا مگر روس کو اندازہ ہو جائے گا کہ برطانیہ اور متحدہ ریاستیں کس حد تک ایران کی حمایت میں جو روس کی طرف امکانی خطرے کیا ہیں۔ ایران تو صرف ایک کمزور ملک ہے جو [illegible]

بات کا اندازہ کرنا ہی دہ ہے کہ برطانیہ اور متحدہ ریاستوں کی اغراض کی نوعیت و صلاحیت ہے۔

روسیوں کے طرزِ عمل پر اس بات کا کوئی اثر نہ ہوگا کہ برطانیہ میں لیبر پارٹی کی حکومت ہے
ہے یہ خیال صحیح نہ ہو کہ روسی اس عداوت کی بنا پر جو کمیونسٹ اور سوشلسٹ پارٹیوں میں
ع سے ہے لیبر پارٹی کو زک پہنچانے کی فکر میں ہوں گے۔ برطانوی وزارت اپنی طرف برطانیہ
ارجی سیاست میں تسلسل قائم رکھنا چاہتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ انھیں مصلحتوں اور
ولوں کی پابند ہوگی جو اب تک برطانیہ کے پیش نظر تھے۔ برطانیہ کے لئے ضروری ہے کہ بحیرۂ
بحر احمر پر روس کا قبضہ رہے، اور وہ قومیں جو اس بحری شاہ راہ کو بند کر سکتی ہیں یا اُسے برطانیہ
لے مخدوش بنا سکتی ہیں۔ برطانیہ کے اثر میں رہیں۔ اسی بنا پر جنگ کے دوران میں ہسپانیہ کو
نجار رکھنے کی پوری کوشش کی اور شمالی افریقہ کے ساحل کو جنگ کے اور میدانوں کے مقابلے
زیادہ اہمیت دی، اب برطانیہ بحر روم، مشرق قریب اور مشرق وسطے کو اپنا حلقہ بنانا چاہتا
ہسپانیہ۔ فرانس اور اٹلی سے پوری مفاہمت نہیں ہو سکی ہے۔ لیکن ان کی طرف سے کسی
نت کا اندیشہ بھی نہیں ہے۔ یونان میں ایسا انقلاب ہو سکتا تھا کہ روس کے اثر میں آ جائے
جہ سے برطانیہ نے وہاں مستقل اور قابلِ اعتبار حکومت قائم کرنے کا کام اپنے ذمے
اس پر تمام اتحادی اپنے اپنے طریقے پر رضامند تھے، مگر اس زمانے میں جبکہ یونان
خانہ جنگی ہو رہی تھی اور برطانوی فوج اور ہوائی بیڑا امن قائم رکھنے کی کوشش کر رہا تھا
پر طرح طرح کے اعتراض بھی کئے گئے۔ برطانیہ کی کامیابی نے دوسروں کا منہ بند کر دیا،
ابھی تک جب موقع ملتا ہے کچھ نہ کچھ کہہ دیتے ہیں۔ برطانیہ کا دعوے ہے کہ اس نے
میں جو کچھ کیا [illegible] سے کیا۔ حال میں اس نے وہ رقم جو جنگ کے دوران میں
کو بطور قرض دی گئی تھی معاف کر دی ہے اور اس کے علاوہ یونانی سکے کی قیمت کو بحال
سکے لئے اور قرض [illegible]

آگیا، اور انھوں نے روسیوں کو مخاطب کرکے کہا کہ وہ اور ان کی قوم بے بنیاد اعتراضات سننے تھک گئے ہیں۔ مسٹر بیون نے اس پر اصرار کیا کہ یونان اور انڈونیشیا کے معاملے پر مجلس میں مفصل بحث نہ ہو، اور ساتھ ہی اس پر زور دیا کہ ایران نے روس کے خلاف جو احتجاج کیا ہے اس پر بھی غور کیا جائے۔ ان کے معاملات پر بحث ہوئی تو اس کا نتیجہ یہ نکل سکتا ہے کہ روس پر عیب جوئی کا الزام لگے، اور یہ بھی ثابت ہو جائے کہ ایران میں انھوں نے بے جا مداخلت کی ہے۔ غالباً اس کے بچنے کے لئے روسی، ایرانی حکومت سے سمجھوتا کرلیں گے اور برطانیہ بدستور اعتراض کرتے رہیں گے۔

مغربی ایشیا میں صرف ترکی ایسا ملک ہے جو اپنی تمام مجبوریوں کے باوجود اپنی سیاست کو غیروں کے اثر سے آزاد رکھ سکے، ایران، عراق اور عرب ممالک میں اتنی ہمت اور طاقت نہیں ہے۔ اسی وجہ سے برطانیہ کو یہاں اپنا اثر قائم رکھنے کے موقعے ملتے رہیں گے، لیکن جنگ کے دوران میں برطانیہ کی تمام سیاسی کارروائیوں کا مقصد یہ تھا کہ ان ملکوں کے پرانے معاشی اور سیاسی نظام میں کوئی تبدیلی نہ ہونے پائے، کیونکہ اس سے جنگ کے انتظامات میں خلل پڑ سکتا تھا، اور اس رویہ نے ان تمام لوگوں کو برطانیہ کا مخالف بنا دیا جو جنگ کی کیفیت سے فائدہ اٹھا کر زندگی کے بوسیدہ نظام کو بدلنا چاہتے تھے اب یہ لوگ کیا کر سکتے ہیں سوا اس کے کہ روس کو اپنا سرپرست بنائیں، اور اس کی امید کریں کہ ان کے ملک میں ایسا انقلاب ہو جائے گا جس کی بدولت روس ان پر مسلط نہ ہو جائے گا، مگر ترقی کی راہیں نکل آئیں گی۔ قریب کے سرمایہ دار اور زمیندار اور وہ لوگ جو کمیونزم کو بے دینی کا نمونہ مانتے ہیں برطانیہ کا سہارا ڈھونڈیں گے اور یہ بہت ممکن ہے کہ ان کی وجہ سے خانہ جنگیوں کا سلسلہ شروع ہو جائے۔ روسیوں نے ہوشیاری سے کام لیا تو وہ اصلاح اور ترقی کے حوصلے کو کام کرنے دیں گے، لیکن وہ چاہیں تو مداخلت بھی کر سکتے ہیں۔ فی الحال انھیں نہ اعتراض کے سوا اور کسی بات کا اندیشہ نہیں ہے۔

ایسٹرن فیڈرل یونین انشورنس کمپنی لمیٹڈ

ہندوستان میں قائم شدہ

صدر دفتر ۹ کلایو اسٹریٹ، کلکتہ

سرپرست

عالی جناب ہز ہائنس نواب صاحب بھوپال — عالی جناب ہز ہائنس آغا خاں صاحب

مجوزہ سرمایہ	۶۰ لاکھ روپے	۶۰۰۰۰۰۰
جاری شدہ سرمایہ	بائیس لاکھ چوالیس ہزار ساٹھ	۲۲۴۴۰۶۰
ادا شدہ سرمایہ	بارہ لاکھ پچاس ہزار	۱۲۵۰۰۰۰

اپنے بیمے کے کاموں میں ہم سے مشورہ کیجئے۔ ایسٹرن فیڈرل، آگ، زندگی، رسل ورسائل موٹر، ہوائی جہاز کے خطرات، مزدوروں کا مالی معاوضہ، ضمانت اور عام حادثات کے ہر قسم کے بیمے کا کام کرتی ہے۔

ہندوستان کے مشہور شہروں میں ایجنسیاں ہیں

اور

ہمارے نمائندے دنیا کے ہر ملک میں ہیں

مندرجہ ذیل شہروں میں ہماری کمپنی کی شاخیں قائم ہیں

لندن، لاہور، بمبئی، حیدرآباد دکن، احمدآباد، کانپور، پشاور

TELHV سیلون اور فلسطین

دی مغل لائن لمیٹڈ

جنگ کے زمانے میں

عدن ، جدہ ، پورٹ سوڈان ،
مصر اور ماریشس

جانے والے ہمارے مسافر اور مال کے جہازوں کی آمد و رفت ناگزیر حالات کی وجہ سے بے قاعدہ رہی -

قیام امن کے بعد

ہمیں امید ہے کہ حالات عنقریب پہلے کی طرح ہو جائیں گے اور ان بندرگاہوں کو سفر کرنے والوں اور مال بھیجنے والوں کے لئے انشاء اللہ بہت جلد ہمارے جہازات پھر اسی مستعدی اور باقاعدگی سے آنے جانے لگیں گے -

دریافت طلب امور کے لئے

ٹرنر موریسن اینڈ کمپنی لمیٹڈ

۱۶ - بینک اسٹریٹ
بمبئی

جامعہ

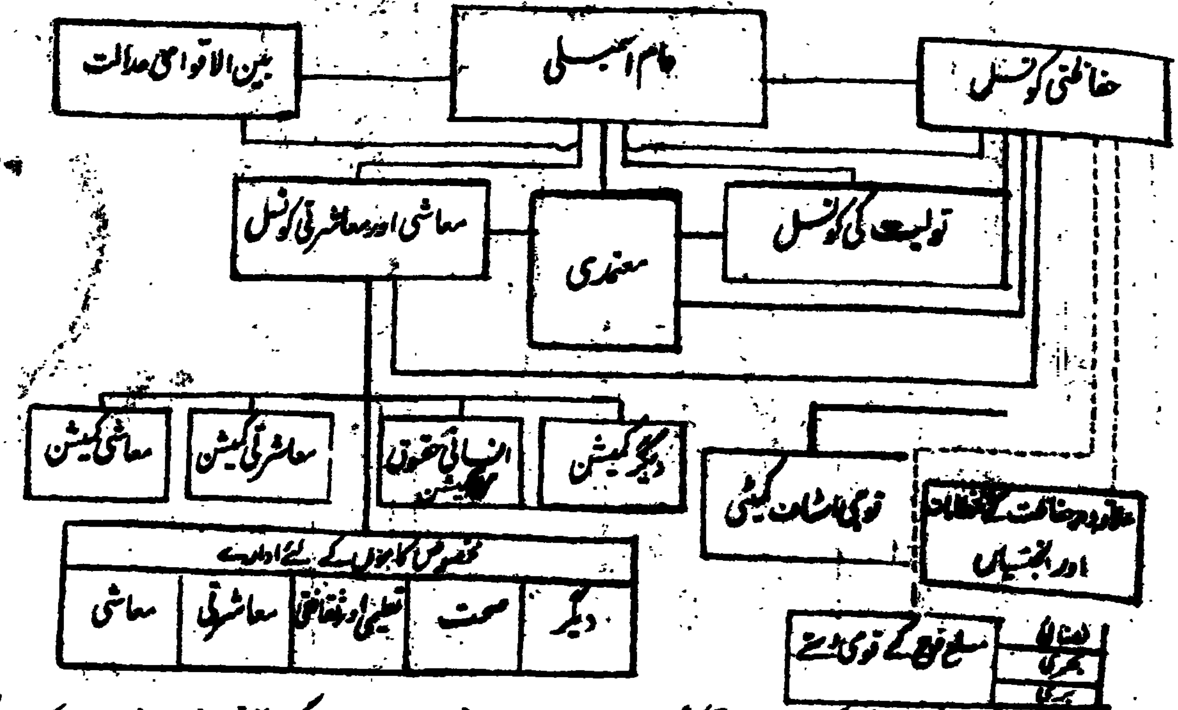
زیر ادارت۔ پروفیسر محمد عاقل ایم۔اے

جلد ۳۶ ۔ نمبر ۲ | بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۴۶ء [illegible]

فہرست مضامین

[illegible]

متحدہ اقوام کی تنظیم کا نقشہ



ـ ـ ـ ـ نقطہ دار خطوط تعلقات کے لئے جن کا تعین خصوصی راضی ناموں کے ذریعہ کیا جائے گا۔

متحدہ اقوام کا منشور اور ان کی بین الاقوامی تنظیم

جس طرح جنگ عظیم اوّل کی تباہ کاریوں نے دنیا کے نیک دل مدبّروں کو اس بات کے سوچنے کے لئے آمادہ کیا تھا کہ امن عالم کے قیام و استحکام کے لئے "انجمن اقوام" جیسی تنظیم کی تعمیر و تشکیل کی جائے اسی طرح جنگ عظیم ثانی کی ہولناک غارتگری اور آشوب خیزی نے دوبارہ اقوام عالم کو بین الاقوامی قانون اور انتظام کی طرف متوجہ کر رکھا ہے۔ غور و فکر کا یہ سلسلہ جنگ کے دوران میں شروع ہو گیا تھا۔ ابھی جنگ اپنے نہایت نازک دور میں تھی کہ منشور اطلانٹک کے ذریعے "متحدہ اقوام" نے ان بنیادی آزادیوں کے تحفظ کا اعلان کیا جن پر امن کی تعمیر منحصر ہے۔ اس کے بعد جب فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا لیکن معرکے کی جنگیں جیتنا ابھی باقی تھیں اس وقت "متحدہ اقوام" کی طرف سے منشور فلاڈلفیا کی صورت میں معاشرتی مقاصد کا اعلان کیا گیا۔ جب یورپ کی جنگ اپنی فیصلہ کن منزل سے گذر چکی تو ڈمبرٹن اوکس کی "تحفظ امن کی عالمی کانفرنس" میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ، سلطنت متحدہ برطانیہ، اتحاد روس اور چین کی چار بڑی حکومتوں نے دنیا کے سامنے "متحدہ اقوام" کے "عالمی تنظیم" کا ادارے کا خاکہ پیش کیا۔ اس کے بعد دنیا کی پچاس قوموں کی ایک کانفرنس سان فرانسسکو میں ڈمبرٹن اوکس کی تجاویز پر آخری فیصلہ کرنے کے لئے منعقد ہوئی جس میں متحدہ اقوام کا منشور متفقہ طور پر ۲۶ رجون ۱۹۴۵ء کو منظور کیا گیا اور جب تک یہ بین الاقوامی تنظیم وجود میں آئے اس درمیانی مدت کے لئے بعض عارضی انتظامات کو بھی منظور کیا گیا۔

"متحدہ اقوام" کا منشور حسب ذیل الفاظ کے ساتھ شروع ہوتا ہے:-

ہم متحدہ اقوام کی قوموں کا عزم بالجزم یہ ہے کہ آنے والی نسلوں کو جنگ کی لعنت

غارت گری سے بچائیں جس نے ہماری زندگی میں دو مرتبہ انسانیت کو ناقابل بیان رنج میں مبتلا کیا ہے۔

بنیادی انسانی حقوق، انسانی شخصیت کی قدر و منزلت، مرد اور عورت اور چھوٹی اور بڑی قوموں کے مساوی حقوق کے بارے میں اپنے عقیدے سے اولیائی کا دوبارہ اعلان کریں۔

ان حالات کو قائم کریں جن میں انصاف کیا جاسکے اور ان پابندیوں کا احترام کیا جاسکے جو معاہدوں اور بین الاقوامی قانون کے دوسرے ماخذوں کی وجہ سے عاید ہوتی ہیں۔

وسیع تر آزادی کی فضا میں معاشرتی ترقی اور زندگی کے بہتر معیاروں کو ترقی دیں۔

اوران مقاصد کو پورا کرنے کے لئے رواداری برتیں اور اچھے ہمسایوں کی طرح باہم مل جل کر امن کے ساتھ رہیں۔

بین الاقوامی امن اور تحفظ کو قایم کرنے کے لئے اپنی طاقت کو متحد کریں۔

اصولوں کی قبولیت اور طریقوں کے قیام کے ذریعے سے اس بات کی ضمانت کریں کہ مسلح طاقت کا استعمال سوائے مشترک مفاد کو پورا کرنے کے لئے کبھی نہیں کیا جائیگا۔

بین الاقوامی تنظیم کو تمام قوموں کی معاشی اور معاشرتی ترقی کے لئے استعمال کریں۔

ہم تہیہ کرتے ہیں کہ اپنی کوششوں کو ان مقاصد کے حاصل کرنے کے لئے متحد کرینگے

چنانچہ ہماری حکومتیں علی الترتیب اپنے ان نمائندوں کی معرفت، جو شہر سان فرانسسکو میں جمع ہوئے ہیں اور جنہوں نے اپنے اختیارات کے صحیح اور جائز ہونے کا ثبوت فراہم کر دیا ہے "متحدہ اقوام" کے موجودہ منشور کو منظور کرتی ہیں اور اس کے ذریعہ اس بین الاقوامی تنظیم کو جو متحدہ اقوام کے نام سے موسوم کی جائے گی، قایم کرتی ہیں۔

اس تمہید کے بعد منشور کی ایک سو گیارہ دفعات ہیں جنہیں انیس ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے پہلے باب میں اغراض و اصول ہیں۔ دوسرے میں رکنیت۔ تیسرے میں [illegible]

اس کی ہیئت ترکیبی، فرائض و اختیارات، رائے شماری اور طریقہ کار۔ پانچویں باب میں حفاظتی کونسل، اس کی ہیئت ترکیبی، فرائض و اختیارات، رائے شماری اور طریقہ کار۔ چھٹے باب میں جھگڑوں کے پُر امن تصفیہ کی دفعات ہیں۔ ساتویں باب میں امن کے خطرے میں پڑنے، نقض امن اور جارحانہ اقدامات کے خلاف کارروائی کی دفعات ہیں۔ آٹھویں باب میں علاقائی انتظامات کی دفعات ہیں۔ نویں باب میں بین الاقوامی معاشی اور معاشرتی اشتراک عمل کی دفعات ہیں۔ دسویں باب میں معاشی اور معاشرتی کونسل، اس کی ہیئت ترکیبی، فرائض و اختیارات، رائے شماری اور طریقہ کار۔ گیارہویں باب میں غیر خود مختار علاقوں کے بارے میں اعلان۔ بارہویں میں بین الاقوامی تولیت کا نظام۔ تیرہویں باب میں تولیت کی کونسل، اس کی ہیئت ترکیبی، فرائض و اختیارات، رائے شماری اور طریقہ کار۔ چودھویں باب میں بین الاقوامی انصاف کی عدالت جس کا مستقل آئین بطور ضمیمہ منشور کے اختتام پر دفعات اور پانچ ابواب کی صورت میں درج کیا گیا ہے۔ پندرھویں باب میں معتمدی (سکریٹریٹ) کے بارے میں دفعات ہیں۔ سولھویں میں متفرق دفعات ہیں۔ سترھویں میں درمیانی زمانے کے لئے تحفظ کے عارضی انتظامات کی دفعات ہیں۔ اٹھارھویں باب میں ترمیمات۔ اور انیسویں باب میں تصدیق اور دستخط کی دفعات ہیں۔

متحدہ قوموں کی تنظیم کی غرض و غایت مختصر الفاظ میں یہ ہے کہ اس کے تمام رکن اپنے بین الاقوامی جھگڑوں کو ایسے پُر امن طریقے سے طے کریں کہ جس سے امن تحفظ اور انصاف خطرہ میں نہ پڑ سکیں۔ اس کے ابتدائی رکن تمام وہ ملک ہیں جنہوں نے سان فرانسسکو کانفرنس میں شرکت کرنے کے بعد اس منشور پر دستخط کئے اور اپنی اپنی حکومتوں سے اس کی تصدیق کرائی۔ بعد میں اس کی رکن وہ مملکتیں ہو سکیں گی جن کی موافقت پر حفاظتی کونسل کی سفارش پر عام اسمبلی فیصلہ کرے گی۔

"متحدہ قوموں کی تنظیم کے حصے حسب ذیل ہوں گے: ایک عام اسمبلی، ایک حفاظتی کونسل

یت معاشی اور معاشرتی کونسل۔ ایک تولیتی کونسل۔ ایک بین الاقوامی عدالت۔ اور ایک مستقل

عام اسمبلی

"عام اسمبلی" میں "متحدہ اقوام" کے سب رکن شامل ہوں گے۔ اس کے عام اجلاس ہر سال ہوا کریں گے۔ اس کے ہر رکن کو صرف ایک رائے کا حق ہوگا۔ اگرچہ ہر رکن کے زیادہ سے زیادہ پانچ نمائندے تک اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کر سکیں گے۔

"عام اسمبلی" بین الاقوامی تحفظ اور امن سے متعلق ہر مسئلے پر جسے "متحدہ اقوام" یا "حفاظتی کونسل" یا کوئی ایسی مملکت جو "متحدہ اقوام" کی رکن نہیں ہے لیکن جو اس کے فیصلے کو قبول کرنے کی پیشگی رضامندی ظاہر کر چکی ہے پیش کرے، بحث کر سکتی ہے اور اگر وہ مسئلہ "حفاظتی کونسل" کے زیر غور نہیں ہے تو اس کے بارے میں اپنی سفارشوں کو، معاملات کو پُرامن طریقے پر طے کرانے کے لئے متعلقہ مملکت یا "حفاظتی کونسل" کے پاس روانہ کر سکتی ہے۔

"عام اسمبلی" کے سامنے "حفاظتی کونسل" کی طرف سے سالانہ رپورٹیں پیش کی جائیں گی جن میں بین الاقوامی امن اور تحفظ کے قایم رکھنے کے لئے جو کارروائیاں یا فیصلے "حفاظتی کونسل" نے کئے ہیں شامل ہوں گے۔

"عام اسمبلی" کے سامنے "متحدہ اقوام" کے دوسرے اعضا کی رپورٹیں بھی پیش ہوں گی۔

حفاظتی کونسل

"حفاظتی کونسل" "متحدہ اقوام" کے گیارہ اراکین پر مشتمل ہوگی۔ جمہوریت چین، فرانس، اتحاد روس، سلطنت متحدہ برطانیہ اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ اس کونسل کے مستقل رکن ہوں گے اور بقیہ چھ ممبروں کا انتخاب دو سال کے لئے غیر مستقل اراکین میں سے "عام اسمبلی" کرے گی۔ ہر رکن کا صرف ایک نمائندہ "حفاظتی کونسل" میں شرکت کر سکے گا اور ہر رکن کو ایک رائے دینے کا حق ہوگا۔ "کونسل" مجلس عاملہ کے فرائض انجام دے گی۔ "کونسل" کے ہر فیصلہ کے لئے سات اراکین کی تائید ضروری ہوگی جس میں مستقل اراکین کی تائیدی رائے کا شامل ہونا بھی ضروری ہوگا لیکن اگر کوئی رکن فریق کی حیثیت رکھے گا تو وہ رائے نہ دے سکے گا۔

"حفاظتی کونسل" کی تنظیم ایسی ہوگی کہ وہ مسلسل اپنا کام جاری رکھ سکے گی اور "متحدہ" کونسل کے

ہر ملک کے نمائندے کا ہر وقت موجود رہنا ضروری ہوگا۔ حفاظتی کونسل کے ان مباحث میں جو کسی تنازع سے متعلق ہوں گے فریقین متنازعہ کو چاہے وہ متحدہ اقوام کے رکن ہوں یا نہ ہوں شرکت کی دعوت دی جائے گی، گو وہ رائے نہ دے سکیں گے۔

"حفاظتی کونسل" منازعات کا تصفیہ کرانے کی کوشش ابتدءً باہمی گفت وشنید، تحقیقات، مصالحت، پنچایتی فیصلہ، عدالتی فیصلہ، علاقہ وار انتظامات یا دوسرے پُرامن ذرائع سے کرے گی لیکن جب وہ نقضِ امن کا احتمال دیکھے گی تو ابتداءً ایسی تہدیدی کارروائیوں کو اختیار کرے گی جن میں مسلح قوت کا استعمال ضروری نہ ہوگا۔ ان میں معاشی تعلقات، ریل، سمندر، ڈاک، ریڈیو اور دیگر ذرائع رسل ورسائل میں جزوی خلل اندازی اور سفیرانہ تعلقات کا انقطاع شامل ہوں گے، لیکن اگر حفاظتی کونسل یہ محسوس کرے گی کہ یہ ذرائع ناکافی ثابت ہوئے یا ہوں گے تو پھر وہ ہوا، سمندر اور خشکی کی فوجوں کے ذریعے ان اقدامات کو شروع کرے گی جو امن و تحفظ کو قائم رکھنے یا بحال کرنے کے لئے ضروری ہوں گے۔ اس کارروائی میں متحدہ اقوام کے اراکین کی ہوائی، سمندری اور خشکی کی فوجوں کے مظاہرے، ناکہ بندیاں اور دیگر کارروائیاں شامل ہوں گی اور متحدہ اقوام کے تمام اراکین اس مقصد کے لئے مخصوص معاہدوں کے مطابق ضروری افواج مہیا کرنے کے لئے پابند ہوں گے۔ حفاظتی کونسل کو مشورہ دینے کے لئے ایک فوجی اسٹاف کمیٹی ہوگی جو کونسل کے مستقل اراکین کے اعلیٰ ترین فوجی افسران پر مشتمل ہوگی۔

معاشی اور معاشرتی کونسل

استحکام اور بہبود کے ان حالات کو پیدا کرنے کے لئے جو قوموں کے درمیان مساوی حقوق اور خود ارادیت کے اصول کے مطابق پُرامن اور دوستانہ تعلقات قائم کرنے کے لئے ضروری ہیں، متحدہ اقوام حسب ذیل چیزوں کو ترقی دے گی:-

(الف) بلند تر زندگی کے معیار، کامل روزگار اور معاشی اور معاشرتی ترقی کے لئے مناسب حالات

(ب) بین الاقوامی معاشی، معاشرتی، صحتی اور متعلقہ مسائل کا تصفیہ اور بین الاقوامی ثقافتی، اور تعلیمی اشتراکِ عمل۔

(ج) نسل، جنس، زبان اور مذہب کا امتیاز کئے بغیر انسانی حقوق [illegible] آزادیوں کا [illegible] احترام۔

مندرجہ بالا مقاصد کو حاصل کرنے کی ذمہ داری عام اسمبلی [illegible] کے ماتحت ایک معاشی اور معاشرتی کونسل کام کرے گی جس کے اٹھارہ ارکین کا انتخاب عام اسمبلی کرے گی اور اس کے چھ چھ ارکین ہر سال تین سال کے لئے منتخب ہوا کریں گے۔ معاشی اور معاشرتی کونسل کے ہر رکن کا صرف ایک نمائندہ ہوگا۔ "معاشی اور معاشرتی کونسل" معاشی اور معاشرتی معاملات اور انسانی حقوق کی ترقی کے لئے کمیشنوں کا تقرر کرے گی اور اپنے دیگر فرائض کو پورا کرنے کے لئے بھی ان کمیشنوں کا جن کی ضرورت سمجھے گی تقرر کرے گی۔

غیر خود مختار علاقوں کے بارے میں اعلان

ایسے علاقوں کی حکومت کی ذمہ داری جن کو ابھی تک مکمل حکومت خود اختیاری نہیں مل سکی ہے متحدہ اقوام کے جن ارکین کے پاس ہے یا جو اس ذمہ داری کو بعد میں قبول کریں گے وہ سب اس اصول کو تسلیم کرتے ہیں کہ ان علاقوں کی آبادی کے مفاد کو مقدم اور برتر سمجھا جائے گا اور ایک مقدس امانت کے طور پر اس پابندی کو قبول کرتے ہیں کہ وہ بین الاقوامی امن اور تحفظ کو قائم رکھتے ہوئے ہر طرح ان علاقوں کی آبادی کی فلاح و بہبود کو ترقی دیں گے اور اس مقصد کے ماتحت۔

(الف) متعلقہ آبادیوں کے تمدن کا پورا لحاظ رکھتے ہوئے ان کی سیاسی، معاشی، معاشرتی اور تعلیمی ترقی، ان کے ساتھ منصفانہ برتاؤ اور خرابیوں سے ان کے تحفظ کی ضمانت کریں گے۔

(ب) ان کی رعایا کے سیاسی حوصلوں کا لحاظ رکھتے ہوئے حکومت خود اختیاری کو ترقی دیں گے اور ان کی آزاد سیاسی اداروں کی تدریجی ترقی میں امداد دیں گے۔

(ج) بین الاقوامی امن و تحفظ کو ترقی دیں گے۔

(د) ترقی کے تعمیری کاموں کو آگے بڑھائیں گے، تحقیقات [illegible] کی [illegible] کریں گے باہم میل جول رکھیں گے اور جہاں ضروری اور مناسب ہوگا بین الاقوامی [illegible] سے

تی دیں گے۔

(د) اور ان علاقوں کے بارے میں سکریٹری جنرل کو بطور اطلاع باقاعدگی کے ساتھ
معلومات اور اعداد و شمار فراہم کرتے رہیں گے۔

تولیت کی کونسل" "متحدہ اقوام" اپنی ماتحتی میں ان علاقوں کی حکومت اور نگرانی کے لئے جو اس کی تنظیم کو سپرد کیے جائیں گے ایک بین الاقوامی تولیت کا نظام قائم کرے گی۔ یہ علاقے حسبِ ذیل ہوں گے:۔

(الف) وہ علاقے جو اب انتداب کے ماتحت ہیں۔

(ب) ایسے علاقے جو جنگِ عظیم ثانی کے نتیجہ کے طور پر دشمنوں سے چھینے جائیں گے۔

(ج) ایسے علاقے جنھیں وہ مملکتیں جو ان پر اب حکومت کرتی ہیں، اپنی ذاتی رضامندی سے
مندہ کونسل کو سپرد کریں گی۔

تولیت کا نظام ان علاقوں پر منطبق نہیں کیا جائے گا جو "متحدہ اقوام" کے رکن بن گئے ہیں کیونکہ
ن کے تعلقات آزادی اور خود مختارانہ مساوات کے احترام پر مبنی ہوں گے۔

تولیت کے سلسلے میں معاہدوں کے مطابق جو فرائض عاید ہوں گے ان کو متحدہ اقوام "عام
اسمبلی" کے ذریعے انجام دے گی۔

"عام اسمبلی" کے ماتحت ایک "تولیت کی کونسل" ہوگی جو "عام اسمبلی" کو اپنے فرائض کے
انجام دینے میں مدد دے گی۔

"تولیت کی کونسل متحدہ اقوام کے حسب ذیل ارکین پر مشتمل ہوگی۔

(الف) وہ ارکین جو ان علاقوں پر حکومت کر رہے ہوں گے۔

(ب) حفاظتی کونسل کے وہ ارکین جو ان علاقوں پر حکومت نہیں کر رہے ہوں گے۔

(ج) اتنے ارکین جو اس بات کی ضمانت کر سکیں کہ تولیت کی کونسل کے ارکین کی تقسیم
اس طرح ہو کہ حکومت کرنے والے ارکین کی تعداد حکومت نہ کرنے والے ارکین کے برابر ہو۔

ان ارکین کو "اسمبلی" تین سال کے لئے منتخب کرے گی۔

تولیت کونسل کا ہر رکن اپنا ایک نمائندہ مقرر کرے گا جو اس کام کی خاص طور پر اہلیت رکھتا ہو گا۔

"عام اسمبلی" اور اس کی ماتحتی میں "تولیت کی کونسل" مندرجہ ذیل کام کرے گی۔

(الف) ان رپورٹوں پر غور کرے گی جو حکمراں حکومتیں "تولیت کی کونسل" کے سوال نامے کی بنیاد پر ان کے سیاسی، معاشی، معاشرتی اور تعلیمی ترقی کے بارے میں پیش کریں گی۔

(ب) درخواستوں کو قبول کرے گی اور حکمراں حکومتوں کے مشورے سے ان پر غور کرے گی۔

(ج) میعادی طور پر، حکمراں قوموں کے اتفاق رائے سے وقت کا تعین کر کے تولیت کے علاقوں کا دورہ کرے گی اور:۔

(د) مندرجہ بالا اور دیگر اقدامات کو تولیت کے معاہدہ کے مطابق کرے گی۔

"تولیت کی کونسل" کے ہر رکن کی صرف ایک رائے ہو گی اور اس کے فیصلے موجودہ ارکین کی اکثریت رائے سے ہوں گے۔

"بین الاقوامی انصاف کی عدالت"

"بین الاقوامی عدالت" اس آئین کے مطابق اپنا کام کرے گی جو "بین الاقوامی انصاف کی مستقل عدالت" کے آئین پر مبنی ہے اور جسے متحدہ اقوام کے منشور کا لازمی جزو قرار دیا گیا ہے۔

"متحدہ اقوام" کی تمام قوموں نے اس آئین کو منظور کیا ہے اور ہر اس مقدمہ میں جس کی وہ فریق ہوں بین الاقوامی عدالت کے فیصلوں کو ماننے کی ذمہ داری قبول کی ہے۔ اگر کوئی فریق عدالت کے فیصلے کے مطابق اپنی ذمہ داریوں کو پورا نہ کرے گا تو دوسرا فریق "حفاظتی کونسل" سے رجوع کر سکے گا جو یا تو ضروری سفارشوں کے ذریعے اس کا نفاذ کرائے گی یا اس کام کے لئے دوسرے ضروری طریقے اختیار کرے گی۔

معتمدی (سکریٹریٹ) "معتمدی" ایک سکریٹری جنرل اور اس عملہ پر مشتمل ہوگی جس کی کہ متحدہ اقوام کی تنظیم کو ضرورت ہوگی۔ سکریٹری جنرل کا تقرر "عام اسمبلی" "حفاظتی کونسل" کی سفارش پر کرے گی، اور وہ اس تنظیم کا انتظامی افسر اعلیٰ ہوگا۔ "عام اسمبلی" "حفاظتی کونسل" "معاشی اور معاشرتی کونسل" اور "تولیت کی کونسل" کے تمام جلسوں میں سکریٹری جنرل، معتمد کے فرائض انجام دے گا اور "عام اسمبلی" کے سامنے متحدہ اقوام کی تنظیم سے متعلق سالانہ رپورٹ پیش کرے گا۔

متفرق دفعات موجودہ منشور کے مطابق جو بھی معاہدہ متحدہ اقوام کا کوئی رکن کرے گا اس کی "معتمدی" میں رجسٹری کرانا ضروری ہوگی ورنہ متحدہ اقوام سے اس معاہدہ کی تعمیل کی درخواست نہیں کی جاسکے گی۔

متحدہ اقوام کی تنظیم کو اپنے ہر رکن کے علاقہ میں اس قسم کے حقوق اور مراعات حاصل ہوں گے جو اپنے فرائض کو آزادی کے ساتھ انجام دینے کے لئے ضروری ہوں گے۔

غرض متحدہ اقوام کا یہ منشور اور اس کی یہ بین الاقوامی تنظیم ہے۔ اس کی "عام اسمبلی" کا پہلا اجلاس آج کل لندن میں منعقد ہو رہا ہے۔ اس کے سامنے ایران، آذربائیجان میں روسی مداخلت کے مسئلہ کو پیش کرنے والا ہے اور روس، یونان اور انڈونیشیا میں برطانیہ کی مداخلت کے مسئلے کو اٹھانے والا ہے۔ یہ بھی افواہ ہے کہ روس ہندوستان کا مسئلہ بھی پیش کرنے والا ہے۔ یہ بہت اچھا ہے۔ ابتداہی میں اس بین الاقوامی تنظیم کی سچائی کی آزمائش ہو جائے گی۔ اگر اس کے فیصلے انصاف اور بے خوفی پر مبنی ہوئے تو آئندہ کے لئے اس کی ذات سے کچھ بہتر توقعات قایم کی جاسکیں گی ورنہ اس کے بارے میں بھی انجمن اقوام کی طرح یہ تاریخی کہاوت ہی صادق آئے گی

من ازیں بیش ندانم کہ کفن دزدے چند　　بہر تقسیم قبور انجمنے ساختہ اند!

اور دنیا کو ہولناک اور ہلاکت خیز جنگوں سے چھٹکارا نہ مل سکے گا۔

برٹن ووڈز کا راضی نامہ

زر کا بین الاقوامی ذخیرہ نقد

اور

از سرِ نو تعمیر و ترقی کے لئے بین الاقوامی بنک

تمہید لانے لے جانے اور خبر پہنچانے کی آسانیاں اب اتنی بڑھ گئی ہیں کہ جب کبھی ا
کے لین دین میں ذرا سا بھی نسبتی فائدہ ایک قوم کے لوگوں کو دوسرے کے
مقابلے میں نظر آتا ہے۔ فوراً مال کی درآمد یا برآمد شروع کردی جاتی ہے۔ لین دین کی اس سہ
نے ساری دنیا کو ایک واحد منڈی بنا دیا ہے۔ نمائش اور عیش کے بیش قیمت سامان تو بہت پر
زمانے سے دور دور کے ملکوں کو بھیجے اور وہاں سے منگائے جاتے تھے۔ یوں تو ان کی تع
اور مقدار بھی پہلے کے مقابلے میں اب بہت زیادہ بڑھ گئی ہے لیکن حیرت انگیز اضافہ آر
اور ضرورت کے ان بے شمار سامانوں میں ہوا ہے جو اپنے عریض اور طویل حجم اور سستی قیمت
باوجود ایک ملک سے دوسرے ملک میں آنے اور وہاں سے باہر جانے لگے ہیں۔ کئی ترقی یافتہ
ملک ایسے ہیں جو اپنی لازمی غذاؤں اور ناگزیر کچے مال کے لئے اپنی نو آبادیوں یا دوسرے زراعتی
ملکوں کے محتاج ہو گئے ہیں۔ اسی طرح صنعتی ترقی میں پچھڑے ہوئے ملک سب بنے ہوئے مالِ اور شے
کے لئے صنعتی ملکوں کے دست نگر بن گئے ہیں اور ایسا تو دنیا کا کوئی ملک نہیں ہے جو اپنی زند
کے اس اعلیٰ تر معیار کو، جس پر کہ اس زمانے میں وہ پہنچ گیا ہے، دوسرے ملکوں سے لین دین
بغیر قایم رکھ سکے۔

چیزوں کے لین دین کا کام زر کو ایک درمیانی کڑی بنانے سے بہت سہل ہو جاتا ہے جب سے اعتبار کے نظام کو ترقی ہوئی ہے، اعتباری آلات مثلاً چیکوں، رقعوں اور ہنڈیوں نے بھی زر کے ساتھ مل کر ایک درمیانی کڑی کا کام انجام دینا شروع کر دیا ہے۔ لیکن ان سب اعتباری آلات کو آخر میں سہارا زر ہی کا لینا پڑتا ہے۔ لیکن ملکی لین دین کے لئے تو ملکی زر موجود ہے بین الاقوامی لین دین کے لئے کوئی بین الاقوامی زر نہیں ہے۔ جنگ عظیم اول سے پہلے ان ترقی یافتہ ملکوں کے لئے جنہوں نے سونے کا معیار اختیار کر لیا تھا، ملکی زر ہی آسانی کے ساتھ بین الاقوامی زر کے فرائض بھی انجام دے سکتا تھا کیونکہ اس کی قدر ذاتی اور قدر قانونی میں کوئی فرق نہ تھا۔ وہ ملک کے اندر اور باہر ایک ہی قیمت پر چلتا تھا اور ملکی سکہ میں ہمیشہ ایک مقررہ شرح سے تبدیل کرایا جا سکتا تھا۔ اس لئے مختلف ملکوں میں مختلف سکوں کی موجودگی سے بین الاقوامی لین دین میں کوئی دشواری نہیں ہوتی تھی۔ ایک جگہ کی قیمتوں کا مقابلہ آسانی کے ساتھ دوسری جگہ سے کیا جا سکتا تھا اور باہمی مطالبوں کو سہولت کے ساتھ ادا کیا جا سکتا تھا۔ بین الاقوامی ذریعہ مبادلہ کا بیشتر کام خارجی ہنڈیاں انجام دیتی تھیں اور درآمد یا برآمد کی کمی یا زیادتی کی صورت میں سونے کی آزادانہ منتقلی سے "توازن[1] ادائی" کو قائم رکھا جا سکتا تھا۔

لیکن جنگ عظیم اول اور ثانی کے دوران میں اور ان دونوں جنگوں کے درمیانی زمانے میں سونے کے معیار کو قائم نہیں رکھا جا سکا۔ اس کی جگہ غیر نقد پذیر کاغذی زر نے لے لی اور

---

[1] "توازن ادائی" کی اصطلاح وضاحت چاہتی ہے۔ بین الاقوامی لین دین میں "توازن ادائی" کے معنی یہ ہیں کہ درآمد کی ادائی برآمد سے اور برآمد کی ادائی درآمد سے ہو جائے۔ لیکن جہاں تک چیزوں کا تعلق ہے ایسا کم ہوتا ہے کہ ایک ملک کی اشیاء کی برآمد بالکل اس کی اشیاء کے درآمد کے برابر ہو، کیونکہ ایک ملک دوسرے ملک کو جہاں مادی چیزیں برآمد کرتا ہے وہاں مختلف قسم کی خدمتوں کو بھی برآمد کر سکتا ہے۔ اس لئے "توازن ادائی" کی اصطلاح میں چیزوں اور خدمتوں دونوں کی درآمد برآمد کو شامل کیا جاتا ہے۔

ملکی سکہ کو غیر ملکی سکہ میں مقررہ شرح سے تبدیل کرنا ممکن نہیں رہا۔ سونے کی آزادانہ منتقلی رک گئی، اور "توازن ادائی" کے ناموافق ہونے کی صورت میں سونے کی آزادانہ برآمد سے توازن کا دوبارہ قائم کرنا مشکل ہوگیا۔

سونے کے معیار کی بڑی خوبی یہ تھی کہ اس کے اندر خودکاری پائی جاتی تھی، وہ حکومت کی پالیسی سے آزاد رہ کر خود مختارانہ طریقہ پر اپنا کام انجام دیتا تھا لیکن جب سونے کا معیار ملک کے اندر ختم ہوگیا اور اس کی جگہ غیر نقد پذیر کاغذی زر نے لے لی جس کی رسد کی فراہمی قدرتی حالات کی جگہ حکومت یا مرکزی بنک کی پالیسی کی پابند ہوگئی تو یہ خودکاری بھی ختم ہوگئی۔ اب مرکزی بنک زر کی رسد کی کمی اور بیشی کا فیصلہ کرنے لگے۔ زر کی قدر میں نہ ملک کے اندر کوئی ثبات و پائداری رہی نہ ملک کے باہر۔ شرح مبادلہ کا استحکام غیر یقینی ہوگیا۔ غرض، جنگ عظیم ثانی سے پہلے مبادلات خارجہ کی کچھ اس قسم کی نزاعی صورت تھی جس کی وجہ سے بین الاقوامی لین دین میں بڑی ابتری پیدا ہوگئی تھی۔

جب درآمد سے برآمد بصورت مجموعی زیادہ ہو تو یہ صورت حال غیر مختتم حد اور مدت تک جاری نہیں رہ سکتی کیونکہ بین الاقوامی لین دین کے اصول کے مطابق جلد یا بہ دیر، درآمد کی ادائی برآمد کے ذریعہ ہونا لازمی ہے ورنہ لین دین تجارت نہیں رہے گا۔ ڈکیتی، ٹھگی، دھوکا بازی یا خیرات بن جائے گی۔ اس لئے "توازن ادائی کا قایم رکھنا بہر حال ضروری ہوگا لیکن سوال یہ ہے کہ اس عدم توازن کو دور کرنے کے لئے کیا تدبیریں اختیار کی جائیں اور انہیں کون اختیار کرے؟

"توازن ادائی" کی ناموافقت کو دور کرنے کے لئے مندرجہ ذیل طریقوں میں سے کوئی ایک اختیار کیا جاتا رہا ہے:-

(۱) مبادلات کی فرسودگی کا طریقہ۔

(۲) تفریط زر کا طریقہ۔

(۳) زر کی قدر میں کمی کا طریقہ۔

(۴) مبادلات کی نگرانی کا طریقہ۔

(۵) درآمد کی تحدید کا طریقہ۔

یہاں ان طریقوں کی تفصیلات میں جانے کا موقع نہیں ہے، یہ سب ایک ناموافق صورت حال کو عارضی طور پر موافق کرنے کی تدبیریں ہیں لیکن ان سب طریقوں میں کوئی نہ کوئی خرابی پائی جاتی ہے۔ پہلے طریقے کی خرابی یہ ہے کہ اس سے زر کی خارجی قدر میں عدم استحکام پیدا ہوتا ہے اور ملکوں کے زر کی قدر گھٹانے کے لئے باہمی مسابقت شروع ہو جاتی ہے۔ دوسرے طریقے کی خرابی یہ ہے کہ اس سے اجرتوں اور منافعوں میں کمی ہوتی ہے اور بے روزگاری اور کساد بازاری پیدا ہوتی ہے۔ تیسرے طریقے کی خرابی یہ ہے کہ اس سے زر کی داخلی قدر میں استحکام باقی نہیں رہتا۔ چوتھے طریقے کی خرابی یہ ہے کہ حکومتیں من مانے طریقے پر مبادلات خارجہ کی فراہمی اور تقسیم کا کام انجام دینے لگتی ہیں۔ ادائیوں میں ہمہ رخی کی جگہ دو رخی پیدا ہو جاتی ہے۔ ترجیحی معاہدے اور دوسری امتیازی رعائتیں کی جاتی ہیں جن کی وجہ سے عنایت سے محروم ملکوں کو شکایت پیدا ہوتی ہے اور بین الاقوامی تعلقات میں بدمزگی اور کشیدگی رونما ہو جاتی ہے۔ آخری طریقے کی خرابی یہ ہے کہ اس کی وجہ سے بین الاقوامی تجارت میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے اور بصورت مجموعی دنیا کی پیداوار اور اس کا معیار زندگی گھٹ جاتا ہے۔

بنیادی خرابی درصل یہ ہے کہ ہر ملک کی ایک علیحدہ حکومت ہے اور اس کا اپنا علیحدہ زر کا اور بنک کا نظام ہے اگر بین الاقوامی حکومت کے ماتحت ایک بین الاقوامی زر اور بنک ہوتا تو بین الاقوامی تجارتی معاملات بھی ویسے ہی سہولت سے طے پا سکتے جیسے کہ ملکی معاملات طے پاتے ہیں۔

جنگ عظیم اول سے پہلے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ سونا ملکی زر کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی زر کے فرائض بھی انجام دیتا تھا لیکن جب دنیا کی قوموں نے یکے بعد دیگرے سونے کے معیار کو ترک کر دیا اور سونے کے بین الاقوامی معیار کی کامیابی کے لئے جو شرائط ضروری تھیں وہ پوری ہوتی بند ہو گئیں تو سونے کے ذریعے اس کام کو اس خوبی کے ساتھ انجام نہیں دیا جا سکا جیسا

کہ مزدوری تھا۔ پھر بھی ابھی تک سونے سے بے نیاز ہوکر کسی بین الاقوامی زر کو قایم کرنے کا موقع پیدا نہیں ہوا ہے۔ حتیٰ کہ روس کے ماہر معاشیات پروفیسر ماگرا کو بھی یہ بات کہنی پڑی۔ کہ روس بین الاقوامی معیار طلا کی حمایت کرتا ہے۔ جب صورت یہ ہے تو سونے کو تو بین الاقوامی زر کی بنیاد بنانا ہی پڑے گا۔ لیکن اس کے ساتھ بہت سے دوسرے طریقے ایسے اختیار کئے جا سکتے ہیں جن سے سونے کے معیار کی خامیوں کو دور کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ جنگ عظیم ثانی کے بعد کے زمانے کے لئے بین الاقوامی اشتراک عمل کے لئے جو تعمیری تجویزیں پیش کی گئیں ان میں بین الاقوامی زر اور بین الاقوامی بنک کی اسکیمیں خاص اہمیت رکھتی تھیں۔ انھیں انگلستان کے ماہر معاشیات پروفیسر کینس اور امریکہ کے وزیر مالیہ مسٹر مارگنتھو نے بنایا تھا۔ ان پر غور کرنے کیلئے امریکہ کی ریاست نیو ہیمپشائر کے مقام بریٹن ووڈز میں چوالیس قوموں کے نمائندوں کی ایک کانفرنس یکم جولائی ۱۹۴۴ء سے ۲۲ جولائی ۱۹۴۴ء تک منعقد ہوئی اور زر کے بین الاقوامی ذخیرہ نقد اور ازسرِ نو تعمیر و ترقی کے بین الاقوامی بنک کے بارے میں راضی نامے مرتب کئے گئے۔ ان راضی ناموں کی تصدیق، حکومت روس کے علاوہ، اکثر شرکاء کانفرنس کی حکومتوں نے کر دی ہے۔ ہندوستان کی حکومت نے بھی ہندوستان کی مقننہ کی منظوری کی امید پر اس کی تصدیق کر دی ہے۔ روس کی عدم شرکت کی وجہ سے ہندوستان کا شمار ان پانچ بڑے ملکوں میں ہونے لگا ہے جن کی نسبیہ کی مقداریں سب سے زیادہ ہیں اور جنھیں اس بنیاد پر ذخیرہ نقد کی مجلس عاملہ کے بارہ اراکین میں سے پانچ کو مقرر کرنے کا حق حاصل ہے۔

زر کے بین الاقوامی ذخیرہ نقد کا راضی نامہ

یہ راضی نامہ بیس دفعات اور پانچ جدولوں پر مشتمل ہے جن میں حسب ذیل امور سے بحث کی گئی ہے۔ پہلی دفعہ میں اغراض و مقاصد۔ دوسری میں رکنیت۔ تیسری میں نسبیہ اور چندہ جو تے میں رائج الوقت زروں کی قدر مساوات پانچویں میں ذخیرہ نقد سے لین دین۔ چھٹے میں سرمایہ کی منتقلی ساتویں میں قلیل الرسد زروں۔ آٹھویں میں اراکین کی عام ذمہ داریاں۔ نویں میں حیثیت آزادیاں

اور مراعات۔ دسویں میں دوسری بین الاقوامی تنظیموں سے تعلقات۔ گیارھویں میں غیر اراکین ملکوں سے تعلقات۔ بارھویں میں تنظیم و انتظام۔ تیرھویں میں دفاتر اور تحویلیں۔ چودھویں میں مجبوری دور۔ پندرھویں میں رکنیت سے علیحدگی۔ سولھویں میں ہنگامی تجاویز۔ سترھویں میں ترمیمات۔ اٹھارھویں میں تعبیر و تفسیر۔ انیسویں میں اصطلاحات کی توضیح۔ بیسویں میں آخری قواعد۔

جدولوں میں جدول (الف) میں نسبتیں (ب) میں قواعد جن کے ماتحت ایک رکن اپنے زر کو جو ذخیرہ نقد کے پاس ہوگا دوبارہ خرید سکے گا (ج) میں جماعت عاملہ کے ڈائرکٹروں کا انتخاب (د) میں جو رکن علیحدہ ہوں گے ان کے حسابات کا تصفیہ اور (ہ) میں ذخیرہ نقد کے ختم کرنے کی کارروائی کا انتظام۔

اس راضی نامہ کا خلاصہ درج کرنے سے پہلے ہم مقاصد رکنیت، نسبیہ اور چندہ اور رائج الوقت زروں کی قدر مساوات کی دفعات کو تفصیل کے ساتھ درج کرتے ہیں تاکہ راضی نامہ کی بنیادی شقوں کی نوعیت کا ایک اندازہ کیا جا سکے۔

مقاصد حکومتیں جن کی جانب سے موجودہ راضی نامہ پر دستخط کئے گئے ہیں مندرجہ ذیل شرائط کے مطابق اپنا کام جاری رکھے۔

زر کے بین الاقوامی ذخیرہ نقد کے مقاصد حسب ذیل ہوں گے:۔

(۱) زر کے بین الاقوامی اشتراک عمل کو ایک ایسے مستقل ادارہ کے ذریعے ترقی دینا جو زر کے بین الاقوامی مسئلوں کے بارے میں مشوروں اور یکجہتی کا انتظام کرے۔

(۲) بین الاقوامی تجارت کی توسیع اور متوازن ترقی کے لئے سہولتیں فراہم کرنا اور اس کے ذریعہ روزگار اور حقیقی آمدنی کے قیام و اضافہ اور تمام اراکین کے دولت آفرین وسائل کی ترقی میں یہ سمجھ کر حصہ لینا کہ یہ بات معاشی پالیسی کے ابتدائی مقاصد میں داخل ہے۔

(۳) مبادلات کے استحکام کو ترقی دینا، اراکین کے درمیان مبادلہ کے باضابطہ انتظامات کو قائم رکھنا اور مسابقت میں قدر مبادلہ کو گرانے سے اجتناب کرنا۔

(۴) اراکین کے درمیان رواں معاملات کے سلسلے میں ادائیوں کے جمعیت کفالت کے قیام میں مدد دینا اور مبادلۂ خارجہ کی ان پابندیوں کو ختم کرنا جو عالمگیر تجارت کی ترقی میں مزاحم ہوں۔

(۵) مناسب تحفظات کے ماتحت اراکین کو ذخیرہ نقد سے مستفید ہونے دینا اور اعتماد کی کیفیت پیدا کرنا اور اس طرح انھیں موقع دینا کہ وہ اپنے ادائیوں کے توازن کی اصلاح ایسے طریقے اختیار کر کے کر سکیں جن سے قومی یا بین الاقوامی خوش حالی کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔

(۶) مندرجہ بالا کے مطابق، اراکین کی ادائیوں کے بین الاقوامی توازن میں جو عدم توازن پیدا ہو اس کی مدت اور اس کی شدت کو کم کرنا۔

ذخیرہ نقد کا ادارہ اپنے تمام فیصلوں میں مندرجہ بالا مقاصد کو ملحوظ رکھے گا

ابتدائی اراکین ذخیرہ نقد کے ادارے کے ابتدائی رکن وہ ملک ہوں گے جن کی متحدہ اقوام کی زر اور مالیات کی کانفرنس میں شریک ہوئے ا کی حکومتیں ۳۰ دسمبر ۱۹۴۵ء تک اس کی رکنیت کو قبول کرلیں گی۔

دیگر اراکین دوسرے ملک اس وقت اور ان شرائط کے ماتحت رکن ہوں جنہیں کہ ذخیرہ نقد کا ادارہ مقرر کرے گا۔

نسبیہ ہر رکن کا ایک نسبیہ مقرر کیا جائیگا۔ متحدہ اقوام کی زر اور مالیات کی کانفرنس جو ملک شریک ہوئے تھے ان کا نسبیہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ دیگر کے نسبیہ کا تعین ذخیرہ نقد کا ادارہ کرے گا۔

نسبیہ کا جدول (امریکہ کے ملین ڈالر میں)

ریاستہائے متحدہ ۲۷۵۰ سلطنت متحدہ برطانیہ عظمیٰ ... [illegible]

چین = ۵۵۰ فرانس = ۴۵۰ ہندوستان = ۴۰۰ کناڈا = ۳۰۰ نیدرلینڈ = ۲۷۵
بلجیم = ۲۲۵ آسٹریلیا = ۲۰۰ برازیل = ۱۵۰ پولینڈ = ۱۲۵ چیکوسلوواکیا = ۱۲۵
جنوبی افریقہ = ۱۰۰ میکسیکو = ۹۰ یوگوسلاویا = ۶۰ چلی = ۵۰ کیوبا = ۵۰
کولمبیا = ۵۰ ناروے = ۵۰ نیوزی لینڈ = ۵۰ مصر = ۴۵ یونان = ۴۰ ایران = ۲۵
پیرو = ۲۵ فلپین = ۱۵ یوروگوئے = ۱۵ وینیزوئیلا = ۱۵ لگزمبرگ = ۱۰
بولیویا = ۱۰ عراق = ۸
حبش = ۶ جمہوریت ڈومینکن = ۵ ایکوڈار = ۵ گوآٹے مالا = ۵ ہیٹی = ۵ کوسٹاریکا = ۵
ایل سالوادر = ۲.۵ ہونڈوراس = ۲.۵ پیراگوئے = ۲ نیکاراگوا = ۲ آئس لینڈ = ۱ لیبیریا = ۰.۵
پناما = ۰.۵ میزان = ۸۸۰۰ ملین ڈالر۔

چندہ

(الف) ہر رکن کا چندہ اس کے نسبیہ کے برابر ہوگا اور یہ پورا چندہ ذخیرہ نقد کی تحویل میں اس تاریخ کو یا اس سے پہلے داخل کرنا ہوگا جب کہ وہ رکن ذخیرہ نقد سے زر خریدنے کا مجاز ہوگا۔ ہر رکن ذخیرہ نقد سے زر خریدنے کا اس وقت مجاز ہوگا جب اس کے زر کی قدر مساوات کا تعین کر دیا جائے گا۔

(ب) ہر رکن سونے کی صورت میں مندرجہ ذیل میں سے جو بھی چھوٹی رقم ہوگی اُسے داخل [illegible]

(۱) اپنے نسبیہ کا ۲۵ فی صدی۔

(۲) اپنے سونے اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کے ڈالر کے سرکاری ذخیرہ کا دس فی صدی۔ [illegible] کا اپنے سرکاری ذخیرہ کے معلوم کرنے کے لئے ذخیرہ نقد کے ادارے کو سہولتیں فراہم کرنا ہوں گی۔

(ج) ہر رکن اپنے چندہ کا بقیہ حصہ اپنے رائج الوقت زر کی صورت میں جمع کرے گا۔

رائج الوقت زروں کی قدر مساوات

(۱) الف۔ ہر رکن کے زر کی قدر مساوات [illegible] یا تو سونے کی صورت میں یا ریاست [illegible] کے اس ڈالر کی صورت میں [illegible] کے وزن اور کھرے پن کا [illegible] ۱۹۴۴ [illegible]

دار کو سامنے رکھ کر کیا جائے گا۔

(ب) اراکین کے زر کے بارے میں اس راضی نامے کے تحت جملہ حسابات اپنی قدر مساوات سے کئے جائیں گے۔

(۲) سونے کے سودوں کے لئے ذخیرہ نقد کا ادارہ قدر مساوات سے اوپر اور نیچے کی مختتم حدوں کا تعین کر دے گا اور کوئی رکن سونے کو، قدر مساوات جمع اوپر کی مختتم حد سے زیادہ پر نہ خرید سکے گا اور نہ قدر مساوات نفی نیچے کی مختتم حد پر فروخت کر سکے گا۔

(۳) اراکین کے زروں کے مبادلات کے بیش ترین اور کم ترین نرخ ان سودوں کے لئے جو ان کے علاقوں میں طے پائیں گے قدر مساوات سے صرف حسب ذیل حد تک اختلاف رکھیں گے

(الف) مبادلات کے فوری حوالگی کے سودوں کے لئے صرف ایک فی صدی تک۔

(ب) دوسرے مبادلات کے لئے فوری ادائیگی کے نرخ کے مقابلہ میں اس حد تک جس کو ذخیرہ نقد کا ادارہ معقول قرار دے گا۔

شرح مبادلہ کے استحکام کی ذمہ داری

(الف) ہر رکن اس ذمہ داری کو قبول کرتا ہے کہ وہ شرح مبادلہ کے استحکام کو ترقی دینے میں ذخیرہ نقد کے ادارے کے ساتھ پورا اشتراک عمل کریگا اور دوسرے ممبروں کے ساتھ مبادلات کے انتظامات کو باضابطہ رکھے گا اور شرح مبادلہ کی تبدیلیوں میں مسابقت کرنے سے احتراز کرے گا۔

(ب) ہر رکن مناسب تدبیروں کے ذریعے سے جو اس راضی نامے سے مطابقت رکھیں گی اپنے زر اور دوسرے اراکین کے زر کے مابین ایسے مبادلے کے سودوں کی اجازت دے گا جو مندرجہ بالا دفعہ کی حدود کے اندر ہوں گے جن اراکین کے زر کے متعلقین سونے کی آزادانہ خرید و فروخت کی اجازت اس شرح کے مطابق دیں گے جس کا کہ ذکر اوپر کیا جا چکا ہے ان کے بارے میں یہ سمجھا جائے گا کہ وہ اس ذمہ داری کو پورا کر رہے ہیں۔

قدر مساوات میں تبدیلی

کوئی رکن اپنی قدر مساوات میں تبدیلی کی تجویز پیش نہ کرے گا سوائے اس صورت کے کہ کسی بنیادی عدم توازن کی اصلاح

پیشِ نظر ہو۔ اس قسم کی تجویز صرف خود رکن کو پیش کرنا ہوگی اور اس کے لئے ذخیرہ نقد کی ادارے سے پہلے مشورہ ضروری ہوگا۔

جب تبدیلی کی کوئی تجویز پیش ہوگی تو ذخیرہ نقد کا ادارہ پہلے تو ابتدائی قدر مساوات میں جو تبدیلیاں ہو چکی ہیں ان پر غور کرے گا۔ اگر تمام سابق تبدیلیاں بشمول مجوزہ تبدیلی کے چاہے وہ اضافہ کے لئے ہو چاہے کمی کے لئے۔

(الف) ابتدائی قدر مساوات سے دس فی صدی تک زیادہ نہ ہوگی تو ذخیرہ نقد کا ادارہ اس پر کوئی اعتراض نہیں کرے گا۔

(ب) اگر مزید دس فی صدی تک ہوئی تو ادارہ اعتراض کر سکے گا لیکن بہر صورت اگر رکن کی یہ خواہش ہوئی تو ۷۲ گھنٹے کے اندر اپنا فیصلہ سنا دے گا۔

(ج) لیکن اگر (الف) اور (ب) سے مختلف ہوئی تو اس صورت میں اعتراض بھی کرے گا اور رضامندی بھی دے سکیگا۔ لیکن اُسے حق حاصل ہوگا کہ اپنا فیصلہ سنانے کے لئے زیادہ وقت کا مطالبہ کرے۔

(باقی)

سہارنپور میں گاڑوں کی برادری

اس برادری کی کوئی صحیح تاریخ نہیں دی جاسکتی۔ مختلف روایتیں بیان کی جاتی ہیں۔ ایک بات یقینی ہے کہ ایک چھوٹا سا گروہ ایسے لوگوں کا تھا جو پرگنہ فیض آباد ضلع سہارنپور میں جمنا کے کنارے آباد ہوا تھا۔ ۱۸۵۷ء سے پہلے ان کی تعداد بہت مختصر تھی۔ ان کی اصلیت کے بارے میں ایک روایت یہ ہے کہ عرب میں ایک تارہ قبیلہ تھا جو بحر قلزم کے کنارے آباد تھا۔ ان کا پیشہ کھیتی تھا۔ وہ لوگ یہاں آئے اور انہوں نے اس کام کو یہاں شروع کر دیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ گوڑ برہمن جب مسلمان ہوئے تو وہ گاڑا کہلائے۔ تیسری روایت یہ ہے کہ یہ چونکہ مذہبی اعتبار سے بچے تھے اس لئے گاڑھا مسلمان کہے جانے لگے۔

ان کی موجودہ شکل اس طرح پیدا ہوئی کہ ۱۸۵۷ء کے بعد چونکہ غدر کا الزام مسلمانوں پر رکھا گیا تھا۔ اس لئے شہر کے بہت سے اعلیٰ خاندان کے مسلمان دیہات میں پہنچ گئے اور دیہات میں مسلم راجپوتوں اور پٹھانوں کے جو خاندان تھے انہوں نے اپنے آپ کو گاڑا کہنا شروع کر دیا اور گاڑوں میں بالکل ہل مل گئے تاکہ سرکاری عتاب سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکیں۔ چنانچہ اب گاڑوں میں بہت سے خاندان ایسے ملتے ہیں جو اصل کے اعتبار سے مغل، سید، شیخ یا دوسری اعلیٰ برادریوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ منفعت علی صاحب وکیل سہارنپور صوبہ اسمبلی کے ممبر شیخ ہیں۔ پرانے کاغذات سے یہ بات ثابت ہے۔ یہ شیخ انصاری ہیں، ان کا شجرہ بھی ان کے پاس موجود ہے۔ ان کا خاندان موضع باغوں والی پرگنہ و ضلع مظفرنگر

لہ یہ حالات تمام مسٹر خورشید علی صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی کے بتلائے ہوئے ہیں جو گاڑا برادری کے ایک ممتاز رکن اور مسلم لیگ کے ایک سرگرم کارکن ہیں۔ آپ نے دوسری برادریوں کے حالات معلوم کرانے میں بھی بہت امداد فرمائی۔

ہے۔ ان کے خاندان کے بارے میں یہ روایت بھی بیان کی جاتی ہے کہ موضع دھلاپڑاؤ پرگنہ سرساوے سے یہ خاندان مظفرنگر پہنچا تھا۔

گاڑوں میں وجاہت کے اعتبار سے موضع گھنا خوب مشہور ہے یہاں کے لوگ پندرہ بیس گاؤں کے مالک ہیں۔ اس موضع میں بڑے بڑے مکانات موجود ہیں۔ یہ لوگ راجپوتوں سے مسلمان ہوئے ہیں اور ان کی رشتہ داری ابھی تک پرانے راجپوتوں کے یہاں ہے۔ محمد امیر صاحب جو سہارنپور کے نہایت ممتاز مختاروں میں ہیں، راجپوتوں ہی سے مسلمان ہوئے ہیں۔

موضع مانکی پرگنہ دیوبند، سالم کا سالم ان راجپوتوں کا ہے جو مسلمان ہوکر گاڑے کہلائے جانے لگے ہیں۔

موضع گوپالی پرگنہ دیوبند سالم کا سالم گاڑوں کا ہے اور اس میں گاڑے برہمن سے مسلمان ہوئے ہیں۔

سیانپلا بقال کے گاڑے بنیوں سے مسلمان ہوئے ہیں۔

بعض دیہات میں ہندو تگوں سے مسلمان ہوکر گاڑے بن گئے ہیں۔

دیوبند کے ایک نہایت ممتاز خاندان کے لوگ بہار سنگھ راجپوت کی اولاد سے ہیں۔ جو دیوبند میں ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمان ہوکر گاڑے بنے تھے۔ سر محمد رفیق ان ہی کی اولاد سے ہیں اس خاندان میں خان بہادر الٰہی بخش صاحب نہر کے ڈپٹی مجسٹریٹ رہے اور بعد میں اسسٹنٹ انجنیر ہوگئے۔ یہ سرسید کے شریک کار تھے، ان کی دو بیویاں۔ خاندانی بیوی سے محمد لطیف اور محمد صادق دو لڑکے ہوئے اور دوسری بیوی سے چار لڑکے ہوئے جن میں مشہور جسٹس سر محمد رفیق اور ڈاکٹر ذوالفقار احمد بھوپال والے ہوئے۔ اس شادی کے بعد دہلی میں سکونت اختیار کی اور دہلی میں گیارہ سال تک وائس چیرمین رہے۔ پرانی بیوی کی اولاد کو دیوبند کی جائداد ملی اور نئی بیوی کے لڑکوں نے تعلیم پائی۔ ایک صاحب سول سرجن ہوئے جن کا نام نہیں معلوم ہوسکا۔ ایک بیرسٹر ہوئے۔ محمد صدیق بار ایٹ لا تعلیم کے لحاظ سے گاڑا برادری میں اس

زیادہ ممتاز خاندان کوئی نہیں ہے۔

محمد لطیف صاحب کے بیٹے محمد ہاشم صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس تھے۔ انہوں نے سنہ ۱۹۰۲ء میں علی گڑھ سے بی۔ اے کیا۔ اور ہندوستانی ڈپٹی سپرنٹنڈنٹوں میں سب سے پہلے شخص تھے ان کے ایک لڑکے اب بیکار ہیں، ان کے دوسرے لڑکے گجرات میں پیشکار ہیں جسٹس رفیق صاحب کے صاحبزادوں میں احمد رفیق صاحب حیدرآباد میں شاید سپرنٹنڈنٹ پولیس ہیں۔

برادری کے لوگ سب سے زیادہ ضلع سہارنپور میں پائے جاتے ہیں۔ اس کے بعد ضلع مظفرنگر میں ہیں۔ اس کے بعد ضلع میرٹھ کی تحصیل موانہ میں کچھ ضلع انبالہ میں بھی ہیں اور کچھ بلند شہر میں بھی ہیں۔ جب گاڑا برادری کا آل انڈیا اجلاس ہوتا ہے تو اس میں شرکت کرنے کے لئے درخواستیں مختلف مقامات سے آتی ہیں اور ان سے پتہ چلتا ہے کہ گاڑے اور کہاں کہاں موجود ہیں۔

ضلع سہارنپور اور مظفرنگر میں پندرہ سال ہوئے مردم شماری کرائی گئی تھی تو ان کی تعداد اسی ہزار ہوئی تھی۔ اس کے صحیح اعداد سکریٹری آل انڈیا گاڑا کانفرنس سے مل سکیں گے شہر سہارنپور میں صرف محلہ جھوٹے والے میں زیادہ آبادی ہے۔ آبادی مشکل سے دو سو ہوگی، شہر میں یہ لوگ کبھی نہیں رہے ہیں۔ شہروں میں ان کی آبادی بہت تھوڑی ملے گی، قصبات میں البتہ ان کی آبادی مل جائے گی۔ شہر میں ملازمت یا وکالت کے سلسلے میں ہیں۔

۹۹ فی صدی چھوٹے زمیندار ہیں۔ دو دو سو چار چار سو بیگہ کی زمینداری ہے یا یوں کہئے کہ سو ایکڑ سے ۵۰۰ ایکڑ تک۔ یہ لوگ خود کاشت کرتے ہیں۔ پہلے زمینداری معقول تھی لیکن چونکہ کوئی دوسرا پیشہ اختیار نہیں کیا اس لئے زمینداری تقسیم ہو گئی۔ بعض خاندانوں میں بڑے زمیندار اور کاشتکار بھی ہیں، لیکن ان کی تعداد کم ہے۔

بڑے زمینداروں کے نام یہ ہیں:-

موضع گھانہ پرگنہ سہارنپور میں۔ حکیم انعام الحق وغیرہ۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اندازاً ایک لاکھ ...نہ ہے۔ بیس سالم گاؤں ان لوگوں کے پاس تھے۔ وہ سب قرضے میں نکل گئے ہیں۔ اخراجات ...بت زیادہ تھے۔ نواب مصعب علی کے پاس ۱۹۱۴ء میں سولہ ہزار کی جمع بندی تھی۔ لڑکے کے ...تنے میں ۱۷ ہزار کا خرچ ہوا۔ سب عیاشی، شراب، کوکین میں صرف کر دیا تھا، زندگی میں نادار ہو گئے ...ن کا لڑکا اب آٹے دال کی دوکان کرتا ہے۔

بڈھا کھیڑہ، پرگنہ سلطان پور میں:- ا۔ چودھری ظفر احمد صاحب ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ ...۔ لطیف احمد صاحب۔

پانڈولی پرگنہ سہارنپور میں:- امیر احمد صاحب۔ یہ نثار احمد صاحب وکیل کے خاندان ...ے ہیں۔

موضع تیتکی تحصیل و پرگنہ سہارنپور میں:- سلطان احمد صاحب۔ یہ پرگنہ دیو بند میں سب ...ے بڑے زمیندار ہیں۔ ان کے بعد دوسرا نمبر دیو بند میں محمد عبداللہ صاحب موضع سانپلا ...الوں کا ہے۔

برادری میں باہر کے شادی بیاہ کو برا سمجھتے ہیں۔ برادری کا نظام اپنی جگہ پر قایم ہے ...۱۹۱۰ء میں نثار احمد صاحب کے دادا منشی احمد علی صاحب نے برادری کو منظم کرنے کی کوشش ...ی لیکن انھیں زیادہ کامیابی نہیں ہوئی پھر ۱۹۲۰ء میں برادری کو تنظیم دی گئی۔ یہ کام خاں صاحب ...ی محمد ابراہیم صاحب نے انجام دیا۔ ۱۹۲۰ء میں انہوں نے حکومت کی ملازمت سے ریٹائر ...ر سہارنپور میں سکونت اختیار کی اور دیہات کا دورہ کر کے برادری کو تنظیم دی۔ ریڑھی ...ں مدرسہ قایم کیا۔ دس ہزار کی بلڈنگ بنائی۔ یہ موضع گاول ضلع و تحصیل مظفر نگر کے رہنے ...لے تھے۔ ان کی اصلاحی کوششوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ گاڑوں کے اندر سے ان کی ایک نہایت ...ی عادت جاتی رہی۔ ان میں عورتوں کے اغوا کے مقدمات بہت چلتے رہتے تھے لیکن

دس پندرہ سال سے یہ سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔ محمد ابراہیم صاحب نے برادری کی انجمن قایم کی۔ اب تنظیم کی صورت یہ ہے کہ تمام برادری کی ایک انجمن ہے۔ پورا سوشل نظام اس کے ماتحت چلتا ہے۔ اس کی شاخیں ہر تحصیل میں ہیں۔ پھر پانچ پانچ گاؤں کے حلقے کا سرپنچ مقرر کر دیا گیا ہے اور ہر موضع میں پنچایت ہے، جس کے پنچ ہیں۔ انجمن کے سالانہ اجلاس ہوتے ہیں زیادہ تر سوشل معاملات سے بحث کی جاتی ہے۔ شادی کے رجسٹر بنا دئے گئے ہیں۔ شادی بیاہ میں فضول خرچی ہوتی تھی اس برادری میں کم سے کم ۵۰ فی صد آمدنی مقدمہ بازی اور بیاہ شادی میں صرف ہوتی تھی لیکن اب پنچایت کی وجہ سے شادی بیاہ کی فضول خرچی تقریباً ختم ہو گئی ہے فضول ہندوانہ رسمیں بھی قریب قریب ختم کر دی گئی ہیں۔ ناچ تماشے سوانگ وغیرہ سب ختم ہو گئے ہیں۔ مقدمہ بازی بھی بہت کم ہو گئی ہے۔ لیکن اب بھی بہت کافی ہے۔

عبداللہ سیا پہلے میں ایک بارات تحصیل رڑکی کے ایک گاؤں سہنہ پور سے آئی تھی۔ اس میں چھ سو بارکش یعنی رتھ، بہل گاڑی وغیرہ آئی تھیں اور وہ خاندان اس شادی میں ہی ختم ہو گیا تھا۔

برادری کے لوگوں کی تندرستی بہت اچھی ہے۔ پٹھانوں میں اور ان میں فرق نہیں کیا جا سکتا۔ ان لوگوں کو ورزش کا بھی شوق ہے، اس لئے تندرستی بہت اچھی ہے۔

تعلیم بہت کم ہے۔ گریجویٹ تین، شہر سہارنپور میں ہیں۔ ایک دیوبند میں ایک رڑکی اور ایک مظفر نگر میں۔ کل دس گریجویٹ ہیں۔ کچھ کالج میں پڑھ رہے ہیں۔ وکیل تین سہارنپور میں ہیں۔ ایک دیوبند میں۔ ایک رڑکی اور ایک مظفر نگر میں۔

ملازمت میں زیادہ تر نہر کے محکمے میں ہیں۔ دو انجینیر ہیں۔ دو ڈپٹی مجسٹریٹ ہیں۔ ایک ڈپٹی کلکٹر ہیں۔ باقی کلریکل لائن میں ہیں اور کلکٹری یا ڈسٹرکٹ بورڈ میں ملازم ہیں۔ نہر کی ملازمت میں یہ لوگ شروع سے ہیں۔ فوج میں بھی کافی تعداد میں ہیں۔ پہلے سے بھی ہیں اور اس جنگ کے زمانے میں اور زیادہ ہو گئے ہیں۔ پہلے قومیت راجپوت وغیرہ لکھا دیتے تھے۔ کوشش کی

...ہ ایک گاڑا منیجنگ ایجنٹ بن جائے لیکن اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔

تجارت میں بہت کم ہیں۔ ایک تو محمد ابراہیم صاحب کے لڑکے جنرل مرچنٹس کی دوکان ہے ہیں۔ دوسرے قاسم حسن صاحب (اوکھلے کے سابق انجینیر نہر جو ریٹائر ہونے کے بعد بھوپال ریاست میں ملازم ہو گئے ہیں) کے دونوں لڑکے ہیں۔ ایک لڑکے کی رڑکی میں ہے کی دوکان ہے اور دوسرے کی تلی واران دہلی میں چمڑے کی دوکان ہے۔ الالیمن یوں کا ٹھیکہ منفعت علی صاحب کے بھائی کے پاس ہے۔

حکیم دیہات میں صرف ایک ہیں۔ مذہبی تعلیم میں حافظ قرآن عورتوں اور مردوں میں بہت ں گے۔ پانچ سات مولوی بھی ہیں۔ نماز روزے کے اس برادری میں سب سے زیادہ پابند

سہارنپور کے ڈسٹرکٹ بورڈ میں کل ۱۳ ممبر ہیں جن میں دس مسلمان ممبر ہوتے ہیں۔ ان سے ۹ ممبروں کا انتخاب ہوتا ہے۔ ان ۹ ممبروں میں سے تین ممبر گاڑا برادری سے تعلق لکتے ہیں اور ایک ممبر اور حلقہ دیوبند سے ان کا منتخب ہو سکتا ہے۔

برادری کے ممتاز لوگوں کے نام حسب ذیل ہیں۔ ممتاز زمینداروں کا نام پہلے دیا چکا ہے۔

۱ ۔ امانت علی صاحب ریٹائرڈ انجنیر مقیم رڑکی۔ تین چار لاکھ کی حیثیت کے آدمی ہیں۔

۲ ۔ مولوی منفعت علی صاحب وکیل ایم۔ ایل۔ اے سہارنپور کے نہایت ممتاز یلوں میں ہیں۔

۳ ۔ مسٹر خورشید علی صاحب وکیل مسلم لیگ کے سرگرم کارکن ہیں۔ میری اس تحقیقات ں صاحب موصوف نے بہت امداد فرمائی۔

۴ ۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب موضع خیل پور تحصیل رڑکی ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ۔

۵ ۔ حکیم قاسم علی صاحب موضع گنانا ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ

۶ ۔ چودھری مظفر صاحب موضع [illegible] ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ۔

۷- خاں صاحب قاسم حسن صاحب ریٹائرڈ سب ڈویژنل آفیسر نہر او کھلہ، جواب بھوپال میں ملازم ہو گئے ہیں۔

۸- علی جواد صاحب ڈپٹی کلکٹر۔

۹- علی جواد صاحب کے والد جو جھانسی میں ایس- ڈی- او نہر ہیں۔

نوٹ:- محمد سلیمان صاحب انجنیر دہلی کا تعلق بھی اسی برادری سے ہے۔

برادری میں تقریباً دس آدمی ایسے ہیں جن کی حیثیت ایک اور تین لاکھ کے درمیان ہے۔ پندرہ بیس ایسے ہیں جن کی حیثیت پچیس ہزار اور ایک لاکھ کے درمیان ہے ایک ہزار ایسے آدمی ہوں گے جن کی حیثیت پانچ ہزار اور پچیس ہزار کے درمیان ہے۔ ایک ہزار آدمی ایسے ہوں گے جن کی حیثیت ایک ہزار اور پانچ ہزار کے درمیان ہے۔ اور برادری کے اسی فی صد آدمی ایسے ہوں گے جن کی حیثیت ایک ہزار سے خاصی اوپر ہی ہوگی۔ ایک ہزار سے نیچے حیثیت رکھنے والے صرف پانچ فی صدی ہوں گے۔ برادری کا سرمایہ 99 فی صد صحرائی جائداد میں لگا ہوا ہے۔ سکنائی جائداد صرف بابو امانت علی کے پاس ہے اور قصبہ رڑکی میں سب سے زیادہ جائداد ان ہی کے پاس ہے فیکٹریوں اور کارخانوں میں بالکل روپیہ نہیں لگا ہوا ہے۔ دوکان کے کاروبار میں گنے چنے آدمیوں کا بیس بیس پچیس پچیس ہزار روپیہ لگا ہوا ہے۔ روپیہ سود پر نہیں چلاتے زیور وغیرہ کا شوق سب سے زیادہ ہے۔ شادی بیاہ کے موقع پر خرچ کا پچاس فی صد حصہ زیورات پر ہوتا ہے۔ غریب سے غریب گھر میں بھی سو دو سو کا زیور ہونا ضروری ہے قیمتی کپڑوں پر ... پندرہ بیس سال سے بہت کافی خرچ ہونے لگا ہے۔ پہلے پردہ بعض دیہاتوں میں نہیں تھا۔ خصوصاً سہارنپور میں لیکن اب پردہ ہر جگہ ہو گیا ہے مکان کے ساز و سامان اور فرنیچر پر زیادہ خرچ نہیں ہے۔ تانگے، یکے، رتھ وغیرہ اور گھوڑوں پر خرچ کیا جاتا ہے۔ اب پان اور چائے اور حقہ کا شوق دیہات میں بہت بڑھ گیا ہے۔ بچہ برس کی عمر سے بچہ حقہ پینا شروع کر دیتا ہے۔

مقدمہ بازی میں خرچ سب سے زیادہ ہے۔ پچاس فی صد مقدمہ بازی میں خرچ آتا ہے۔ خیرات، زکوٰۃ اور مذہبی کاموں کے لئے ان سے زیادہ چندہ دینے والا کوئی شخص نہیں ہے۔ عالم پرست زیادہ ہیں، پیر پرست نہیں ہیں۔

قرض کافی ہے جس شخص کے پاس گھر کی ایک ہزار دو ہزار کی زمین ہے ان پہ ایک دو ہزار کا قرضہ ضرور ہے۔ قرضہ بنیوں سے سودی کو لیا جاتا ہے اور پہلا قرضہ چلا آرہا ہے۔ سب بڑے بڑے زمینداروں پر قرض ہے۔ صرف تین چار خاندان ایسے ملیں گے جن پر قرض نہیں ہے۔ جائداد تقریباً پچاس فی صد نکل کر بنیوں کے ہاتھ میں پہنچ گئی تھی لیکن ۴۹ء میں برادری کی انجمن کے قایم ہونے کے بعد سے اس میں بہت کمی ہو گئی ہے۔

حالاتِ حاضرہ

جب باتیں بنانے سے کام چل جائے تو معاملہ باتوں پر ہی ختم ہو جاتا ہے۔ متحدہ اقوام
اسمبلی اور مجلس تحفظ کے پہلے جلسوں میں برطانیہ اور روس کے نمائندوں میں خوب بحث رہی اور
نتیجہ ہی نکلا جو مناسب تھا۔ روسی جانتے تھے کہ ایران کا مسئلہ مجلس تحفظ کے سامنے پیش کیا جا
اور انھیں اندیشہ تھا کہ برطانیہ ایران کا ساتھ دے گا۔ یہ اندیشہ نہ ہوتا تب بھی وہ جانتے
دنیا ان کے موجودہ رویہ پر حیرت کر رہی ہے کہ آزادی اور انقلاب کے ایسے شیدائی ہر
زبردستی اور سامراجیت کے طریقے اختیار کر رہے ہیں۔ اس لئے انہوں نے یونان اور ا
کی حمایت کا بیڑا اٹھایا اور برطانیہ کو ملزم کی حیثیت دینے کی کوشش کی۔ برطانیہ کے وزیر
کی پرورش پرانی وضع کے سیاست دانوں کے سائے میں نہیں ہوئی ہے، وہ بے تکلف
چڑھا کر کھڑے ہو گئے۔ موسیو وزنسکی کے بیانات سے یہ ثابت نہیں ہوا کہ آزربائجان کی
میں روس کی امداد شامل نہیں تھی، اور نہ روس نے غلط فہمیاں دور کرنے کے لئے کوئی ز
اٹھائی لیکن ایران اس پر راضی ہو گیا کہ ان کے اور روس کے درمیان براہِ راست گفتگو
متحدہ اقوام کو بیچ میں نہ ڈالا جائے۔ اگر روس کا رویہ وہی رہا جو کہ اب تک تھا تو ایرانیو
اس کا موقع ہوگا کہ متحدہ اقوام کو پھر بیچ بنائیں۔ لیکن اگر روس نے کوئی ایسے منصوبے
میں متحدہ اقوام کی مداخلت نا جائز ہو سکتی ہو تو متحدہ اقوام کی مجلس کے اگلے اجلاس کو بھگتنا ہے کہ برطانیہ پر الزامات
کی کوشش روسی سیاست کی طرف سے جو بدگمانیاں پیدا ہوئی ہیں انھیں دور کر سکی۔ بر
کی صفائی پیش کرنے کو یونان کے نمائندے موجود تھے۔ اور مسٹر بیون نے یہ بھی واضح کر
لیبر پارٹی اور مسٹر چرچل کی خارجی حکمت عملی میں کوئی فرق نہیں ہے، اس لئے مقصد یہ
کہ ایک رجعت پسند سیاست داں سے غلطی ہو گئی تھی۔ اب برطانیہ کا رویہ بہتر ہو گیا ہے

انڈونیشیا میں برطانوی فوج اب تک موجود ہے وہاں کی قومی حکومت سے تصادم کے امکانات اب بھی ہیں لیکن اس معاملے میں بھی روسی متحدہ اقوام کی رائے پر کچھ اثر نہ ڈال سکے بحث کی اصل نوعیت اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ جلسوں کے بعد مسٹر بیون اور مسیو ویژنسکی ملتے تھے اور ہنسی مذاق کی باتیں کرتے تھے۔

اسمبلی اور مجلس تحفظ کے جلسوں سے معلوم ہوا کہ متحدہ ریاستوں کی حکومت کا رویہ اب بدل گیا ہے۔ جنگ کے آخری دور میں امریکی قوم روس کی مداح تھی، حکومت کا انداز معترض کا سا تھا۔ اب روس کی سیاسی چالوں نے قوم کو بدظن کر دیا ہے۔ امریکی حکومت کا برتاؤ دوستانہ ہے بعض لوگ اس کا سبب یہ بتاتے ہیں کہ بحرالکاہل، جاپان اور چین کے معاملات میں روسی اور امریکی حکومتوں کے درمیان ایسا سمجھوتہ ہو گیا جس سے امریکی حکومت مطمئن ہے، اور اسے دلچسپی انھیں معاملات سے تھی۔ روس اور برطانیہ کی بحثوں میں متحدہ ریاستوں نے غیر جانب داری برتی، مگر کوئی ناگوار صورت پیدا نہیں ہونے دی۔ اگر روس اور برطانیہ کے درمیان واقعی شدید اختلافات تھے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ متحدہ ریاستوں نے جھگڑے کو بڑھنے نہیں دیا اور آخر کار دونوں میں سمجھوتہ کرا دیا۔ غالباً متحدہ ریاستوں کا اطمینان اس عالم کے لئے مفید ثابت ہوگا۔

انڈونیشیا کی قومی تحریک نے برطانیہ اور ہالینڈ کو اسقدر متاثر کر دیا ہے کہ اب وہاں حسب سابق ہالینڈ کی حکومت نہیں ہو سکتی۔ ہالینڈ اس پر راضی ہے کہ انڈونیشیا کو سوراج دیدے لیکن اس کے ساتھ شرطیں بھی ہیں۔ ہالینڈ کو یقین ہے کہ وقتی جوش میں انڈونیشیا نے ابھی سے بالکل قطع تعلق کر لیا تو اسے بہت سخت معاشی اور تہذیبی نقصان ہوگا، اور اس سے انڈونیشیا کو بچانے کے لئے یہ تجویز کیا گیا ہے کہ ایک خاص مدت تک دونوں کی مشترک حکومت ہو اس کی صورت یہ ہوگی کہ انڈونیشیا کی ایک پارلیمنٹ ہوگی جس کے بیشتر ارکین منتخب شدہ قومی نمائندے ہوں گے، حکومت کا کام وزیر کریں گے جو پارلیمنٹ کی پارٹیوں کے نمائندے ہوں گے اور وزارت کا صدر اور حکومت کا افسر اعلیٰ تاج کا نمائندہ ہوگا۔ مختلف نوآبادیوں کے معاملات

میں ربط پیدا کرنے کے لئے ایک امپیریل یعنی سامراجی کابینہ ہوگی جس کا مرکز ہالینڈ کا دارالسلطنت ہوگا۔ یہ نظام اس خاص مدت کے لئے تجویز کیا گیا ہے جس میں کہ انڈونیشیا اور ہالینڈ کا اشتراک عمل ضروری ہے اس کے بعد انڈونیشیا چاہے تو ہالینڈ سے بالکل الگ اور خود مختار ہو سکتا ہے۔ ہالینڈ کی حکومت نے اپنی نیک نیتی ثابت کرنے کے لئے اس کا وعدہ کیا ہے کہ وہ انڈونیشیا کو متحدہ اقوام کی صف میں جلد سے جلد شامل کرنے کی کوشش کرے گا۔ ہالینڈ کی طرف سے یہ تجویز ۱۰ فروری کو پیش کی گئی اور سر آرچیولڈ کلارک کر برطانیہ کے خاص نمائندے بنا کر بیٹے وِیا بھیجے گئے ہیں کہ اس تجویز کو غلط فہمیوں کی وجہ سے مسترد نہ ہونے دیں۔ انڈونیشیا کی قومی حکومت کے نمائندے گفتگو کر رہے ہیں، اب تک یہ معلوم ہوا ہے کہ تاج کے نمائندے کے اختیارات کی وضاحت چاہتے ہیں اور مدت کا بھی تعین کرانا چاہتے ہیں جبکہ حکومت مشترک ہوگی۔ اب تک انڈونیشیا کی قومی تحریک میں ایسے اختلافات نمودار نہیں ہوئے ہیں جن سے سامراجی مدبر فائدہ اٹھا کر ترقی کا راستہ بند کر دیتے ہیں۔ انڈونیشیا میں ایک جماعت انتہا پسندوں کی ہے جس کی وجہ سے برطانوی فوج کو مداخلت کا موقع ملا، ممکن ہے وہ اب بھی ایسا کچھ کرے کہ ہالینڈ کی حکومت اپنی تجویز کو واپس لے لے۔ مگر انڈونیشیا کو معاشی اور تہذیبی نقصان کے بچانے کا بہانہ اب کچھ بہت کام نہ دے گا۔ جاپان کے قبضے نے ڈچ اور ملی جُلی نسل کے لوگوں کے وقار کو بہت سخت صدمہ پہنچایا ہے اور ہالینڈ کی حکومت زبردستی قایم نہیں رکھی جا سکتی۔ انڈونیشیا کی قومی وزارت اپنی بات پر قایم رہی تو اسے ماننے کے سوا چارۂ نہ ہوگا۔

آذربائجان کی بغاوت نے صرف ایران ہی میں نہیں بلکہ تمام اسلامی ملکوں میں ایک بیداری سی پیدا کر دی ہے لوگ یہ محسوس کرتے ہیں کہ جس طرح انقلاب سے پہلے روس مشرق قریب کو اپنے قابو میں کرنا چاہتا تھا ویسے ہی اب بھی کرے گا۔ پہلے اس کا آلۂ کار روس کی فوجیں تھیں اور اس کی سیاست میں ایک بے باکی تھی جس کی دہشت سے مخالف بے بس ہو جاتے تھے۔ یہ بے باکی بدستور موجود ہے، فوجیں بھی ہیں اور ان کے علاوہ انقلاب کا ایک پیغام ہے جو ان تمام لوگوں کو اپنے جھنڈے کے نیچے جمع کر سکتا ہے جو ملک کی معاشی یا سیاسی یا ذہنی حالت سے مطمئن نہیں ہیں۔ انقلاب سے پہلے روسی مدبر اور سپہ سالار پیش قدمی کرتے تھے اور ان کے خلاف وہ تمام لوگ متحد کئے جا سکتے تھے جو غیر ملکی تسلط کو غلامی اور ذلت سمجھتے تھے۔ برطانیہ روسی اقتدار کی توسیع کو اپنے لئے ایک بڑا خطرہ سمجھتا تھا

اور ایران اور افغانستان میں وہ آسانی کے ساتھ روس کے مقابلے پر لایا جاسکتا تھا۔ صورت یہ ہے کہ مشرق قریب کے ہر ملک میں ایک انقلابی جماعت پیدا ہو سکتی ہے، روس سے اسکو مدد پہنچ سکتی ہے اور ایسی اقتدار ترقی کی تحریکوں کے بھیس میں چھپ سکتا ہے۔ اب ترکی کے سوا یہ تمام ملک برطانیہ یا فرانس کے اثر میں تھے۔ ان دونوں نے ہر جگہ موجودہ سیاسی اور معاشی نظام کو قائم رکھا، اور ان طبقوں اور اشخاص کے ذریعے سے اپنا کام کیا جو پہلے سے حکومت کر رہے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ برطانوی تسلط ہر جگہ رجعت پسندی کی پشت پناہ بن گیا، اور سیاسی اور معاشی اصلاح کا کوئی امکان نہیں رہا۔ برطانیہ اب بھی روس کے خلاف میدان میں آنے کو تیار ہے، لیکن جنگ کے واقعات نے مشرق قریب کے روشن خیال لوگوں کے ذہن نشین کر دیا ہے کہ برطانیہ سے دوستی کرنا قدامت پرستی اور نااہلی کو گلے لگانا ہے اور وہ اس عافیت کے بدلے جو برطانیہ کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے ترقی کے تمام حوصلوں سے توبہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ مشرق قریب اور مصر میں اب عام خیال یہ معلوم ہوتا ہے کہ روس سے بچنے کے لئے برطانیہ کا سہارا لینا صحیح نہیں ہے، ہر ملک کے لوگوں کو اپنے سیاسی اور معاشی نظام کی اصلاح کرنا چاہئے اور اسطرح نئی زندگی کے ولولوں کو تعمیری کاموں میں لگا کر ایسے انقلاب کے خطرے کو دور کر دینا چاہئے جس کا نتیجہ روس کی مداخلت ہو۔ مگر یہ مصلحت کی باتیں جو لوگوں کے علم میں ہوتی ہیں لیکن عمل میں نہیں آنے پاتیں، وہ عقل کو گرویدہ کر لیں تب بھی دل کو نہیں گرما سکتی ہیں، پھر اس مصلحت اندیشی کے مقابلے پر وہ تمام اغراض اور عادتیں ہیں جو شخصی حکومت سے وابستہ ہو گئی ہیں۔ بادشاہ انقلاب سے ڈرتے ہیں مگر اس قدر نہیں کہ دولت اور اقتدار سے دست بردار ہو جائیں، اور انہیں راضی رکھ کر ملکی زندگی میں ایسی بنیادی تبدیلیاں کر دینا کہ انقلاب کے شیدائیوں کا دل مطمئن اور منہ بند ہو جائے ہرگز ممکن نہیں ہے۔ مصر میں جو فساد حال میں ہوا ہے اس کا سبب یہ تھا کہ لوگ چاہتے ہیں کہ پرانے نظام کا طلسم ٹوٹے، حکومت ملک کو برطانوی اثر سے آزاد کرنے، صنعت و تجارت کو ترقی دینے اور بے روزگاری کو دور کرنے کے لئے جد و جہد کرے۔ حکومت کی کل ایسی ہے کہ بادشاہ کے چلانے سے چلتی ہے اور روکنے سے رک جاتی ہے۔ فساد بڑھا تو ممکن ہے حکومت کچھ وعدے کرلے۔ ایران میں فی الحال ایسے فساد کے آثار نہیں ہیں، مگر وہاں انقلاب کی تبلیغ کرنے والے بہت ہیں، اور روس کی تھوڑی سی فوج بھی ایرانی سرحد کے قریب ہوئی تو دیکھتے دیکھتے وہی سب کچھ ہو سکتا ہے جس سے خود مختاری کے حامی اپنی قوم کو بچانا چاہتے ہیں۔ بہرحال یہ بات یقینی ہے کہ مشرق قریب اور مصر میں موجودہ حالت زیادہ عرصے تک قائم نہیں رہ سکتی۔

مطبوعات موصولہ پر ایک نظر

ا۔ کتب

ہمارا قائد | از محمد احمد خاں صاحب ایم۔ اے (عثمانیہ) چھوٹی تقطیع، عمدہ جلد، اچھی طباعت و کتابت صفحات ۱۷۲، قیمت عہ ملنے کا پتہ:۔ قائد ملت اکادمی فیل خانہ قدیم حیدر آباد دکن۔

قائد ملت مولوی محمد بہادر خاں صاحب (بہادر یار جنگ) کی سیاست سے اختلاف کیا جا سکتا ہے، اور یہ اختلاف نہایت شدید ہو سکتا ہے، لیکن اس بات سے غالباً سب اتفاق کریں گے کہ ان کی شخصیت نہایت دل کش اور دل آویز خصوصیات کی مالک تھی، لیکن ارباب قضا و قدر نے جواں سالی میں ان کی مائل بہ ترقی زندگی کو ختم کر کے ملک و قوم کو ایک طاقت ور رہنما کی نتیجہ خیز رہنمائی سے محروم کر دیا۔

ملک کے بعض مفکرین کا ایمانداری کے ساتھ یہ خیال ہے کہ قائد ملت کی رہنمائی رجعت پسند تھی۔ یہ بات صحیح ہو سکتی ہے، لیکن ہمیں اس کشمکش کو ہرگز نظر انداز نہ کرنا چاہئے جو قائد ملت کی زندگی میں برابر متزائد رفتار کے ساتھ جاری رہی اور جس کی موجودگی میں اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ابتداءً قائد ملت ترقی پسند نہیں تھے تو یہ بات ہرگز بعید از قیاس نہیں معلوم ہوتی کہ کچھ زمانہ گذرنے کے بعد وہ ضرور ترقی پسند ہو جاتے۔

قائد ملت کا تعلق مملکت دکن کے جاگیرداروں کے طبقے سے تھا۔ اس طبقے کا مفاد قدرتی طور پر تحفظ پسندی اور قدامت پرستی کے ساتھ وابستہ ہے، اور اس کی زندگی میں وہ تمام خصوصیات نظر آتی ہیں جو دنیا میں ہر جگہ طبقہ امرا کی زندگی کے لوازمات ہیں۔ اس طبقے کے ایک فرد ہونے کی حیثیت سے قائد ملت کو بھی قدامت پسند اور عیش پرست ہونا چاہئے تھا، لیکن انھوں نے اس زندگی پر قناعت نہیں کی۔ ان کے غیر معمولی مذہبی شغف نے انھیں ان برائیوں اور

رشوں سے بچایا جو اس طبقہ میں عام طور پر نظر آتی ہیں۔ اور ان کی غیر معمولی صلاحیتوں نے
ن کو اپنے طبقہ کی اصلاح اور اس کے حقوق کے تحفظ کی طرف مائل کیا۔ غرض ان کی طبقہ واری
مفاد پسندی میں بھی ترقی پسندی شامل رہی اور انہوں نے اپنے طبقے کے افراد کے لئے ایک
ایت اچھا نمونہ چھوڑا جس کی پیروی کر کے وہ اپنے وجود کو شاید زیادہ پسندیدہ بنا سکیں گے۔
لیکن قائد ملت کا جذبۂ اصلاح اپنے طبقے کے تنگ دائرے کے اندر محدود نہیں رہ سکا
کی سحر بیان خطابت اور اصلاحی جوش ایک زیادہ وسیع میدان کا متلاشی تھا۔ انہوں نے
میلاد النبی کے جلسوں میں جس میں خواص و عوام مساوی طور پر شریک ہوتے تھے اپنی بے چین
بیعت کے لئے سکون کا سامان ڈھونڈا لیکن یہ دائرہ بھی انہیں تنگ نظر آیا۔
اتفاق سے اسی زمانے میں حکومت حیدرآباد کے خلاف مذہبی بنیاد پر ایک نیم سیاسی شورش
مائی گئی۔ قائد ملت کی بے قرار طبیعت اس ہنگامہ کو سکون کے ساتھ نہ برداشت کر سکی۔ والی مملکت
ذات کے ساتھ فرماں برداری، اپنے طبقے کے مفاد کے ساتھ ہمدردی، اپنے ہم مذہبوں کے
ساتھ قریبی تعلق۔ ان سب نے ان کو مجبور کیا کہ وہ اس تحریک کی مخالفت میں رہنما کی حیثیت سے
پیش قدمی کریں اور جب قائد ملت جیسی زبردست شخصیت نے اس قسم کا اقدام کیا تو اس کا حدود
اعتدال سے متجاوز ہونا لازمی ہو گیا۔

بہرحال یہ ہنگامہ تو کسی نہ کسی طرح فرو ہو گیا لیکن قائد ملت کی بے چین طبیعت نچلی نہ بیٹھ سکی
اب انہوں نے مملکت دکن سے باہر اپنے لئے میدان عمل تلاش کرنا شروع کیا۔ کچھ دن خاکسار
تحریک کی طرف مائل رہے بعد میں مسلم لیگ کے ممتاز اور سرگرم رکن بن گئے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا
تھا کہ وہ اس مقام پر بھی نہ رکیں گے اور ضرور آگے بڑھیں گے لیکن موت نے اس ارتقا کو ختم کر کے
ہمیشہ کے لئے ان کی زندگی کو اسی جگہ پر قائم کر دیا۔

"ہمارا قائد" اس جواں مرگ رہنما کی زندگی، سیرت و خدمات کا ایک مرقع ہے جسے ان کے
ایک عقیدت مند پیرو محمد احمد خاں صاحب نے مرتب کیا ہے۔ محمد احمد خاں صاحب حیدرآباد کے

مسلم نوجوانوں میں اپنے قول وعمل کے خلوص اور اپنی علمی قابلیت کی وجہ سے ایک ممتاز مرتبہ
مالک ہیں۔ ان کی کتابیں معاشیات کے مختلف موضوعوں پر شایع ہو چکی ہیں۔ لیکن سوانح
پر یہ کتاب لکھ کر انہوں نے اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کے ایک نئے رُخ کو بے نقاب کیا ہے
انداز بیان نہایت شگفتہ اور موقع ومحل کے عین مطابق ہے۔ یہ کتاب قائد ملت کے واقعات
زندگی کی صرف ایک مستند اور دلچسپ روئداد ہی نہیں ہے بلکہ ان کی تحریک کی ایک
علمبردار کی طرف سے پُر جوش دعوت عزیمت بھی ہے۔ ہم اسے سیرت کی کتابوں میں
بیش بہا اضافہ سمجھتے ہیں، اور اس کے مطالعہ کی سفارش ان لوگوں سے بھی کرتے ہیں جو
صاحب اور قائد ملت کے خیالات اور ان کی تحریک سے پورے طور پر متفق نہیں ہیں کیونکہ
اپنے آپ کو بھی در اصل اُسی زمرہ میں سمجھتے ہیں۔

توافق للبقا از نعیم صاحب صدیقی۔ چھوٹی تقطیع۔ غیر مجلد۔ طباعت وکتابت اچھی صفحات
قیمت ۱ار ملنے کا پتہ :۔ دار الاشاعت نشاۃ الثانیہ حیدر آباد دکن۔

اس کتاب میں ڈارون کے نظریہ تنازع للبقا کی تردید کی گئی ہے۔ اور یہ ثابت کرنے کی
کوشش کی گئی ہے کہ نظریہ ارتقا ایک تجربی صداقت نہیں ہے۔ اس کتاب میں بہت
پتے کی باتیں ہیں۔ لیکن تحقیقات کا جو حق ہے اسے پورا نہیں کیا گیا ہے۔ حیوانی اور انسانی
دونوں زندگیوں میں غالباً تنازع للبقا اور توافق للبقا دونوں اصول سرگرم عمل ہیں
غلبہ ان انواع حیات میں جو باقی ہیں، بظاہر توافق للبقا ہی کو حاصل معلوم ہوتا ہے۔ لیکن
مباحث پر محققین نے زبردست مواد جمع کیا ہے۔ اس لئے بے لاگ تحقیقات او
کے معنی یہ ہونا چاہئیں کہ مسئلے کے دونوں رُخ مناسب طریقے پر پیش کئے جائیں ا
فیصلہ دیا جائے۔ اس معیار پر مصنف کی کتاب پوری نہیں اُترتی۔

ہندوستانی موسیقی کی کشش از مسز مانی ساہوکار۔ چھوٹی تقطیع غیر مجلد خوب
مصور ٹائٹل نہایت عمدہ، لکھائی اور چھپائی ۹۶

عہ۔ ملنے کا پتہ۔ میسرز تھیکر اینڈ کمپنی لمیٹڈ بمبئی۔

یہ تھیکر کی ہندوستانی زبانوں (اردو) کے سلسلے کی دوسری کتاب ہے۔ اس میں مصنف نے ہندوستان کے نغموں کی خوبیوں کو بیان کیا ہے۔ اس کتاب کے اہم ابواب یہ ہیں "ہندوستانی موسیقی کی سرگم"۔ "نغمے کی بنیاد راگ پر ہے"۔ "تال"۔ "ہندوستانی موسیقی کے ساز"۔ "ہندوستانی موسیقی کی کشش"۔ کتاب کی زبان نہایت سلیس اور سادہ ہے۔ کتاب میں چار رنگین تصویریں "راگ ہنڈول"۔ "راگ بسنت"۔ "راگنی ٹوڈی"۔ اور "راگ کدارا" کی بھی دی گئی ہیں۔ یہ موسیقی کی مستند کتاب ہے اور لائق مطالعہ ہے۔

نیا راگ جلد اوّل مرتبہ ذکیہ سلطانہ ساغر۔ چھوٹی تقطیع، غیر مجلد، خوبصورت ٹائٹل نہایت عمدہ لکھائی اور چھپائی۔ ۱۰۳ صفحے قیمت عہ۔ ملنے کا پتہ:۔ میسرز تھیکر اینڈ کمپنی لمیٹڈ۔

یہ تھیکر کی ہندوستانی زبانوں (اردو) کے سلسلے کی چھٹی کتاب ہے۔ اس میں مرتبہ نے ماہنامہ ایشیا کی نظموں اور غزلوں کا انتخاب شائع فرمایا ہے۔ اس میں حسرت موہانی۔ جوش ملیح آبادی۔ جگر مراد آبادی۔ ساغر نظامی۔ ن۔م۔ راشد اور دوسرے اردو شعرا کا منتخب کلام درج کیا گیا ہے۔ "ایشیا" کا بذاتِ خود انتخاب بہت اچھا ہوتا تھا اور اس میں سے مزید انتخاب کے بعد جو کلام شائع کیا گیا ہے وہ ظاہر ہے شراب دو آتشہ بن گیا ہے۔ کتاب کے شروع میں مرتبہ کی تصویر بھی دی گئی ہے۔

باغ نشاط از جناب دھرم رتن پنڈت رادھے ناتھ کول صاحب گلشن۔ متوسط تقطیع خوبصورت جلد اور گرد پوش۔ نہایت پاکیزہ کتابت و طباعت۔ ۴۰۷ صفحات۔ قیمت درج نہیں۔ مطبوعہ انڈین پریس الہ آباد۔

یہ گلشن صاحب کا مجموعہ کلام ہے جس کے لئے رائٹ آنریبل ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو نے تقریب، دیوان بہادر راجہ نرانندر ناتھ نے پیش لفظ، نوح ناروی صاحب نے تعارف، نقاد عالم سید ابو محمد صاحب ثاقب نے تبصرہ، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صاحب نے تنقید، پنڈت برجموہن

حافظ صاحب آغا نے تقریظ۔ اختر ہاشمی صاحب نے "نذر عقیدت" ہادی مچھلی شہری صاحب نے "حدیث اخلاص"۔ شوق شاہجہانپوری صاحب نے "گلہائے رنگین"۔ اور آغا صاحب نے "تحفۂ ناچیز"۔ جانسی صاحب نے "باغ نشاط میں سرود قدسی"۔ شوق صاحب نے "حقیقتِ جذبات" اور کم سے کم نو صاحبان نے قطعات تاریخ لکھے ہیں۔

جس تصنیف کے بارے میں اتنے محترم حضرات رطب اللسان ہوں اس کا تعارف کرنا سعی حاصل ہے۔ مختصراً اسقدر کہنا کافی ہوگا کہ گلشن صاحب کے کلام میں پختگی، سادگی، سلاست اور قدیم استادانہ رنگ بدرجۂ کمال موجود ہیں۔

باغ فردوس | از جناب بیدلؔ صاحب بی۔ اے۔ ڈسٹرکٹ جج بیکانیر غیر مجلد متوسط تقطیع۔ کتابت طباعت بہت اچھی صفحات ۱۶۴۔ قیمت درج نہیں۔ ملنے کا پتہ۔ بیدل منزل۔ محلہ چونگران۔ بیکانیر۔ یہ جناب بیدل صاحب کے کلام کا مجموعہ ہے

بیدلؔ صاحب بیخودؔ صاحب دہلوی کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ ان کے کلام کے بارے میں بیخود صاحب دہلوی نے تحریر فرمایا ہے کہ "انہوں نے کمال محنت و جانفشانی سے میری زبان، میرا بیان، میرا تخیل حاصل کر لیا ہے۔ اصناف سخن پر باحسن الوجوہ قدرت رکھتے ہیں"۔

مجموعۂ رباعیات وقطعات کلام فارسی | از جناب مضطرؔ صاحب ٹونکی بہت چھوٹی تقطیع۔ عمدہ کتابت طباعت۔ مجلد۔ صفحات ۴۴۔ قیمت ۱۲؍ ملنے کا پتہ:۔

مولانا مولوی حکیم صوفی محمد یونس محلہ زبابن، ٹونک اسٹیٹ۔ راجپوتانہ۔

یہ مضطرؔ صاحب کی رباعیات وقطعات کا مجموعہ ہے۔ ان کے کلام کا بقول دیباچہ نگار، "وہی رنگ ہے جو قدما نے بہت کچھ چھوڑا ہے"۔

میرا نام ہے تعلیم! | از نعیم صدیقی صاحب ناشر مکتبہ نشاۃ ثانیہ چھلگوڑہ حیدرآباد دکن۔ یہ نئے طرز کا خیالاتی ڈرامہ ہے جس میں موجودہ نظام تعلیم کے مہلک اثرات کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ بہت دلچسپ اصلاحی مطالعہ ہے۔ قیمت ۸؍ صفحات ۳۱

پھر وندے — از جناب عرش ملسیانی صاحب۔ مجلد مع گردپوش، کتابت وطباعت معمولی صفحات ۲۴۲ قیمت عہ ناشر مکتبہ سلطانی بمبئی ۳۔

یہ عرش صاحب کے ڈراموں کا مجموعہ ہے جن میں سے کچھ آل انڈیا ریڈیو دہلی سے نشر کئے جا چکے

رہس — از اویس احمد صاحب ادیب۔ مجلد مع گردپوش کتابت طباعت معمولی۔ صفحات ۲۱۲ قیمت عہ ناشر ادارہ پبلشنگ ہاؤس الہ آباد۔

یہ ادیب صاحب کے ان ڈراموں کا مجموعہ ہے جو ریڈیو پر نشر کئے جا چکے ہیں۔

۲۔ رسائل

معاشیات — ایڈیٹر جناب طفیل احمد خاں صاحب ایم۔ اے۔ یہ انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی کا معاشی رسالہ ہے۔ معاشیات کی اہمیت اس زمانے میں جتنی زیادہ ہوتی جا رہی ہے، اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن اردو زبان میں معاشیات کے موضوع پر عام فہم زبان میں لکھنے والوں کی کمی ہے، اس کمی کو دور کرنے کے لئے انجمن ترقی اردو نے معاشیات کے نام سے یہ رسالہ نکالا ہے۔ دو رسالے جنوری اور فروری کے شایع ہو چکے ہیں۔ معاشیات کے ممتاز استادوں اور ماہروں نے اس رسالے کے لئے مضامین لکھنے کے وعدے کئے ہیں اور کچھ کے مضامین رسالے کے زیر نظر نمبروں میں شایع بھی کئے گئے ہیں رسالہ کی زبان عام طور پر سادہ سلیس اور عام فہم ہوتی ہے، اور مضمون نگار جنہوں نے اپنے مضامین اور اپنے طرز تحریر دونوں کے لحاظ سے اس رسالہ نے اردو صحافت کے لئے ایک نئے راستے کی داغ بیل ڈالی ہے۔

ساقی (سالنامہ) دہلی — ایڈیٹر شاہد احمد صاحب دہلوی

رسالہ ساقی نے اردو ادب کی اشاعت وترقی میں جو بیش بہا خدمات انجام دی ہیں زیر نظر رسالہ ان کا ایک مزید ثبوت فراہم کرتا ہے۔ رسالہ کے صفحات ۳۴۲ ہیں۔ ملک کے مشہور ادیبوں کے نہایت بلند پایہ افسانوں، ڈراموں

نظموں اور تنقیدی مضامین کو جمع کیا گیا ہے۔ قیمت سالنامہ ؏ ہے۔

ہمایوں (سالنامہ) لاہور — ایڈیٹر میاں بشیر احمد صاحب

"ہمایوں" کا شمار ملک کے ان چند چوٹی کے رسالوں میں کیا جاتا ہے جو اپنے ادبی اور علمی مضامین کی بلند معیاری سے اردو ادب کی ایک دائم خدمت انجام دے رہے ہیں۔ زیرِ نظر رسالہ بھی اپنی پرانی روایات کا حامل ہے۔ رسالے کی ضخامت ۲۲۴ صفحات ہے۔ قیمت سالگرہ نمبر عہ

ہندستانی ادب حیدرآباد دکن (نیا سال نمبر) — یہ رسالہ اردو زبان کے اصلاحی رجحانات کا حامل ہے۔ اس میں رسم خط کی اصلاح کی طرف خاص توجہ کی جا رہی ہے۔ سالانہ چندہ ؏

نظام ادب حیدرآباد دکن — یہ طلبائے نظام کالج کا ششماہی رسالہ ہے۔ نومبر کے رسالے میں اساتذہ اور طلبائے کالج اور باہر کے ممتاز حضرات کے قیمتی علمی و ادبی مضامین وغیرہ کو جمع کیا گیا ہے۔ سالانہ چندہ تین روپے۔

نوا — نشرگاہ حیدرآباد دکن کا پندرہ روزہ رسالہ ہے جس میں حیدرآباد کی نشرگاہ کے پروگرام کے ساتھ ساتھ ایک دو اچھے مضامین اور نظمیں بھی شائع کی جاتی ہیں۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ آٹھ آنے۔

قرآنی دنیا و "مومنہ" — یہ دو مذہبی ماہوار رسالے۔ ایک بالغوں اور بچوں کے لئے اور دوسرا عورتوں کے لئے۔ ابو محمد صالح صاحب کی ادارت میں حیدرآباد دکن سے شایع کئے جا رہے ہیں۔ سالانہ چندہ پانچ پانچ روپے ہے۔

خوناب

(کسی کے ہمیشہ کے لئے بچھڑ جانے پر)

حسن اور عشق کے پُرکیف خیالوں میں مگن
جھومتا گاتا ہوا میں بھی تھا سرگرمِ سفر
کوئی پیکر ہو، کوئی زلف، کوئی آنچل ہو
چند لمحوں کے لئے تھے سبھی مسجودِ نظر
ایک بے نام سی خواہش سے جو دل تھا بیتاب
ایک انجانی سی تسکیں کو تڑپتا تھا جگر

اک دوراہے پہ کچھ اس طرح ملیں تم مجھ سے
جیسے تم مجھ سے کبھی تھیں ہی نہیں بیگانہ
تم نے پھر اپنی محبت کا جلایا دیپک
اور مجھے بخش دیا سوزِ دلِ پروانہ
میرے ساقی! تری بدمست نگاہوں کی قسم
تیرے ہر گام پہ بنتا ہی رہا میخانہ

ایک منزل ہی پہ ہم دم لے کے چلے تھے آگے
اور ابھی دور بہت دور تھا ہم کو جانا
تم ہی تھیں اور نہ تمہارا تھا وہاں نقشِ قدم
میں نے اک موڑ پہ جو تم کو پلٹ کے دیکھا
تم نے سوچا نہیں کیا مجھ پہ گزر جائے گی
اور مجھے چھوڑ دیا زار و ملول و تنہا

تم کو جب ساتھ نہ دینا تھا مرا آخر تک
توڑنا تھا نہ تمہیں میری جوانی پہ ستم
خیر اب ہوگی نہ دو دل کو تمہارے وقعت
اب یہ بہتی ہی رہیں گی مری آنکھیں پُرنم
یاد کو اپنی بنا دو جو سہارا دل کا
حال پہ ایک مسافر کے بڑا ہوگا کرم

سلیمان اریب

نیا زمانہ

(اڈیٹر۔ قاضی عبدالغفار)

گذشتہ چند سال میں ترقی پسند ادب کی تحریک نے اتنی کافی ترقی کرلی ہے کہ اس کی ترجمانی کے لئے متعدد رسائل کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ چنانچہ اس خیال کے مدنظر حیدرآباد سے ایک معیاری سہ ماہی رسالہ "نیا زمانہ" جاری کیا گیا ہے جسے بعض مشاہیر اہل قلم، خلاً ڈاکٹر عبدالحلیم۔ پروفیسر احتشام حسین۔ کرشن چندر اور فضل الرحمن صاحب (حیدرآباد) کی علمی تائید حاصل ہے۔

اسکا پہلا شمارہ اواخر فروری میں شایع ہوگا۔ ہمیں توقع ہے کہ ملک کے وہ اہل قلم جنہیں اردو ادب اور خصوصاً ترقی پسند ادبی رجحانات سے ہمدردی ہے اس طرف توجہ کرکے جلد از جلد اپنے مضامین اور نظمیں عنایت فرماکر اپنے مشوروں سے ہمیں مستفید ہونے کا موقع دیں گے فقط

منیجر "نیا زمانہ" گمری چاہی روڈ حیدرآباد دکن

ایسٹرن فیڈرل یونین انشورنس کمپنی لمیٹڈ

ہندوستان میں قائم شدہ

صدر دفتر ۹ کلایو اسٹریٹ ، کلکتہ

سرپرست

عالی جناب ہز ہائنس نواب صاحب بھوپال — عالی جناب ہز ہائنس آغا خاں صاحب

مجوزہ سرمایہ	۶۰ لاکھ روپیہ	۶۰۰۰۰۰۰
جاری شدہ سرمایہ	۲۲ لاکھ ۴۴ ہزار ۶۰	۲۲۴۴۰۶۰
ادا شدہ سرمایہ	۱۲ لاکھ ۵۰ ہزار	۱۲۵۰۰۰۰

اپنے بیمے کے کاموں میں ہم سے مشورہ کیجئے ایسٹرن فیڈرل آگ ، زندگی ، ریلی ور رسائل موٹر ہوائی جہاز کے خطرات ، مزدوروں کا مالی معاوضہ ، ضمانت اور تمام حادثات کے ہر قسم کے بیمے کا کام کرتی ہے

ہندوستان کے مشہور شہروں میں ایجنسیاں ہیں

اور

بہت مختلف جگہ کھل رہی ہیں

مندرجہ ذیل شہروں میں ہماری کمپنی کی شاخیں قائم ہیں۔

دہلی ، لاہور ، بمبئی ، حیدرآباد دکن ، احمد آباد ، کانپور ، پشاور

راجکوٹ ، TFTNN سیلون اور فلسطین

دی مغل لائن لمیٹڈ

جنگ کے زمانے

عدن ، جدہ ، پورٹ سوڈان

مصر اور مارشیس

جانے والے ہمارے مسافر اور مال کے جہازوں کی آمدورفت
ناگزیر حالات کی وجہ سے بے قاعدہ رہی۔

قیام امن کے بعد

ہمیں امید ہے کہ حالات عنقریب پہلے کی طرح ہو جائیں گے
اور بندرگاہوں کو سفر کرنے والوں اور مال بھیجنے والوں کے لئے
انشاء اللہ بہت جلد ہمارے جہازات پھر اسی مستعدی اور باقاعدگی
سے آنے جانے لگیں گے۔

دریافت طلب امور کے لئے

ٹرنر مارسن اینڈ کمپنی لمیٹڈ

۱۶- بنک اسٹریٹ

[illegible] بمبئی

جامعہ

زیرِ ادارت۔ پروفیسر محمد عاقل ایم اے

جلد ۴۱ نمبر ۶ | بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۳۶ عیسوی | سالانہ چندہ [illegible]

فہرست مضامین

ابتدائی اور اس سے پہلے کی تعلیم

(صدارتی خطبہ)

ذیل میں ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب شیخ الجامعہ کا وہ صدارتی خطبہ درج کیا جاتا ہے، جو صاحب موصوف نے نیو ایجوکیشنل فیلوشپ لاہور کے جلسہ میں پڑھ کر سنایا تھا۔ (مدیر)

بہنو اور بھائیو! سب سے پہلے، آپ کا شکریہ ادا کرنے سے بھی پہلے، میں آپ سے معافی چاہتا ہوں کہ عام دستور کے خلاف آپ کی خدمت میں یہ خطبہ اپنی مادری زبان میں پیش کر رہا ہوں۔ یہ عجیب سی بات ہے کہ ایسا کرنے پر معافی مانگ رہا ہوں۔ چاہئے تو یہ تھا کہ اگر کسی دوسری زبان میں آپ کو مخاطب کرتا تو عذرخواہ ہوتا۔ لیکن ہماری مجلسوں کے عام دستور نے صورت حال کو بالکل الٹا کر دیا ہے۔ انگریزی ملک میں تعلیم یافتہ لوگوں کی زبان بن گئی ہے۔ وہ اسی میں پڑھتے ہیں، اسی میں لکھتے ہیں۔ اور اگر کبھی سوچتے ہیں تو شاید اسی میں سوچتے ہیں۔ جب اہل علم کی کسی مجلس میں کچھ کہنا ہوتا ہے تو اپنے افکار انگریزی الفاظ ہی کا جامہ پہنا کر پیش کرتے ہیں۔ ایسا کیوں ہوا اور کیسے ہوا، اس سے مجھے اس وقت بحث نہیں۔ اچھا ہوا یا برا، اس پر بھی کچھ عرض کرنا نہیں۔ صرف اتنا جانتا ہوں کہ اگر ہمارے ملک میں تعلیم کسی ایک چھوٹی سی جماعت کے ساتھ مخصوص رہنے والی نہیں ہے۔ اگر اس ملک کے بسنے والے جانوروں کے گلوں کی طرح نہیں بلکہ آدمیوں کی جماعتوں کی طرح زندگی گذارنے پر مصر ہیں، اگر یہاں کی حکومت کسی چھوٹے سے طاقت ور یا چالاک گروہ کا اجارہ نہیں بلکہ یہاں کے جمہور کی مرضی کے مطابق ہونے والی ہے، تو علمی زبان کے معاملے میں صورت حال بدلے گی اور جلد بدلے گی۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں انگریزی زبان کی قدر کرنا نہیں جانتا۔ میں جانتا ہوں کہ ہم نے انگریزی زبان کی معرفت بہت کچھ سیکھا ہے، جانتا ہوں کہ کچھ اس سے اور سیکھنا ہے [illegible]

مغرب کے علوم وفنون، صنعت وحرفت، تمدن وافکار سے آشنا کیا۔ اس نے سیاست اور معیشت کے نئے اسلوبوں سے ہمیں آگاہ کیا۔ اس کا ہم پر بڑا احسان ہے اور اس سے ابھی اور بہت کام لینا ہے کہ ہم میں اور مغربی تمدن میں یہی ایک واسطہ شاید عرصہ تک قائم رہنے والا ہے۔ لیکن جہاں میں یہ سب جانتا ہوں، وہاں یہ بھی جانتا ہوں کہ ہم انگریزی جاننے والوں نے جو ایک نئی ذات اس ملک میں بنالی ہے۔ اس نے غیر شعوری خودغرضی سے ہر ذات کی طرح اپنے مخصوص فوائد کو اپنے تک محدود رکھنے کی بھی کوشش کی ہے۔ اس نے اپنے علم کو اپنے تفوق کا ذریعہ بنایا ہے۔ جو کچھ پڑھا وہ سکھایا نہیں۔ خواص کو جو حاصل ہوا عوام تک نہیں پہنچایا گیا، اپنے کو سیراب کیا ہے اور قوم کو پیاسا رکھا ہے، اور چونکہ علم وحکمت کے خزانے بچانے سے گھٹتے ہیں اور لٹانے سے بڑھتے ہیں، اس لئے اس طبقے کی خودغرضی نے اسے بھی کچھ کم نقصان نہیں پہنچایا۔ اپنی قوم کی حقیقی زندگی سے بے تعلقی نے انھیں اپنے دیس میں پردیسی بنادیا۔ وطن میں جلاوطن کردیا۔ ان کے افکار میں جودت پیدا نہیں ہونے دی۔ ان کے کردار کو خلوص سے بہرہ یاب نہیں ہونے دیا۔ ان کی زبان کو مانگے کی گفتگوئیں اور ان کے دلوں کو مانگے کی آرزوئیں۔ اقبال نے سچ کہا ہے ؎

بر زبانش گفتگو ہا مستعار
در دل او آرزو ہا مستعار

خیر یہ جو ہوا سو ہوا۔ ہمیں اب جلد سے جلد اسے بدلنا چاہئے۔ خصوصاً تعلیم کا کام کرنے والوں کو اس میں تعاون پر نظر کرنی چاہئے۔ اپنی راہ سے ایک پردیسی زبان کے ذریعہ تعلیم دینے کی مصیبت کو ہٹائیں۔ سادہ ساجہانی اور اس سے پہلے کی تعلیمی مسائل پر سوچ بچار کرنے کے لئے جو کانفرنس یہاں جمع ہے اسے اور کسی کو بھی جاننا چاہئے کہ ان کا سب کا کام بچوں میں اور بچوں کے والدین کے ساتھ مادری زبان کے ذریعے ہی ہے۔ [illegible] اپنی زبان میں خطبہ دینے پر معافی مانگنا کچھ بہت ضروری نہیں۔ جس کا رواج [illegible] تھے۔ ہماری علمی مجلسوں میں مادری زبان کو [illegible] بات ہے [illegible]

[illegible] اور تھوڑی سی تنبیہ ضرور شامل ہے۔

آپ نے معاف کر دیا ہوگا اور یقین کرتا ہوں کہ آپ معاف کر دیں گے۔ تو اب آگے چلوں سب سے پہلے آپ کا دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اس جلسے کی صدارت کے لئے آپ نے مجھے یاد فرمایا۔ میں نیو ایجوکیشن فلوشپ کے کام سے ایک عرصے سے واقف ہوں اور اس کی دل سے قدر کرتا ہوں۔ اس فلوشپ نے دنیا کے مختلف ممالک میں تعلیم کے کام کرنے والوں کو نئی راہیں سجھائی ہیں۔ اس نے بچے کی انفرادیت کو سانچوں اور ٹھپوں میں دبانے سے بچانے کی کوشش کی ہے بچوں کی صلاحیتوں اور میلانوں کو ان کی تعلیم کی بنیاد بنانے پر زور دیا ہے۔ بچوں کے ذاتی شوق کے کاموں کی مدرسہ اور گھر میں ہمت افزائی کی ہے۔ آزادی میں ڈسپلن کے صحیح تصور کو عام کیا ہے۔ تعلیم میں کھیل اور اجتماعی کام کی اہمیت کو جتایا ہے۔ اور سب سے اہم یہ کہ تعلیم کا کام کرنے والے استادوں کو ایک نئی امید بخشی ہے۔ اور ان میں ایک نیا ولولہ پیدا کیا ہے۔ اور ایک بے روح سی انفرادی بیگار کو ایک پُرکیف جماعتی وظیفہ کا مرتبہ دلایا ہے۔ اس فیلوشپ کی کسی کانفرنس میں صدارت کا شرف میرے استحقاق سے بہت زیادہ ہے۔ لیکن آپ کی محبت نے مجھے یہ شرف بخش دیا۔ دل سے شکر گزار ہوں

آپ اس مجلس میں ابتدائی تعلیم اور اس سے پہلے کی تعلیم دونوں کے متعلق غور و بحث کرنے والے ہیں۔ میں نے ابتدائی تعلیم کے مسائل پر سوچنے اور کام کرنے میں کچھ وقت ضرور صرف کیا ہے لیکن اس سے پہلے کی تعلیم کے متعلق اب تک کچھ نہیں کر سکا ہوں۔ اس لئے ذاتی تجربے سے اس پر کچھ عرض نہیں کر سکوں گا۔ البتہ ہماری بنیادی تعلیم کی حمایت کی وجہ سے بعض احباب نے مجھ پر جو یہ شبہ کیا ہے کہ میں اس سے پہلے کی تعلیم و تربیت کو شاید کچھ [illegible] کے مسائل کو قابل توجہ نہیں سمجھتا، وہ درست نہیں ہے۔ انفرادی [illegible] اصول اکثر کام آتا ہے لیکن اس کے حق دوسری سب چیزوں سے [illegible] بنیادی تعلیم [illegible] جاتا ہے [illegible] کو [illegible]

اہمیت نہیں رکھتا۔ افسوس ہے کہ ہمارے ملک میں ابھی تک اس ابتدائی عمر میں تربیت کے مسئلے کو کوئی
خاص حق نہیں سمجھا گیا ہے حالانکہ زندگی کی بعض بنیادی عادتوں کے بننے بگڑنے میں یہ زمانہ بڑی
اہمیت رکھتا ہے۔ جسمانی نشوونما کو دیکھئے کہ عمر کے پہلے ہی سال میں بچے کا وزن پیدائش کے وقت کے
وزن کا تگنا ہو جاتا ہے اور پھر ساری عمر کبھی اس تیز نسبت سے نہیں بڑھتا۔ پہلے ۱۸ مہینے میں دماغ کے وزن میں
دگنا اضافہ ہوتا ہے پھر کبھی اتنی مدت میں اتنا نہیں ہوتا۔ نظام اعصابی اور حسی اعضا کا بھی یہی حال ہے۔ بدن کے
اس تیز نشوونما کی وجہ سے ہی یہ زمانہ تندرستی کے لئے خطروں سے پُر زمانہ ہے۔ ہمارے ملک کا تو کہنا ہی کیا۔ یہاں
فضا میں جو ہزار بچے پہلا سانس لیتے ہیں ان میں سے پونے دو سو کے قریب تو طفلی کی منزل سے آگے نہیں
جاتے۔ دوسرے ممالک میں بھی جہاں زندگی اتنی ارزاں نہیں ہے اور بچے زندگی کے دسترخوان پر ناخواندہ
مہمان کی حیثیت نہیں رکھتے وہاں بھی یہ خطرے ننھی ننھی جانوں کو انگیز کرنے پڑتے ہیں۔ امریکہ میں بھی ساری اموات کا
ایک تہائی ۵ سال سے کم عمر والوں کے حصے میں آتا ہے۔ انگلستان میں اندازہ لگایا گیا ہے کہ ۸۰ سے ۹۰ فیصدی
تندرست پیدا ہوتے ہیں مگر جب ۵ سال کی عمر میں مدرسے جاتے ہیں اور وہاں طبی معائنہ ہوتا ہے تو ایک
تہائی سے زیادہ طرح طرح کے امراض میں مبتلا پائے جاتے ہیں۔ کہیں غذا کی وجہ سے، چاہے کمی سے، چاہے
زیادتی سے، کہیں متعدی امراض کے نتیجے کے طور پر، کہیں گھر کے مضر صحت طبیعی ماحول کی بدولت، کہیں گھر کی
نفسیاتی الجھنوں کے کھینچ تان کے اثر سے۔ اور جہاں ان حالات کو بدلا گیا ہے وہاں یہ صورت بھی بدل جاتی
ہے۔ ثابت ہوتا ہے کہ ابتدائی تربیت گاہوں میں جا کر بچوں کی صحتیں درست ہو جاتی ہیں، بیماریاں بھاگ جاتی
ہیں، دانتوں کی حالت بہتر ہو جاتی ہے، اور بچوں کے مقابلے میں قد اور وزن تیزی سے بڑھتا ہے
یہی نہیں کہ یہ زمانہ جسمانی نشوونما کے اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتا ہو، سیکھنے کی رفتار بھی [illegible]
[illegible] کا استعمال سیکھتا ہے [illegible]
[illegible] ہے جتنی [illegible]
[illegible]

ابتدائی برسوں میں تو اس کے نشوونما کی تیز رفتاری کا یہ عالم ہے کہ جاننے والے کہتے ہیں کہ انہی زمانے میں
کی بنیادیں پڑ سکتی ہیں زندگی کا ادراک تو نسانہ اتنی اور ایسی بنیادی اہمیت رکھنے والی تفصیلات سے
نہیں ہمیں اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر ہماری قومی زندگی کی تشکیل اور تنظیم کے ذمہ دار
غرض سے عہدہ برآ ہونا چاہتے ہیں تو انہیں اس عمر کے بچوں کی تربیت کو پہلے سے زیادہ اپنے
جگہ دینی ہوگی۔ ہمیں نہیں جانتا کہ بنیادی تعلیم ۶ سال کی عمر سے لازمی کی جائے گی جیسا کہ سنٹرل
بورڈ آف ایجوکیشن کی تجویز ہے، یا ۷ سال کی عمر سے جیسا کہ بنیادی قومی تعلیم کا
مطالبہ ہے، بہر حال ۳ سے ۶ یا جو عمر آپ کی کانفرنس غور و بحث کے بعد طے کرے) ۶ یا ۷
عمر تک بچوں کی دیکھ بھال، طبی جانچ اور مناسب علاج، ان کے لئے کھلی ہوا میں اپنے ہم عمروں
دن کا ایک معتد بہ حصہ گزارنے کا انتظام، اس عمر کی ضرورتوں اور تقاضوں کو جاننے والوں کی
میں صحت اور صفائی کی، میل جول کی زندگی کی، اپنے ننھے ننھے پیروں پر کھڑے ہو سکنے کی، دوسرے
اور نازک ساتھیوں کو سہارا دینے کی، انفرادی اور اجتماعی عادتیں پیدا کرنے کا اہتمام ضرور کرنا
خیال میں اس عمر کے بچوں کو بالک باڑیوں اور ننھوں کی تربیت گاہوں میں بھیجنا ابھی والدین
تو نہیں کرنا چاہئے لیکن بچوں کی بڑی تعداد کے لئے، خصوصاً جہاں گھر معاشی یا دوسری
کی وجہ سے اپنا فرض انجام نہیں دے سکتا، ان تربیت گاہوں کا انتظام حکومت کی طرف
ہونا چاہئے۔ غیر سرکاری انتظام میں ایسی تربیت گاہیں کھولی جائیں تو فیاضی سے ان
کا فرض ہے۔ اتنی چھوٹی عمر کے بچوں کو گھر سے علیحدہ کرنا بہت نئی سی بات ہے، اور بہت
شاید اپنا فرض آپ انجام دینے کے قابل بھی ہوں۔ اس لئے فی الحال اگر اس عمر کے بچوں
دو ان تربیت گاہوں میں لے آئے جائیں تو حساب کے اعتبار سے تو کم ہی ہے مگر عملی لحاظ
ان کے لئے علیحدہ تربیت گاہیں کھول کر یا بنیادی مدرسوں کے ساتھ ان چھوٹے بچوں کے
انتظام کر کے حکومت اپنے فرض سے سبکدوش ہو سکتی ہے بشرطیکہ مدرسے کے اس حصہ
کے لئے بالک تربیت [illegible] ہوا امید

نیچے کے اندر، گھر سے بہتر ماحول میں رکھنے کا انتظام ہو سکے۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ننھے بچوں کی یہ تربیت گاہیں، یا بالک باڑیاں اس لئے درکار ہیں کہ بہتیرے بچوں کو اچھا گھر نصیب نہیں۔ افلاس اور جہالت ہمارے دیس کے بچوں کو اکثر گھر کی بنی نعمتوں سے محروم رکھتے ہیں۔ اس لئے بھی ان تربیت گاہوں کی ضرورت ہے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ گھر اور وہ سب کچھ ہو جو اسے ہونا چاہئے تب بھی وہ سب کچھ فراہم نہیں کر سکتا جس کا مطالبہ ننھے بچے کی نشوونما اور تیزی سے نت نئی شکلیں اختیار کرنے والی طبیعت کرتی ہے۔ اس لئے ان ننھی تربیت گاہوں کے بناتے وقت یہ بات سامنے رکھنی چاہئے کہ یہ گھر کا بدل بھی ہیں اور گھر کی کمیوں کو پورا کرنے والے بھی۔ بچے کی تربیت میں گھر کا وہ اثر ہے کہ اگر ان تربیت گاہوں نے گھر سے اپنا رشتہ مضبوط نہ کیا تو اپنا کام کبھی خوبی سے انجام نہ دے پائیں گے۔ ایک طرف ماں کی واقفیت سے کام لینا ہوگا، اور دوسری طرف ماں کو بچے کی خدمت کی راہیں سجھانی اور سمجھانی ہونگی اس کا کچھ بوجھ اپنے کندھوں پر لینا ہوگا کہ جو بوجھ اس کے ذمہ رہے وہ اسے زیادہ خوبی سے اٹھا سکے۔ ان تربیت گاہوں کو طبی نگرانی کا انتظام کرنا ہوگا اور وہ طبی امداد پہنچانی ہوگی جس کی بچے کو ضرورت رہتی ہے۔ انہیں بچے میں اچھی عادتیں ڈالنی ہوں گی اور ایسا ماحول پیدا کرنا ہوگا جس میں وہ عمر کے تقاضوں کے اعتبار سے وہ سیکھ سکے جو فطرت چاہتی ہے کہ وہ سیکھ جائیں۔ جہاں طرح طرح کے کھیلوں کا انتظام کرنا ہوگا، ری بھی، تخلیقی بھی تمثیلی بھی، اور بچے کو اپنی بدنی نشوونما کے لئے جس عمل اور حرکت کی ضرورت ہے اس کے مواقع بھی فراہم کرنے ہوں گے یا آس پاس کی چیزوں کے خواص سے آگاہی کا سامان ان کے برتنے میں جو ہنرمندی درکار ہے اس کی بنیاد ڈالنی ہوگی؛ اور بات چیت اپنے ساتھیوں سے اور اپنے بڑوں سے اپنی کہنے اور ان کی سمجھنے کا خوگر بنانا ہوگا۔ پھر سال کی عمر سے بچے کو ساتھیوں کی تلاش ہوتی ہے خالی ان کی رفاقت کافی نہیں ہوتی نے اور گرد اور بچے جو ہیں ان سے ملا لینا، انہیں سہارا دینا چاہتا ہے [illegible]

تعلق آزمانے [illegible]

محبت اور رفاقت ملنی چاہیے اور یہ چیز تربیت گاہیں اکثر گھروں سے زیادہ خوبی سے فراہم کر سکتی ہیں۔ البتہ یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ ساتھیوں کا یہ حلقہ کہیں بہت بڑا نہ ہو جائے جب رفیق بہت زیادہ ہو جائیں تو وہ بھائی بہن نہیں رہتے انبوہ بن جاتے ہیں جس میں بچہ کھو سا جاتا ہے اور جن سے اسے کسی کو کوئی داخلی لگاؤ پیدا نہیں ہوتا۔ وہ اس انبوہ میں یا تو اپنے کو کھو جاتا ہے، غریب اور مسکین بن جاتا ہے یا پھر لڑتا جھگڑتا ہے اور ہر ایک پر حاوی ہو جانے کی کوشش کرتا ہے۔ یا دب جاتا ہے، یا دبانا چاہتا ہے۔ تعداد کے بڑھ جانے میں ننھے بچوں کے لئے متعدی امراض کا خطرہ بھی سخت خطرہ ہے اس لئے تعداد کو کم ہی رکھنا ٹھیک ہے۔ اور اس کا خیال اس وجہ سے اور بھی ضروری ہے کہ ہم کہیں اپنی مالی دشواریوں کے پیش نظر یا کام کو جلد جلد پھیلانے کی خاطر یہ نہ کر بیٹھیں کہ ان تربیت گاہوں میں بہت بہت سے بچوں کو یکجا کر دیں۔ میری رائے میں تو ایک تربیت گاہ میں ۳۰-۴۰ سے زیادہ بچے نہیں ہونے چاہئیں۔

ان نئی تربیت گاہوں کو اگر واقعی گھر کا نعم البدل اور گھر کی کمیوں کا پورا کرنے والا بنانا ہے تو اس کی عمارت، اس کے باغیچے، اس کے کھیل کے انتظام، اس میں کھانا تیار کرنے اور کھانا کھلانے کا سفرا اہتمام، اس میں بچوں کے پالتو جانوروں کی گنجائش، بچوں کے لئے صفائی اور طہارت کے مواقع، ان کے لئے بیچ اور ہلکے سازوسامان، غرض بہت سی باتوں کو سامنے رکھ کر ہر چیز کی جگہ نکالنی ہوگی۔ ہمارے ملک میں ابھی تعلیمی حلقوں میں تعلیمی ضرورتوں کا خیال ذرا کم ہی رکھا جاتا ہے، ہر قسم کی عمارت ہر قسم کے کام میں لائی جا سکتی ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ ٹھیک بات نہیں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ ملک کے اچھے ماہرین تعمیرات اور ماہرین تعلیمات باہمی مشورہ سے ان تربیت گاہوں کے لئے نمونے کے نقشے بنائیں جنہیں مقامی خصوصیات کے پیش نظر کم بدل کر ہر جگہ کام میں لایا جا سکے۔ برطانیہ کی نرسری اسکول ایسوسی ایشن [illegible] کے [illegible] پاس ہونے سے پہلے ہی [illegible] بھی شائع [illegible] میں [illegible]

مکانات اور ساز و سامان سے متعلق تمام ضروری امور پر ماہرین کے مشوروں کا خلاصہ درج کر دیا ہے کا شر ہم بھی اپنے کاموں میں اس پیش بینی کا ثبوت دے سکیں۔ کیوں نہ آپ کی فیلوشپ اس قسم کے کام اپنے ذمے لے لے؟

آپ کی کانفرنس کے سامنے دوسرا بحث طلب مسئلہ ابتدائی تعلیم کا ہے، جسے اب کل ملک کی تعلیمی اصطلاح میں بنیادی تعلیم کہنے لگے ہیں۔ یہ ۵-۶ سال سے اوپر کی عمر کے لڑکے لڑکیوں کی تعلیم کا مسئلہ ہے۔ اس عمر کے لڑکوں اور لڑکیوں میں سے کچھ کی تعلیم تو ہمیشہ جیسی تیسی ہوتی ہی رہی ہے، لیکن جب تک تعلیم یہ کام بھی کام رہتا ہے بچوں کے سرپرست اپنی مرضی اور بچے سے متعلق اپنے منصوبوں کے پیش نظر جس قسم کی اور جتنی تعلیم کا انتظام چاہتے ہیں کرتے ہیں، یا استاد اپنی مرضی سے شاگرد کو جو چاہتا ہے سکھاتا ہے اور جیسا چاہتا ہے بناتا ہے۔ اس لئے تعلیم کے مقاصد اور اس کے طریقے کار کے متعلق بہت اختلاف رہتا ہے، جتنے منہ اتنی باتیں، جتنے راہی اتنی راہیں۔ لیکن جب تعلیم جماعت کا وظیفہ بن جاتی ہے تو جماعت قدرتی طور پر ہمیشہ یہ چاہتی ہے کہ تعلیم سے متعلّم کو اپنا کارآمد بنائے۔ اس کارآمد بنانے میں جماعت کی طرف سے بڑی زیادتیاں ہو سکتی ہیں اور برابر ہوتی رہتی ہیں۔ کارآمد بنانے کی خاطر آدمیت کے حق چھین لئے جاتے ہیں۔ سانچوں میں کس کر ہر انفرادی خصوصیت کا جھول مٹا دیا جاتا ہے اور ایک سے ترشے ترشائے ڈھلے ڈھلائے شہری بنانے کی خواہش کو بے روک ٹوک پورا کیا جاتا ہے۔ پر اگر جماعت کا نظام جمہوری ہو تو چونکہ جمہوریت انسان کی بہ حیثیت انسان قدر کرتی ہے، اس لئے اس کی انفرادیت کا پاس کرنے پر بھی مجبور ہوتی ہے۔ مگر کارآمد آدمی تو اسے بھی درکار ہوتے ہیں۔ اس کا تو وجود ہی اپنے شہریوں کی صحیح تعلیم پر منحصر ہوتا ہے۔ دوسرے اگر اپنے لئے کارآمد اور مطیع رعایا بنانے کی فکر میں رہتے ہیں تو اسے اپنے حقیقی آقاؤں کی تربیت کا کام انجام دینا ہوتا ہے۔ چنانچہ جہاں جہاں جمہوری سیاسی ادارے فروغ پاتے ہیں تعلیم کو عام کرنا ہوتا ہے، اس کا مفت نظام کرنا ہوتا ہے اور چونکہ معاملہ جماعت کے اچھی یا بری جماعت بننے کا ہوتا ہے بلکہ اس کی بہبود بہت کا ہوتا ہے [illegible]

ملک میں بھی جوں جوں سیاسی ارتقا جمہوریت کی طرف بڑھ رہا ہے تعلیمی مسئلہ جماعتی زندگی کا اہم ترین مسئلہ بنتا گیا ہے۔ اور اس وقت کہ ہم آزاد جمہوری حکومت سے بہت قریب ہیں۔ چاہے ایک متحدہ ہندوستان ہو چاہے علیحدہ علیحدہ پاکستان اور ہندوستان ہوں، اس لئے اس بات پر شاید سب ہی متفق ہوں گے کہ ہمیں اتنی مدت کے لئے جتنی جماعتی مقاصد کے پیش نظر ضروری نظر آئے اپنے تمام لڑکے لڑکیوں کے لئے عام اور مفت اور لازمی تعلیم کا انتظام کرنا ہی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس پر بھی سب کو اتفاق ہوگا کہ یہ مدت اگر ۴ یا ۵ ہی سال کی ہوئی تو کام نہ چلے گا اور خود مختاری اور جمہوری آزادی کا بوجھ اٹھانے والے شہریوں کی تیاری کے لئے فی الحال کم سے کم ۷ یا ۸ سال کی تعلیم کا انتظام کرنا ہوگا، اور آگے چل کر اس مدت کو شاید اور بڑھانا پڑے۔

لیکن یہ چیزیں جن پر میں نے کہا ہے کہ اتفاق ہے، بس خارجی ڈھانچے ہیں، اصل سوال تو یہ ہے کہ یہ تعلیم ہو کیسی؟ اس کے جواب کا سوچنا اور اسے صحت سے برابر قریب تر لانے کی کوشش جمہوری جماعت میں یوں تو سب کا کام ہے مگر خصوصیت کے ساتھ اس کے تعلیمی کام کرنے والوں کا فرض ہے ہمیں اس کانفرنس میں بھی اس پر ضرور غور کرنا چاہئے۔ اس سوال کا جواب تلاش کرتے میں ہم یا جماعت کے اغراض کو پہلی جگہ دے سکتے ہیں یا فرد کی تعلیم پذیری کے امکانات کو۔ جماعت کی طرف سے تعلیم انتظام ہو، اس کی غایت جماعت کا استحکام اور اس کی ترقی ہو تو آسانی سے یہ ہو سکتا ہے کہ ہم جماعت کی ضرورتوں ہی کو سامنے رکھ کر اس سوال کا جواب دے دیں۔ لیکن یاد رہے کہ اس میں بڑے خطرے ہیں۔ جمہوری جماعت بھی کوتاہ اندیشی سے بالکل پاک نہیں ہوتی۔ یا جو انفرادیت کے احترام کے [illegible] کے جماعتی زندگی کی ضرورتیں عملاً اس انفرادیت کا انکار کر سکتی ہیں [illegible] تعلیمی نظام بھی آخری [illegible] کی طرح [illegible] کے اپنے شہریوں [illegible] پیدا کرنے کی تدبیر کر سکتا ہے [illegible] مستقل مقاصد [illegible] سوال مستقبل کو دنیا [illegible] بھی تعلیم [illegible] تو وہ [illegible]

اگر نہ ہو تو اسی صورت کو اختیار کیا جائے۔

تعلیم کے عمل میں فرد اور جماعت کے درمیان پہلے دن سے جو لین دین کا سلسلہ ہے آپ تعلیم کا کام کرنے والے ہیں، آپ سے تو یہ پوشیدہ نہ ہوگا کہ تعلیم یعنی واقعی ذہنی تربیت کیسے ہوتی ہے۔ ذہن بھی اپنی نمو کے لئے جسم کی طرح غذا چاہتا ہے۔ یہ غذا اسے کہاں ملتی ہے؟ جماعت کے تمدن سے۔ اس کی مادی اور غیر مادی تحصیلات سے، اس کے علم سے، اس کی زبان سے، اس کے ادب سے، اس کی صنعت و دستکاری سے اس کے نظام اخلاق سے، اس کے رسم و رواج سے، اس کی سماجی زندگی کے نمونوں سے، اس کے گاؤں قصبوں، شہروں کی تنظیمات سے، اس کی موسیقی سے، اس کی مصوری سے، اس کی تعمیرات سے، اس کی عبادتوں سے، اس کے کارخانوں سے، اس کی حکومت کے انتظامات سے، اس کی بڑی شخصیتوں کی زندگی کے نمونوں سے۔ غرض اس کی رنگارنگ تخلیقات سے۔

جماعتی تمدن کی یہ ساری مادی اور غیر مادی چیزیں جو نشو و نما پذیر دماغ کے لئے غذا کا کام دیتی ہیں خود بھی کسی نہ کسی ذہن انسانی ہی کی پیداوار ہوتی ہیں۔ کسی انسانی ذہن ہی نے ان میں یہ روپ لیا ہے، کسی انسانی ذہن ہی نے ان میں اپنی توانائی کو محفوظ کر دیا ہے۔ ان میں انسانی ذہنوں کی بصیرتیں اور آمدیں اور کاوشیں ہی تو مضمر ہیں، یہ سب کسی متاع ذہنی رکھنے والے کا چھپا خزینہ ہیں، یا کسی سرخوش روح کی آرائش غرض سب ذہن انسانی کی رہین منت ہیں اور اس لئے سب کی اپنی اپنی ذہنی ساخت ہے۔

جب کوئی تربیت طلب ذہن ان چیزوں سے دوچار ہوتا ہے تو ان کی چھپی ہوئی قوتیں آشکار ہوتی ہیں، ان میں سوئی ہوئی توانائیاں اس نئے ذہن میں جاکر بیدار ہوتی ہیں، اس کے لئے یہ خزینے اپنا منہ کھول دیتے ہیں اور یہ ساکن آئینوں سے اس کے لئے پھر شروع ہو جانے والا [illegible] ہوتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہر تربیت طلب ذہن کے لئے ہر چیز ذہنی غذا نہیں ہو سکتی، جسمانی تقاضوں کی طرح ذہنی غذا اس کی سب کی ایک ہی نہیں [illegible] کسی کو کوئی [illegible] اس کا ہے کہ ہر ذہن کو ایسی چیز ملنی چاہئے جس کی ذہنی ساخت اس کی اپنی ذہنی ساخت سے [illegible] تعلیم کا بنیادی گر ہے جس کو [illegible]

دینے کی کوشش جس دماغ کی ساخت ادبی کاوشوں کے نتیجوں سے مطابق ہو اسے صنعتی اشیا، تمدن سے جس کی ساخت علمی اور نظری چیزوں سے مناسبت رکھتی ہو اُسے علمی چیزوں سے تعلیم دینا، یا اُس کے برعکس تعلیم کی اہمیت سے ناواقفیت کی دلیل ہے اور اصلی ذہنی تربیت کے دروازوں کو بند کر کے آدمیوں کو طوطوں اور سرکس کے جانوروں کا مرتبہ دینا ہے۔

اچھا تو اس اصول کا تقاضا ۷-۶ سال کی عمر کے لڑکے لڑکیوں کے لئے کیا ہے؟ اگر ایسا ہو کہ ہر لڑکے لڑکی کی تربیت ذہنی الگ الگ تمدنی اشیا ہی سے ہو سکتی تو پھر کسی عام نظام کے بنانے کی دشواریاں ناممکن کی سرحد تک پہنچ جاتیں۔ عمومی تعلیم کا نظام بنانے والوں کی خوش بختی ہے کہ اس عمر میں تفریق ذہنی پیدا ہونے سے پہلے عملی رجحان بچوں میں بہت عام بلکہ یوں کہئے کہ عالم گیر ہوتا ہے۔ اس عمر میں بچے چاہتے ہیں کہ کچھ بنائیں بگاڑیں، توڑیں جوڑیں۔ ان کے ہاتھ کام کے لئے بے چین ہوتے ہیں۔ ان کی تربیت ذہنی کے لئے اس عمر میں فطرت کا منصوبہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہاتھوں کی مدد سے مختلف چیزوں کو برت کر پہچانیں اور کام کر کے سیکھیں۔ یہ بڑی ہی [illegible] ہے کہ ہم اس عمر کے بچوں کے لئے ذہنی تربیت کے اس امکان کو یعنی عملی کام کو ان کی تعلیم میں جگہ نہیں دیتے، اور فطرت کے تقاضوں کو ٹھکرا کر اپنی من مانی تدبیروں سے اصلی تربیت کی جگہ خالی طمع کاری پر زور دیتے رہتے ہیں۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ اس میں ذرا کی ذرا گنجائش نہیں ہے کہ اس منزل میں عملی کام کو تعلیمی سعی کا مرکز بنانا چاہئے۔

تعلیم پانے والے اور ذریعہ تعلیم میں مطابقت کے علاوہ اس منزل میں ہاتھ کا کام خود ذہنی کام کی ذہنی ورزش، اور ذہنی ورزش سے ذہنی نمو کی مفید ترین شکل ہے۔ اس کے ذریعہ جو ہنرمندی اور جو واقفیت پیدا ہوتی ہے وہ ذہن کو جلا دیتی ہے، جو خالی کتابوں سے حاصل ہوئی اکثر و بیشتر اسی غرض کے لئے بیکار ثابت ہوتی ہے۔ ہم تعلیم کا کام کرنے والوں کو یہ کبھی نہ بھولنا چاہئے کہ ہر ہنرمندی اور ہر واقفیت ذہنی تربیت کی وجہ نہیں ہوتی نہ اس کی علامت ہے، نہ اس کا پیمانہ۔ واقفیت بھی دو طرح کی ہوتی ہے اور ہنرمندی بھی دو طرح کی۔ ایک واقفیت وہ ہوتی ہے جس کے لئے دوسرے کام کرتے ہیں اور ہم بیٹھے [illegible] خود اپنی تجربہ

حاصل ہوتی ہے جو نہ ذہن بنتی، نہ ذہن کو روشن کرتی، اس میں نظر پیدا کرتی ہے۔ اسی طرح ہنرمندی، میکانکی ہنرمندی ہوتی ہے اس میں سوجھ بوجھ کی ضرورت نہیں، مشقت درکار ہے، کچھ پہلے سے مقرر ہے اس کی تکرار کرنی ہے، پہلے سے کچھ دوسرے نے متعین کر دیا ہے اسے پیدا کرتی ہے۔ ایک ہنرمندی میکانکی نہیں ہوتی، ذاتی صلاحیت کی بنا پر نئی اقدار پیدا کرنے سے حاصل ہوتی ہے، اسے تخلیقی ہنرمندی کہہ سکتے ہیں۔ روایتی خبری علم بے جان ہوتا ہے اور بے نمو، اس سے نہ دماغ کو روشنی نصیب ہوتی ہے نہ روح کو بالیدگی۔ اکثر یہ نفس کی عیب پوشی کے لئے ایک خوشنما پردہ ہوتا ہے، یا ایک خالی ظرف پر چڑھا ہوا چمڑا، آواز بہت دیتا ہے اور اندر سے ہوتا ہے کھوکھلا۔ تجربہ سے حاصل کیا ہوا علم انکسار پیدا کرتا ہے اور وقار، ذہن کو تربیت دیتا ہے۔ روح کو روشن کرتا ہے۔ اور ہمیشہ آگے بڑھنے کی طاقت بخشا جاتا ہے۔ یہی حال میکانکی ہنرمندی کے مقابلے میں تخلیقی ہنرمندی کا ہے حقیقی تعلیم یعنی ذہن کی سچی تربیت تجربہ والے علم اور تخلیقی ہنرمندی سے ہوتی ہے۔ تجربہ والے علم اور تخلیقی ہنرمندی دونوں کی خاطر اپنے بنیادی مدرسوں میں ہاتھ کے کام کو داخل کرنا اور اس سے صحیح تعلیمی کام لینا ضروری ہے۔

اس مطالبہ سے بعض لوگ جھٹ یہ نتیجہ نکال لیتے ہیں کہ پھر خبری کتابی علم اور میکانکی ہنرمندی کے لئے مدرسہ میں کوئی جگہ ہی نہ ہونی چاہیئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ لوگ ذرا عجلت کرتے ہیں اور اصولوں کو زندگی کا خادم نہیں بناتے بلکہ زندگی کو نام نہاد اصولوں کا غلام بنانا چاہتے ہیں۔ یا ایک صحیح بات کو مبالغہ کے ساتھ پیش کر کے اسے مہمل بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ نہ ہر تخلیقی کام لازماً تعلیمی کام ہوتا ہے نہ ہر میکانکی کام کو تعلیم گاہ سے دیس نکالا دینا ہی لازمی ہے۔ نہ ہر خبری علم تعلیم ہے، نہ ہی سب کتابوں کو پیرِ آتش کرنا ضروری۔ ذرا تامل کیجئے تو معلوم ہوگا کہ تعلیمی اعتبار سے بار آور کام وہ ہوتا ہے جس میں پہلے کام کرنے والے کو مسئلہ کا واضح احساس ہو، وہ اپنے کام کا ذہنی خاکہ بنائے، اس کے وسائل سوچے، ممکن [illegible] میں سے کسی ایک کو بخوبی منتخب کرے پھر اس کام کو کر گذرے، کرنے کے بعد اپنے [illegible] کے سامنے رکھ کر اسے جانچے، اس کی خوبی پر خوش ہو، اس کی غلطیوں سے [illegible]

ضروری ہیں، یہی اس کام کو تربیتی صفت بخشتی ہیں۔ جزی علم اور میکانکی کام میں یہ منزلیں نہیں ہوتیں اس لئے وہ صحیح تعلیم و تربیت کا ذریعہ نہیں ہو سکتے۔ لیکن پھر بھی تعلیمی کام میں ان دونوں کے لئے جگہ ہے اور بعض اعتبار سے خاصی اہم جگہ۔ ہوتا یہ ہے حقیقی تعلیمی کام کے سلسلے میں کام کرنے والوں کو بہت سی ایسی واقفیت درکار ہوتی ہے جسے سب کو اگر وہ تجربے ہی سے حاصل کرنا چاہے تو عمر بیت جائے۔ بہت سے تخلیقی تعلیمی کاموں میں ایسی ہنرمندیوں کی ضرورت پڑتی ہے کہ اگر وہ پہلے سے حاصل کر کے میکانکی طور پر کام میں نہ لائی جا سکیں تو یہ منصوبہ پورا ہی نہ ہو سکے ایسی صورتوں میں میکانکی مہارت اور جزی علم تجربہ اور تخلیق کے منصوبوں میں مددگار کی حیثیت سے شامل ہو جاتے ہیں اور ان کی حیات پرور صحبت میں ان کی مردنی بھی زندگی کی حسین ہو کر انھیں زندگی بخش دیتی ہے۔

تعلیمی کام کی جو خصوصی منزلیں ہم نے [illegible] کام [illegible] ہو سکتی ہیں۔ اخلاقی فیصلوں میں بھی، ادبی کاوشوں میں بھی، اور ہاتھ کے عملی کام میں بھی۔ تفصیل کا موقع نہیں ہے لیکن ادنیٰ تامل سے واضح ہو جائے گا کہ ہاتھ کے کام میں یہ منزلیں بہت وضاحت سے کام کرنے والے کے سامنے آ سکتی ہیں۔ اس لئے اگر ہم تجربی علم اور تخلیقی ہنرمندی کو حقیقی تعلیم مانیں تو اپنے ان بنیادی مدرسوں میں ہاتھ کے کام سے یہ تربیتی خدمت لینے کی تدبیر کرنا لابدی بھی ضروری ہے۔

یہ جو عمل تعلیم کی ماہیت تعلیمی کام، تجربی علم اور تخلیقی ہنرمندی کی تربیتی قوت کے تقاضوں سے ہم فرد کی بہتری ذہنی نشوونما کی خاطر ہاتھ کے کام کو بنیادی مدرسوں میں رواج دینا چاہتے ہیں۔ حسن اتفاق دیکھئے کہ جماعت کے مفاد کا مطالبہ بھی یہی ہے۔ جس جماعت میں بہت بڑی اکثریت ہاتھ کے کام کو اپنی زندگی کا اہم شغل بنانے پر مجبور ہے اس کی تعلیم گاہیں اور تربیت کے ادارے ہاتھ کے کام کی ہوا نہ لگنے دینا، کہاں کی دانشمندی ہے۔ سچ یہ ہے کہ قومی زندگی سے ایسی دوری اور اس کے واضح مطالبوں سے ایسی بے اعتنائی اسی وقت ممکن ہے جب یہ مدرسے گنتی کے چند خود غرضوں کے ہاتھ میں [illegible] اپنی جماعت کے سوا [illegible] جماعت [illegible] ہاتھ کے کام [illegible] اصل [illegible] پیدا کرنا [illegible]

کی روح فرد کا احترام باقی ہے۔ فرد جس طرح کام آسکتا ہے کہ اپنی انفرادیت کو بھی نئے تجربات پہ لگائے اسے اپنے انفرادی ترقی کے امکانات سے بھی محروم نہ کیا جائے۔

چنانچہ اگر ہم نے عصر حاضر جامعات کے تعلیمی مطالبوں میں ہم آہنگی پا کر اپنے بنیادی مدرسوں کو کام کا مدرسہ بنا دیا اور اس میں تجرباتی علم اور تخلیقی کام اصلاً کے معاون بلکہ خادم کی حیثیت سے کتابی اور میکانکی کام کا ایک ایسا آمیزہ تیار کر لیا جس سے ۶ سے ۱۴ سال کے لڑکے لڑکیوں کی ذہنی نشو و نما کا کام اچھی طرح انجام پا سکے، تو کیا ہم نے سب کچھ کر لیا جو ان کی تعلیم کے لئے کرنا ہے، خیر سب کچھ تو یوں بھی کوئی کبھی نہیں کر سکتا لیکن ہم نے تو شاید ابھی اپنا سب سے اہم کام نہیں کیا ہے۔ جس نے ذہن کی صلاحیتوں کو نشو و نما دینے کا انتظام کر دیا اگر ہنرمندیاں پیدا کر دیں تو تعلیم کا کام ختم نہیں ہو گیا۔ صلاحیتیں اور ہنرمندیاں اچھی بھی ہوتی ہیں بری بھی۔ وہ اچھی اور بری بنتی ہیں ان مقاصد سے جن کی خدمت میں وہ لگائی جاتی ہیں۔ آپ کی عدالتوں میں جھوٹ کو سچ بنا کر روپیہ بٹورنے والے، آپ کے تجارتی فرموں میں کالی منڈی کے شکاری اور جماعتی محاصل کے چور، آپ کے عہدہ داروں میں رشوت کا بازار گرم کرنے والے، آپ کے پبلک کام کرنے والوں میں ذاتی غرض پر عام مفاد کو بے جھجکی بھینٹ میں قربان کرنے والے، آپ کے عالموں اور پنڈتوں، آپ کے جوگیوں اور صوفیوں میں عام مخلوق کے جہل اور توہم پرستی سے بے دریغ ناجائز فائدہ اٹھانے والے، آپ کے جھوٹے گواہوں کی کامیاب فوج، آپ کے جعل سازوں کے بازیگر دل، یہ سب کچھ ذہنی صلاحیتوں اور مہارتوں میں کسی سے پیچھے تو نہیں ہیں۔ کیا ہم اپنے مدرسوں کو ذہنی صلاحیتوں کے چمکانے اور مہارتوں کے پیدا کرنے کے ادارے بنا کر ان ہی انھیں قوموں کے لئے کمک حاصل کرنا چاہیں گے؟ نہیں تعلیم مہارتوں سے ختم نہیں ہوتی۔

بالفعل کا مقصد کام کا تعلیم بنانے سے [illegible]

کی آزادی ہے، مشاغل کے انتخاب کی آزادی ہے۔ اس سبب سے انفرادیت کی بالعموم قدر کرنے والی قومیں اُبھرتی ہیں جو ان اداروں کی قدر کرتے ہیں اور جمعیت کی خاطر انھیں ہاتھ سے دینے کو بہت گراں سودا جانتے ہیں، لیکن جنھیں جماعتی زندگی کا انتشار بھی گوارا نہیں، انھیں ان آزادیوں کے ساتھ ساتھ ذہن جماعتی کے نشوونما اور جمعیتہ قومی کے استحکام کی تدبیریں بھی سوچنی چاہئیں۔ انھیں دیکھنا چاہئے کہ مدرسہ ایک جماعتی ادارہ کی حیثیت سے اس باب میں ہماری کیا مدد کر سکتا ہے۔ آج تو وہ تعلیم سے انفرادیت کو کچلتا ہے اس لئے کہ سب کے واسطے وہ راہ متعین کرتا ہے جو بہت کم کی صحیح راہ ہو سکتی ہے۔ تعمیر اور تخلیق کے لئے بےچین بچوں کو کتابوں پر جھکاتا ہے، ان اوزاروں کی جگہ جن کی طرف بچوں کی للچائی نظریں بڑھتی ہیں، انھیں قلم دوات دیتا ہے۔ اُچھلنے کودنے کے لئے بےتاب بچوں کو گھنٹوں چپ چاپ بیٹھنے پر مجبور کرتا ہے۔ ایک طرف تو انفرادیت کے ساتھ یہ بےاعتنائی۔ دوسری طرف خود غرضی کی راہوں پر انھیں چلانے کے لئے وہ اہتمام کہ الاماں۔ اپنے مدرسوں کے نصاب کو، ان کے کاموں کو، ذرا غور سے دیکھئے اور ان کی تحلیل کیجئے تو معلوم ہوگا کہ ان میں شاید ایک ہی کاروبار ہوتا ہے وہ یہ کہ افراد کی ذہانت، ان کی قوتِ ارادی، ان کی ہنرمندی، سب بس فرد ہی کے لئے نشوونما پائیں۔ جماعتی محرکات کو نہ بروئے کار آنے کا موقع ملتا ہے، نہ وہ اُبھرتے ہیں۔ نہ تربیت پاتے ہیں۔ ذہن کو بیدار کیا جاتا ہے، دل کو سُلایا جاتا ہے۔ حقوق یاد رہتے ہیں۔ فرائض بھلائے جاتے ہیں۔ انفرادی غرض طلبی کی ڈھلوان شاہراہ پر بچے ڈھکیلے جاتے ہیں، جماعتی بےغرضی اور خدمت کے دروازے بند رہتے ہیں۔ دوسرے کو کہنی مار کر آگے بڑھ جانے کی ہر دم مشق مہیا ہے، ساتھی کو سہارا دے کر آگے بڑھانے کا کہیں نام نہیں، سب اپنے اپنے لئے ہیں۔ سب کے لئے کوئی نہیں۔ اس زمانے میں کبھی کبھی قومی خدمت، پڑوس کے حقوق، باہمی تعاون کی تلقین ہو جاتی ہے لیکن یک رنگی کے کام باتوں سے انجام نہیں پاتے، کیونکہ ان کی عادتیں محض باتوں سے پختہ نہیں ہوتیں۔ زندگی سے حقیقی تعلق خیال اور احساس کے علاوہ عمل کا طالب بھی ہے۔ جماعت کے لئے ان صحبت کے عملاً تربیت کے [illegible] [illegible] ہے مدارس کا [illegible] اچھی جماعت [illegible]

افراد کو اس کا موقع دیتی ہے کہ وہ مل کر اس کے لئے کچھ کریں اور اس پر خوش ہو سکیں۔ اچھا مدرسہ بھی جماعتی کام کی مشترک خوشی کے مواقع نکالتا ہے۔ کام کے کامیابی سے انجام پانے پر خوشی تو انفرادی سعی میں بھی ہوتی ہے۔ مگر وہ جماعتی مقاصد سے بے تعلق ہوتی ہے۔ کام کی اس انفرادی مسرت کو، کہ خودغرضانہ عمل کا انجن ہے، جماعتی مقاصد کی پٹری پر ڈال دینا چاہئے۔ انفرادی عمل کی خوشی کو جماعتی کام کی لگن اور اس پر سرور اور فخر میں بدل دینا چاہئے۔ یوں جماعت سے فرد کا تعلق خود کے لئے وجہ مسرت وافتخار بن جاتا ہے اور فرد اور جماعت کی گتھی فلسفیانہ بحثوں کے بغیر کھل جاتی ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ مشترکہ کام کو یہ مسرت کس قسم کے کام سے حاصل ہو سکتی ہے؟ میں سمجھتا ہوں کہ یہ اسی وقت نصیب ہوتی ہے جب کام، کام کرنے والے کی صلاحیت، اس کے رجحانات اس کی طبیعت کے جھکاؤ کے مطابق ہو۔ اور صاحبو! آپ سے بہتر کون جانتا ہے کہ یہ صلاحیت کیا ہوتی ہے، اور یہ جھکاؤ کدھر ہوتا ہے۔ کتابوں کی طرف ہوتا ہے، یا عملی کام کی طرف۔ چنانچہ انفرادی رجحان اور قومی مصالح دونوں کا تقاضا یہ ہے کہ ہمارے کتابی مدرسے عملی کام کے مدرسے بن جائیں۔ اس پہلے قدم سے پورا فائدہ اٹھانے کے لئے دوسرا قدم یہ ضروری ہے کہ عملی کام کی انفرادی خواہش کو مشترک جماعتی کاموں میں لگانے کا انتظام کیا جائے۔ اور مدرسہ کو کام کی جمعیتہ دے دی جائے۔ اور جب خودغرضانہ عمل کا جذبہ جماعتی خدمت میں منتقل ہو جائے ایک نظم کے ماتحت اپنے کو لانے، دوسرے کی مدد کرنے، دوسرے سے مدد لینے، کی عادت پڑنے لگے اور ذمہ داری کا احساس پیدا ہو جائے تو تیسرا قدم یہ ہے کہ عادتوں کو بصیرتوں میں بدلا جائے۔ اس مشترک عمل کے جماعتی محاسن اجاگر کئے جائیں، اور شخصی اور جماعتی اغراض کے ساتھ ساتھ پورا ہو سکنے کے امکانات واضح کئے جائیں۔ اور چوتھا قدم یہ ہے کہ متعلمین کے اکثر انتظامات خود ان کے ہاتھ میں دے دئے جائیں۔ ذمہ داری کا احساس اور اپنے کام کو اپنے بس بھر بہترین طور پر انجام دینے کی عادت آزاد اور باہم عمل ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ مدرسہ کی تنظیم فضا میں منتظمانہ نگرانی اور مشورہ کے ساتھ یہ سب منزلیں خوبی سے طے ہو سکتی ہیں اور مدرسہ [illegible]

جمہوری ریاست کا جو اسے چلاتی ہے سب سے مفید ادارہ بن سکتا ہے اور اس ریاست کو بہتر ریاست بنانے میں سب سے زیادہ موثر قوت ثابت ہو سکتا ہے۔

صاحبو! میں نے آپ کا بہت وقت لیا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اپنے بنیادی مدرسوں میں یعنی اپنی قومی تعلیم کے سب سے اہم حصہ میں اگر ہمیں کچھ کرنا ہے تو بس کرنے کی چیز یہی ہے کہ ان مدرسوں کو خبری علم کے مرکزوں کی جگہ تجربی علم کے مدرسے بنانا چاہیے۔ کتابوں کے مدرسہ کی جگہ کام کا مدرسہ بنانا چاہیے۔ انفرادی خود غرضی کی جگہ بے غرض جماعتی خدمت کی تربیت گاہ بنانا چاہیے۔ ادبی و نظری یک طرفہ پن کی جگہ ان میں زندگی کے کل تنوع کو جگہ دینی چاہیے۔ یہ مشکل کام ہے، مگر ضروری کام ہے۔ ہمارا مستقبل اس منصوبہ کی کامیابی کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس کام میں آپ کے بہت سے مددگار ہوں گے اور اس سے زیادہ رکاوٹ ڈالنے والے۔ لیکن یہ کام انجام اُسی وقت پا سکتا ہے جب استاد اپنے فرض کو جانیں۔ اور تعلیم کے معاملے میں اپنے منصب کو پہچانیں۔ مجھے یقین ہے کہ نیو ایجوکیشن فلوشپ کے ارکین اس میدان میں اور سب سے آگے ہوں گے۔

پس ماندہ ممالک کی معاشی ترقی

۱۸۱۴ء سے ۱۹۱۴ء تک کے تقریباً سو سالوں میں دنیا نے معاشی حیثیت سے بہت نمایاں ترقی کی۔ اور بہ کئی حیثیتوں سے اس صدی کو غیر معمولی ترقی کا زمانہ قرار دیا جا سکتا ہے دنیا کی آبادی میں دگنے کا اضافہ ہوا۔ چیزوں اور خدمات کی پیداوار کی قیمت میں اس سے بھی زیادہ۔ انفرادی اوسط حقیقی آمدنی میں بھی بہت زیادہ اضافہ ہوا لیکن اس معاشی ترقی میں ایک نقص تو یہ کمی رہ گئی کہ قوم کے مختلف طبقوں کو اس میں مساوی حصہ نہ ملا۔ دوسرے مختلف ملکوں کی ترقی کی رفتار یکساں نہ تھی۔ انیسویں صدی کے وسط سے اس کے اختتام تک اشیا کی پیداوار میں جو بہت زیادہ اضافہ ہوا اس سے یوں تو ہر طبقے کے لوگ مستفید ہوئے لیکن معاشی عدم مساوات میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ ہاں اس کے بعد مغربی یورپ اور دوسرے ترقی یافتہ ملکوں میں اس بات کی کوششیں شروع کی گئیں کہ محاصل اور دوسرے ذرائع سے معاشرت کے مختلف حصوں میں باہمی مساوات پیدا ہو جائے۔ پھر بھی دولت کی غیر مساوی تقسیم ہماری موجودہ معاشی تنظیم کی ایک نمایاں خصوصیت ہے۔ لیکن بین الاقوامی نقطۂ نظر سے اس طرح کی کسی کوشش کا دور دور کوئی وجود نہیں ملتا۔ یہ صحیح ہے کہ آمدنی کا اضافہ محض مغربی یورپ تک محدود نہیں تھا ساری دنیا اس میں شریک تھی لیکن اس بڑھی ہوئی دولت میں مختلف قوموں کا حصہ برابر نہ تھا اس دولت کا بہت بڑا حصہ دنیا کے ایک چھوٹے سے رقبے کے حصے میں آیا۔ بہت سی قومیں تو بس محض نام کے لئے شریک ہیں۔ عملاً آج امریکہ، برطانیہ عظمیٰ، فرانس اور جرمنی جہاں دنیا کی صرف ۱۲ فیصدی آبادی بستی ہے، دنیا کی نصف دولت پر قابض ہیں۔ اور دنیا کی ۲/۳ آمدنی دنیا کی آبادی کی ملکیت ہے

یہ صورتِ حالات مستقبل کے امن کے لئے بیحد خطرناک ہے۔ پس ماندہ ملکوں میں جنھیں اس معاشی ترقی سے محروم رکھا گیا ہے اپنی غربت اور افلاس کو بیخ و بن سے اکھاڑ دینے کا بے پناہ جذبہ پیدا ہو چکا ہے۔ انھیں مدتوں تک یہ بہلاوا دیا گیا ہے کہ دنیا میں اگر کافی دنوں تک امن سکون باقی رہے تو دنیا کی دولت میں نمایاں اضافہ ہو گا اور تب کم از کم مواقع کے لحاظ سے سب ہی قومیں برابر ہو جائیں گی۔ لیکن عملاً صنعتی اور فنی ترقیوں کے باوجود پچھلے سو ملکہ ڈیڑھ سو سالوں میں ہم اس منزل سے ابھی اتنی ہی دور ہیں جتنا پہلے دن تھے۔ یہ دنیا کے سامنے محض ایک اخلاقی سوال نہیں ہے۔ اس کے معاشی اور سیاسی نتائج دور رس اور نہایت خطرناک ہو سکتے ہیں کیونکہ یہ بات آسانی سے ذہن میں آسکتی ہے کہ زندگی کے بہتر امکانات نظر نہ آرہے ہوں تو لوگ انھیں بدلنے کے لئے خوشی خوشی اپنی جان کی قربانی دینا منظور کر لیں گے۔ اگر ہم واقعی مستحکم امن کا قیام چاہتے ہیں جس سے ساری دنیا کی خوش حالی کا راستہ کھل جائے تو ہمیں ان قوموں کے لئے کرنا ہو گا جو انیسویں صدی کے صنعتی انقلاب میں پیچھے چھوٹ گئی تھیں۔ "معاشی قومیں" اور رسد کے قوانین کی کارکردگی سو سالوں میں بھی وہ فرائض انجام نہ دے سکی جن کی ان سے امید کی گئی تھی۔ ایک صدی کی مدت کافی طویل ہوتی ہے، اور ہم اگر اس نتیجے پر پہنچیں کہ اس طرح ہم امیدوں کو کبھی پورا نہ ہوتے دیکھ سکیں گے تو غلط نہ ہوگا۔ تجربے نے انھیں ناکافی ثابت کیا ہے۔ ممکن ہے دو چار سو سال تک مزید انتظار کیا جائے تو ان ہی کی مدد سے ہماری امیدیں بارور ہو جائیں، لیکن پس ماندہ ملک اب مزید انتظار کے لئے تیار نہیں۔ اس لئے اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اس عدم مساوات کو مٹانے اور دنیا کے پس ماندہ علاقوں کو ترقی کا کم سے کم موقع فراہم کرنے کے لئے بین الاقوامی سرگرمی دکھائی جائے۔ مختلف قوموں کو یکساں ترقی کے مواقع فراہم کرنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا معاشرت کے مختلف طبقوں کے مابین دولت زیادہ منصفانہ اور مساوی تقسیم کا کام۔ لیکن یہ کچھ آسان کام نہیں ہے۔ کہا گیا ہے کہ "پہلے چند دولت کا استعمال فراہم کرنا سب سے زیادہ مشکل کام ہے۔" اور امیر ہی زیادہ پیدا کر سکتے

یہ مقولہ جس طرح افراد کے لئے صحیح ہیں قوموں پر اس سے زیادہ صادق آتے ہیں صنعتوں میں سرمایہ کاری غریب ملکوں میں امیر ملکوں سے زیادہ بارور ہوتی ہے۔ کسی معاشی حیثیت سے ترقی یافتہ ملک میں اگر کوئی نئی صنعت قایم ہو تو اسے کسی مزید خرچ کے بغیر بنیادی صنعتوں شلاً ذرائع نقل وحمل وغیرہ کی سہولتیں حاصل ہو جاتی ہیں۔ غریب ملکوں میں صنعتی ترقی کے لئے بنیادی صنعتوں کے قیام پر مزید سرمایہ لگانا پڑتا ہے۔ اس طرح صنعتوں کو بڑھانے کے لئے غریب ملکوں سے زیادہ سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سرمائے کی فراہمی کے لئے بین الاقوامی مدد کی ضرورت ہوگی تاکہ پس ماندہ ملکوں کی ترقی کی راہیں کھل سکیں۔

ایک وسیع معنی میں دیکھا جائے تو دنیا میں پانچ بہت ہی پس ماندہ علاقے ہیں، جو معاشی حیثیت سے بہت غیر ترقی یافتہ ہیں۔ ان میں مجموعی طور پر دنیا کی اسّی، نوّے فی صدی آبادی زندگی گذار رہی ہے۔ ان ممالک کی غربت کے مسئلے کی پیچیدگی اور وقت کو سامنے رکھ کر دیکھئے وان میں مشرق بعید کے ممالک ہندوستان اور چین کو سب سے نمایاں جگہ دینی پڑے گی اس علاقے میں دنیا کی تقریباً نصف آبادی بستی ہے۔ اور آبادی کی اوسط آمدنی ۴ سے شلنگ ہفتہ وار ہے، اس کے بعد نو آبادیاتی سلطنتوں خصوصاً افریقہ کا درجہ ہے۔ کاریبین علاقہ یک اور مفلس اور بہت زیادہ گنجان علاقہ ہے۔ مشرق قریب کے ممالک بھی اس فہرست میں شامل ہیں تو یہاں افلاس کا حل نسبتاً زیادہ آسان ہے۔ مشرق اور جنوبی مشرقی یورپ بھی اسی زمرہ میں شامل ہیں۔ پہلے تین علاقوں کی فی شخص آمدنی بہت ہی کم ہے۔ مشرق وسطہ اور جنوبی مشرقی یورپ کی آمدنی بھی گو قلیل ہے لیکن ان تین ملکوں سے بہت زیادہ ہے۔ یہاں آبادی کے ہر شخص کی اوسط آمدنی تقریباً ۱۰ شلنگ فی ہفتہ ہے، لیکن ان کے افلاس کا اندازہ لگانے کے لئے یہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ انگلستان میں فی کس آمدنی ۲ پونڈ ہے۔

یوں تو ان پانچوں علاقوں کے مسائل مختلف ہیں لیکن ان میں بعض مشترک خصوصیتیں ہیں، یہی زرعی ملک ہیں، جہاں کے لوگوں کا خاص پیشہ کھیتی باڑی وغیرہ ہے۔ زمین پر آبادی کا

بوجہ بہت زیادہ ہے۔ کھیتی کے پرانے طریقے استعمال کرتے ہیں۔ فی ایکڑ پیداوار مختلف حصوں میں مختلف ہے لیکن جہاں زیادہ بھی ہے وہاں بھی انگلستان یا ڈنمارک اور ہالینڈ میں فی ایکڑ پیداوار کے ۱/۲ سے زیادہ نہیں۔ ان ممالک میں سے بیشتر میں محنت کی بڑی تضیع ہوتی ہے کیونکہ کھیتی پر زندگی گذارنے والوں میں بہت سے لوگ دراصل یا تو بالکل یا کافی حد تک بیکار رہتے ہیں۔ دیہی معاشیات کے ماہرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر اس طرح کے فالتو لوگوں کو کھیت سے نکال کر کسی اور کام میں لگا دیا جائے تو پیداوار میں کمی کے بجائے اضافہ ہوگا لیکن ان ممالک میں ان لوگوں کو کسی اور کام میں لگایا نہیں جاسکتا، کیونکہ ان ملکوں میں مشینوں اور کارخانوں وغیرہ کی کمی ہے، جہاں لوگ کام سے لگ سکیں اور اوزاروں کے بغیر محنت بارور نہیں ہوتی۔ پھر اگر اوزار وغیرہ فراہم بھی ہوتے تو ان علاقوں کی غربت اور ان کا افلاس اتنا بڑھا ہوا ہے کہ زمین چھوڑ کر دوسرے کام میں لگنے کا جو وقفہ ہوتا اس میں غذا کی کمی ایک ناقابل حل دقت ہے۔ سب سے آخر میں ان ملکوں میں مزدوروں کو مختلف کام سکھانے کی سہولتیں ناپید ہیں۔ پس ماندہ ممالک کی بین الاقوامی مدد کے سلسلے میں شاید سب سے زیادہ اہم اسی طرح کی تربیت کی سہولتوں کی فراہمی کا کام ہوگا۔ خود ترقی یافتہ ممالک میں بھی کام سیکھے ہوئے مزدوروں کی قلت ہے اور تربیت کی سہولتیں ضرورت سے کم ہیں پس ماندہ ممالک کی یہ ضرورت مقابلتاً اور بھی زیادہ سخت ہے۔ اور اس میں شبہ کی گنجائش نہیں کہ یہ کام حکومت کی مدد کے بغیر محض چھوٹے چھوٹے کارخانوں کے مالکوں کی کوشش سے انجام نہیں پاسکتا۔ مزدوروں کی تربیت پر روپے خرچ کرنے میں ایک کارخانے کے مالک کو ہمیشہ یہ اندیشہ رہتا ہے کہ خدا جانے وہ اس صرف سے کافی فائدہ بھی اٹھا سکے یا نہیں، کام سیکھ لینے کے بعد مزدور اس کی نوکری چھوڑ کر کسی دوسرے کے ہاں مقابلتاً اونچی تنخواہ پر چلا جاسکتا ہے۔ اس طرح کام سکھانے سے ملک اور صنعت کے وسیع تر مفاد کو تو ضرور فائدہ پہنچتا ہے لیکن انفرادی طور پر کسی ایک کارخانے کے مالک کو اس اندیشے

کی وجہ سے اس کام پر روپئے صرف کرنے میں جھجھک ہوتی ہے۔

ان ممالک کے افلاس کا مسئلہ حل کرنے کی دو صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ ان علاقوں کی فاضل آبادی کو ترقی یافتہ اور مالدار ملکوں میں لے جاکر بسایا جائے لیکن یہ قابل عمل معلوم نہیں ہوتا۔ اس مسئلہ کے حل کا زیادہ موزوں طریقہ یہ ہوگا کہ اوزار یا مشینیں جہاں دستیاب ہوں وہاں لوگوں کو نہ پہنچا سکنے کی شکل میں کوشش یہ ہو کہ آبادی کے لئے ان چیزوں کی فراہمی کا انتظام کیا جائے، دوسرے الفاظ میں ان ممالک کی صنعتی ترقی کی شکلیں پیدا کی جائیں اور ساتھ ہی زراعت کو بہتر بنانے کی کوشش ہو، یہی ان ممالک کے مسئلہ کا حقیقی حل ہے۔

لیکن صنعتی ترقی کی بھی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ہر علاقہ، ہر ملک بغیر بیرونی مدد کے اپنی صنعتی ترقی کا کام انجام دینے کی کوشش کر سکتا ہے۔ لیکن اس میں خرابی یہ ہے کہ سرمایہ اکٹھا کرنے اور نئی مشینیں نئے اوزار بنانے کے لئے ان ممالک کو جو رقمیں پس انداز کرنی ہونگی اس سے ان کے معیار زندگی کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ اور ان پس ماندہ ملکوں کا معیار زندگی یوں ہی کچھ بہت بلند نہیں ہے، پھر ان ملکوں کا افلاس اتنا بڑھا ہوا ہے کہ صنعتی ترقی کے لئے بہت کچھ کاٹ کپٹ کے باوجود ضروری سرمایہ کی فراہمی کے لئے ایک طویل مدت درکار ہوگی۔ اس طرح صنعتی ترقی کی رفتار بہت سست ہوگی اور ان ممالک کے لئے بہت زیادہ محنت، کیونکہ انھیں طویل عرصہ تک اپنے بہت ضروری اخراجات کم کرنا ہوں گے تاکہ ضروری سرمایہ فراہم کر سکے۔ اس حل کی ایک اور خرابی یہ ہے کہ اس سے دنیا کی موجودہ معاشی زندگی کو صدمہ پہنچیگا کیونکہ بیرونی مدد سے محروم ہو جانے کی شکل میں یہ سب ہی ممالک خود کفالتی بننے کی کوشش کریں گے کہ اپنی ضرورت کی سب ہی چیزیں خود ملک کے اندر تیار کر سکیں۔ دنیا کے وسیع تر مفاد کو سامنے رکھئے تو یہ کچھ اچھا نہ ہوگا۔ قدرت نے مختلف ممالک کو ایک مختلف قسم کی دولت سے حصہ دیا ہے۔ ملکوں کے معاشی ذرائع اور مختلف اشیا کے پیدا کرنے میں ان کی اضافی صلاحیتیں مختلف ہیں۔ سب ملک ایک ہی طرح کی چیزیں [illegible] تیار نہیں کر سکتے اس لئے دنیا کی بھلائی تو اسی میں ہے کہ ہر [illegible]

وہی چیزیں بنانے کی کوشش کرے جو وہ کم سے کم دام پر تیار کر سکے اور پھر دوسرے
ساتھ تجارتی رشتہ قایم کر کے وہ دوسری چیزیں حاصل کرے جنھیں دوسرے ممالک
سے بنا سکتے ہوں۔ اگر پس ماندہ ممالک کو صنعتی ترقی کے لئے بین الاقوامی مدد حاص
دنیا تخصیص کے ان فوائد سے محروم ہو جائے گی۔

صنعتی ترقی کی دوسری شکل یہ ہو سکتی ہے کہ پس ماندہ ممالک کو بین الاقوامی سہ
حاصل ہے۔ یعنی ملکوں کی مشینوں اور دوسری ضرورتوں کا کافی حصہ انھیں باہر سے
جائے۔ اس طرح پس ماندہ ملکوں کی معاشی ترقی کی رفتار زیادہ تیز ہو گی اور ان ملکو
زندگی مقابلتہً جلد بلند ہو سکے گا۔ ساتھ ہی اس بیرونی مدد کی وجہ سے ان ملکوں کو
نظام میں اپنی جگہ حاصل ہو جائے گی۔ اور انھیں قدرت کے خلاف ان چیزوں کے بنا
نہ ہونا پڑے گا جو ان کے بس سے باہر یا ان کے لئے زیادہ مہنگی ہوں گی۔ بین الاقو
ساری دنیا مستفید ہو سکے گی اور نتیجۃً ساری دنیا کی دولت میں اضافہ ہوگا۔ اس مقا
بین الاقوامی سرمایہ کاری دنیا کی معاشی زندگی کو استحکام عطا کرنے کا باعث بنے
براہ راست نفع نہ بھی ہو تو بھی دنیا میں امن وسکون اور عالم گیر خوش حالی کے لئے
نہ ہوگا۔ لیکن اس اندیشہ کی کوئی وجہ نہیں کہ اس سرمایہ سے نفع نہ ہوگا۔

پس ماندہ علاقوں کی معاشی ترقی کے لئے بین الاقوامی سرگرمی کی مشترک
ذکر کر چکنے کے بعد اب آئیے ذرا ان علاقوں کی انفرادی خصوصیات کا مطالعہ کر
پہلا مشرق بعید کا پیچیدہ مسئلہ ہے۔ اس علاقہ میں دنیا کی تقریباً نصف آبادی رہتی
اس علاقے کی غربت مٹانا آسان نہیں، اور نیک دلی اور اس علاقے کی ترقی کی تر
پُرخلوص خواہش کے باوجود اس مسئلہ کے حل میں دیر لگے گی۔ یہاں آبادی میں
ہوتا جا رہا ہے اور اس کی وجہ سے ایک نہایت ہی پیچیدہ خرابی پیدا ہو گئی ہے۔
میں مستقل اضافہ ہوتے رہنے کی وجہ سے معیار زندگی بلند نہیں کیا جا تی بلکہ دول

نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آبادی اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ معیار زندگی میں ذرا بھی اضافہ ہو تو شرح اموات میں کمی آجاتی ہے، اور نتیجۃً آبادی میں مزید اضافہ ہوتا رہتا ہے، اور فی کس آمدنی کا اوسط بلند تر نہیں ہو پاتا۔ ایسی صورت میں یہ بات ظاہر ہے کہ مغربی یورپ یا امریکہ کا مزدور جویوں اپنی اُجرت کا ایک حصہ ان ممالک میں بسنے والے اپنے غریب اور مفلس ساتھیوں کی مدد کے لئے دینے کو ممکن ہے تیار ہو جائے، محض اس لئے ایک پائی دینے سے بھی انکار کر دے گا کہ ایشیا میں بسنے والا ہر خاندان دس کے بجائے بارہ بچے پیدا کرے۔ اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے ضروری ہے۔ ان ممالک کی ریاستوں کا یہ فرض ہے کہ دولت کے اضافے سے ایک خاصی رقم اس وقت تک عام لوگوں کے ہاتھ میں جانے سے سختی سے بچائے رکھیں۔ جب تک ان ملکوں میں مشینوں اور کارخانوں وغیرہ کی ساری ضرورتیں پوری نہ ہو جائیں۔ بہرحال آبادی کے اضافہ کو روکنے کی کوشش اس علاقے کی معاشی ترقی کا اہم ترین تقاضہ ہے۔

نوآبادیاتی سلطنتوں میں صنعتی ترقی کو ان کی ترقی کے پروگرام نسبتاً کم اہم جگہ دیتی ہوگی بالا ضرورت سب سے زیادہ اس بات کی ہے کہ زرعی پیداوار میں تنوع پیدا کیا جائے اور آج کی طرح محض ایک فصل پر بھروسہ ختم کر دیا جائے۔ کاریبین (Caribbean) کا علاقہ بہت سے معاملات میں نوآبادیاتی ملکوں سے ملتا جلتا ہے۔ مشرق قریب کا مسئلہ نسبتاً زیادہ آسان ہے۔ یہاں معدنی دولت سے اور زیادہ استفادہ اور معاشی کی بعض پرانی اسکیموں کو جو اس دور وقت سے ہٹ چکی ہیں دوبارہ زندہ کیا جائے تو معیار زندگی خاصی بلندی پر ہو سکتی ہے۔ مشرقی یورپ کا مسئلہ ایک حیثیت سے بہت اہم ہے، دونوں بڑی لڑائیاں اس علاقہ سے شروع ہوئی ہیں اور بہت سے مدبرین نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ مشرقی یورپ پر جس طاقت کا اقتدار قائم ہو جائے گا وہ گویا سارے یورپ پر چھا جائے گا، اس لئے جب تک مشرقی یورپ کا مسئلہ حل نہ ہو جائے یورپ میں مستحکم امن کا قیام نہ ہو سکے گا۔ اس علاقہ کا معیار زندگی دوسرے پسماندہ ملکوں کے مقابلہ میں کافی بلند ہے اور اس لئے یہاں معاشی ترقی کا کام آسانی سے سرانجام پا سکتا ہے۔

بچوں کے لئے مناسب غذا

بعض لوگ ہر مسئلہ ہر تحریک، یہاں تک کہ انفرادی کوششوں کو بھی سیاست کی عینک سے دیکھنے کے اس قدر عادی ہوتے ہیں کہ بچوں کی صحیح تربیت، عوام کی تعلیم و معاشرتی اصلاح کا کوئی مسئلہ جب کبھی ان کے سامنے لایا جاتا ہے تو ایک "اونہہ" اور شانے کی جنبش کے ساتھ اس کو پرے ہٹا دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ سیاسی آزادی کے بغیر یہ ساری کوششیں ہیچ ہیں، ان کا یہ کہنا اپنی جگہ پر کافی وزن رکھتا ہے۔ آزادی کی فضا میں اس کی برکتوں کے سایہ تلے یہ کوششیں بہت جلد بارآور ہو سکتی ہیں لیکن کیا جب تک آزادی نہیں ملتی تعلیم و تربیت اور اصلاح کے کام کرنے والے اپنی دوکان بڑھا کر اس وقت کے انتظار میں بیٹھے رہیں۔ اور پھر ان لوگوں کا یہ سمجھنا کہ ایسے لوگ اپنے ان کاموں کے ذریعے ملک کو آگے نہیں بڑھا رہے ہیں، ان لوگوں کی بھول معلوم ہوتی ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ آزادی کی جدوجہد میں یہ بالواسطہ کوششیں ہیں۔ سارے ملک والوں کا عام سیاسی تحریکوں میں کود پڑنا تو ممکن نہیں معلوم ہوتا۔ اس صورت میں خود ان حضرات کے نقطۂ نظر سے بھی کیا یہ بہتر نہیں کہ وہ لوگ جو اپنے علم و فن اور اپنے رجحانات کے لحاظ سے ان ٹھوس مفید، لیکن دیر میں پھل لانے والے کاموں کو پسند کرتے ہیں، اور ضروری سمجھتے ہیں اپنے کام میں لگے رہیں۔

اچھے سماج اور اچھی ریاست کی تعمیر ہمیشہ صاحب عقل و تخیل اور قوت عمل رکھنے والے افراد کے ہاتھوں ہوتی آئی ہے۔ مگر وہ قوت عمل اور تیز نظر سے عاری [illegible] کے ہاتھ سماج کی جو درگت بن سکتی ہے وہ معلوم۔

آج کل [illegible] لئے جو لوگ

بچوں کی تعلیم وتربیت کے کام میں لگے ہوئے ہیں وہ ایک بڑی خدمت کر رہے ہیں۔ یہی بچے کل بڑے ہو کر ہمارے سماج کے بنانے یا بگاڑنے والے ہوں گے جیسی ان کی تعلیم وتربیت اور جسمانی ہوگی اسی کے مطابق وہ سماج پر اپنا اثر ڈالیں گے۔ بچے کی تعلیم تو بعد کی چیز ہے، سب سے پہلے اس کی صحت کا ٹھیک ہونا مقدم ہے، اور اس کی صحت کی ذمہ داری ماں باپ کے معاشی وسائل سے ... بچے کو اچھی اور مناسب مقدار میں غذا دینے پر منحصر ہے۔

آج کل کھانے پینے کی بیشتر چیزیں مشین کے ذریعے اور تجارتی مفاد کے پیش نظر تیار کی جاتی ہیں جس کی وجہ سے ان کی فطری ہیئت کچھ اس قدر تبدیل ہو جاتی ہے کہ اچھی صحت کے لئے یہ غذائیں ہرگز مفید ثابت نہیں ہوتیں۔ اور یہ انھی غذاؤں مل مالکوں اور تاجروں کا کرم ہے کہ قبض، بدہضمی، سرطان، ذیابیطس، پتھری وغیرہ کے امراض ہماری موجودہ معاشرت کا ایک جزو لاینفک بن گئے ہیں۔ جب یہ غذائیں بڑوں کے حق میں اتنی مضر ثابت ہوتی ہیں تو بچوں کے ننھے اور نرم ونازک جسم کے ساتھ یہ جو کچھ نہ کرگذریں کم ہے۔

بڑوں کو تو صرف ایسی غذاؤں کی ضرورت ہے، جو ان کے جسم کو گرم رکھیں، طاقت پہنچاتی رہیں، اور ضائع شدہ نسیجوں کی ازسرنو تعمیر کرتی رہیں۔ بچوں کے لئے ایسی غذاؤں کی ضرورت ہے جو ان ضروریات کو پورا کرنے کے علاوہ نئے نسیجوں کو بھی بناتی رہیں، تاکہ بچے کا قد اور اس کا وزن بڑھتا رہے۔

ماں باپ کے لئے یہ بہتر ہوگا اگر وہ بچے کے دماغ میں شروع ہی سے یہ بٹھا دیں کہ کھانے پینے کی بعض چیزیں مثلاً چائے، کافی، مٹھائی وغیرہ بڑوں کے لئے ہیں، مگر چھوٹوں کے لئے نہیں۔ خواہ وہ کتنی ہی ضد کیوں نہ کریں، جو چیز ان کے حق میں مفید نہیں اسے ان کو نہ دینا ہی بہتر ہے۔ اس لئے جب ماں دن کا کھانا پکانے بیٹھے تو اس کو یہ سوچ لینا چاہئے کہ ان میں بچوں کے لئے کیا کیا چیزیں ہوں گی۔

[illegible] ... خیال ہوتے ہیں جو جسم کے نشوونما کے لئے ضروری ...

ہیں اور دو قسموں میں تقسیم کی جاتی ہیں۔

(۱) وہ غذائیں جو جسم کو گرم رکھتی ہیں اور طاقت بہم پہنچاتی ہیں۔

(۲) وہ جو زائل شدہ نسیجوں کی تعمیر کرتی ہیں اور جسم کے نشو و نما میں ممد و معاون ثابت ہوتی ہیں۔

مقصد نمبر (۱) ان غذاؤں سے پورا ہوتا ہے جن میں کاربوہائی ڈرائٹ اور چربی پائی جاتی ہو۔

کاربوہائی ڈرائٹ ان چیزوں میں بکثرت پائی جاتی ہے۔

دالیں۔ روٹی۔ چاول۔ پھل۔ سبزیاں (خصوصاً آلو) اور گڑ۔

چربی ان چیزوں میں:-

مکھن۔ ملائی۔ دودھ۔ بناسپتی گھی۔ مچھلی کا تیل وغیرہ۔

مقصد (۲) ان غذاؤں سے پورا ہوتا ہے۔ جن میں پروٹن، معدنیات۔ کلشیم (چونا) فاسفورس۔ لوہا۔ وٹامن ب اور ب۔ وٹامن C اور پانی پایا جاتا ہو۔

اس نقشے سے معلوم ہوگا کہ یہ چیزیں کن غذاؤں میں پائی جاتی ہیں۔

پروٹن	دودھ۔ گوشت۔ مچھلی۔ انڈا۔ (زائل شدہ نسیج اور نئے نسیج کی تعمیر کے لئے بہت ہی مفید ہیں)
معدنیات	دودھ۔ سبزیاں۔ پھل۔ انڈے کی زردی۔ گوشت۔ مچھلی۔ کھڑی دالیں۔ (جسم کو ٹھیک حالت میں قایم رکھنے کے لئے ہڈیوں، دانتوں کے نشو و نما اور خون پیدا کرنے کے لئے بہت ہی مفید ہیں۔
کلشیم (چونا)	دودھ (خاص طور پر) سبزیاں۔ (ہڈیوں اور دانتوں کے لئے)
فاسفورس	دودھ۔ انڈا۔ گوشت۔ مچھلی اور دالیں (ہڈیوں [illegible] کا

لوہا	انڈے کی زردی۔ گہرے ہرے رنگ کی سبزیاں (مثلاً پالک) کلیجی۔ تازہ پھل، اور کھڑی دالیں۔ (خون پیدا کرنے کے لئے)
وٹامن (حیاتین) ب اور	سبزیاں۔ کھڑی دالیں اور پھل (جسم کے نشو و نما اور بھوک بڑھانے کے لئے)
حیاتین ج	تازہ پھل (خاص طور پر ترش پھل، مثلاً سنترے۔ انگور اور لیموں۔ کچے ٹماٹر۔ کرم کلا۔ گاجر اور شلجم۔ (جسم کے نشو و نما اور اچھے دانتوں کے لئے)
پانی	پھل۔ سبزیاں۔ دودھ اور خود پانی خون اور نسیجوں کے پیدا کرنے اور جسم میں گرمی کے توازن کو قایم رکھنے کے لئے۔

قدرت کا کچھ ایسا انتظام ہے کہ انہی غذاؤں میں جنھیں ہم عموماً استعمال کرتے رہتے ہیں، بچوں اور بڑوں کو تندرست رکھنے کے لئے یہ سارے اجزاء موجود ہوتے ہیں۔ بس ضرورت اس بات کی ہے کہ غذاؤں کے استعمال میں توازن برقرار رکھا جائے۔ اگر ہم عرصے تک صرف آلو ہی کھاتے رہیں یا دسترخوان پر محض گوشت ہی گوشت ہو تو جسم کی بہت سی ضرورتیں پوری نہیں ہو پائیں گی۔ جس کا نتیجہ کسی نہ کسی مرض کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

ایک سے لے کر چھ سال کے ایک اوسط بچے کی روزانہ کی خوراک ان چیزوں پر مشتمل ہونی چاہیے

(۱) ایک یا ڈیڑھ پاؤ خالص دودھ

(۲) پھل دو یا ایک بار۔ پھلوں میں ایک سنترہ یا چند انگور یا ایک سیب یا ایک کیلا ہونا چاہیے

(۳) سبزی۔ کوئی گہرے ہرے پتوں والی سبزی بھی ضرور ہونی چاہیے۔ مثلاً پالک۔

(۴) کوئی ایسی ایک سبزی جس میں نشاستہ ہوتا ہو۔ مثلاً آلو۔

(۵) ایک انڈا ۔۔ (۶) جب بچہ ۱۰ مہینے کا ہو جائے تھوڑا سا گوشت۔ مچھلی اس سے پہلے نہ زیادہ ہفتہ میں تین بار ۔۔ (۷) دالیں ۔۔ (۸) روٹی اور مکھن۔ دو یا تین بار۔ (۹) مچھلی کا تیل خاص طور پر [illegible] کے لئے۔

بریٹن ووڈز کے راضی نامے

(بسلسلۂ سابق)

(رسالہ جامعہ کے پچھلے نمبر میں بتلایا گیا تھا کہ دنیا میں آج بہت کم ملک ایسے ہیں جو اپنی ضرورت کے تمام سامان خود اپنے ملک میں پیدا کرتے ہوں۔ کسی ملک کو اپنی صنعتوں کو ترقی دینے کے لئے کچے مال باہر سے منگانے ہوتے ہیں تو کسی کو مشینیں۔ کسی کو اپنی مصنوعات باہر بھیجنا ہوتی ہیں تو کسی کو اپنی زراعتی پیداوار یں۔ غرض، روزگار اور آمدنی کی سطح کو بلند رکھنے اور ملک کی دولت کے وسائل کو ترقی دینے کے لئے بین الاقوامی تجارت کو بڑھانا بہت ضروری ہو گیا ہے۔ ایک طرف تو بین الاقوامی تجارت کی توسیع کو یہ اہمیت حاصل ہے، دوسری طرف اس کی ترقی کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں حائل کی جاتی ہیں۔ یوں تو ان سب رکاوٹوں کو دور کرنا ضروری ہے اور اس کام کے لئے ایک بین الاقوامی تجارتی کانفرنس امریکہ کی دعوت پر موسم گرما کے شروع زمانے میں منعقد بھی کی جانے والی ہے۔ لیکن زر کی فراہمی کے سلسلے میں جو رکاوٹیں بین الاقوامی تجارت میں سدِ راہ ہیں، اُنھیں بریٹن ووڈز کے راضی ناموں کے ذریعے دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ سب سے پہلی رکاوٹ یہ ہے کہ مختلف ملکوں کے زروں کی شرح مبادلہ میں استحکام باقی نہیں رہا ہے جس کی وجہ سے بین الاقوامی مبادلات میں ظن و تخمین کا عنصر بڑھ گیا ہے۔ دوسرے زر کے مبادلے کے باضابطہ انتظامات نہیں ہیں بلکہ حکومتیں من مانے طریقوں پر ان کے بارے میں فیصلہ کرنے لگی ہیں۔ مبادلات خارجہ پر طرح طرح کی پابندیاں عاید کی جاتی ہیں۔ ملکوں کے درمیان زرِ نقد کے لین دین کے لئے ادائیوں کا جو نظام رائج ہے اس میں بھی سہولت باقی نہیں رہی ہے بلکہ یہاں دوسرے راضی ناموں کی کارفرمائی ہے [illegible] کے

توازن میں جب عدم مطابقت پیدا ہوتی ہے تو اسے دور کرنے کے لئے ایسے طریقے اختیار کئے جاتے ہیں جو قومی اور بین الاقوامی خوش حالی کے لئے مہلک ثابت ہوتے ہیں۔ وغیرہ

ان تمام دشواریوں کو دور کرنے کے لئے زر کا بین الاقوامی ذخیرہ نقد وجود میں آیا ہے اس کے مقاصد اس کے اراکین کے نسبتی چندے اور اراکین کے زروں کی قدر مساوات کے بارے میں جامعہ کے پچھلے نمبر میں بحث کی جا چکی ہے۔ اس نمبر میں ذخیرہ نقد سے استفادہ کی صورتوں اور دیگر اہم دفعات سے بحث کی جائے گی۔)

ذخیرہ نقد سے لین دین کے طریقے

رہ نقد کی ایجنسیاں

ذخیرہ نقد کے ادارے کا ہر رکن، صرف اپنے خزانے، مرکزی بنک، استحکامی ذخیرہ نقد یا اسی قسم کی کسی اور مالیاتی ایجنسی کے ے ہی سے زر کے بین الاقوامی ذخیرۂ نقد سے لین دین کر سکے گا اور یہ ذخیرہ نقد خود بھی ان ہی وں کی معرفت لین دین کر سکے گا۔

رہ نقد کے کاروبار کی تحدید

ذخیرہ نقد کا کاروبار صرف ایک رکن کو دوسرے رکن کا زر فراہم کرنے تک محدود ہوگا اور یہ زر خریدنے رکن کی خواہش پر سونے یا اس کے اپنے زر کے معاوضے میں فراہم کیا جائے گا۔

رہ نقد کے استعمال کی شرائط

(الف) ایک رکن اپنے زر کے معاوضے میں دوسرے رکن کا زر حسب ذیل شرائط کے ماتحت خرید سکیگا۔

(۱) جب خریدنے والا ملک یہ ظاہر کرے گا کہ وہ اس زر کے معرفت ایسی ادائیوں کا محتاج ہے جو اس راضی نامے کے مقاصد کے کسی طرح خلاف نہیں ہیں۔

(۲) جب ذخیرہ نقد نے اس بات کا اعلان نہ کیا ہو کہ جس زر کے خریدنے کی خواہش رہی ہے اس کا ذخیرہ اس کے پاس [illegible] ہو گیا ہے۔

(iii) جب مجوزہ خریداری کی وجہ سے ذخیرہ نقد کے پاس خریدار ملک کا زر، خریداری کی تاریخ پر ختم ہونے والے بارہ مہینوں میں اس کے نصیبے سے ۲۵ فی صدی زیادہ نہ ہوگا اور نہ ہی اس کے نصیبے سے دوسو فی صدی زیادہ ہوگا۔ لیکن ۲۵ فی صدی کی یہ پابندی صرف اس حد تک منطبق کی جا سکے گی جب کہ رکن مذکور کے زر کا ذخیرہ اگر وہ ۷۵ فی صدی سے کم ہوگا اس حد تک لایا جا چکا ہوگا۔

(iv) جب ذخیرہ نقد نے پہلے سے اس بات کا اعلان نہ کیا ہوگا کہ خریدار ملک کو، خریداری کا حق ہی حاصل نہیں ہے۔

(ب) ذخیرہ نقد کی اجازت کے بغیر کوئی رکن پیشگی مبادلہ کے لین دین کے نقصان کی تلافی کے لئے ذخیرہ نقد سے حاصل کرکے دوسرے ملک کے زر پر قبضہ نہیں جا سکے گا۔

مندرجہ بالا شرائط سے دست کشی ذخیرہ نقد اپنے اختیار تمیزی سے کام لے کر اور اپنے مفاد کا پورا پورا تحفظ کرنے کے بعد مندرجہ بالا شرائط کے حصہ (الف) سے دست کش بھی ہو سکتا ہے خصوصاً ایسے اراکین کی خاطر جن کا رکارڈ یہ رہا ہو کہ یہ ذخیرہ نقد کے وسائل سے زیادہ اور مسلسل کام لینے سے جہاں تک ممکن ہے اجتناب کرتے ہیں۔ دست کشی کرتے وقت دست کشی کے خواہش مند اراکین کی میعادی یا غیر معمولی ضرورتوں کو بھی ملحوظ رکھا جائے گا۔ نیز اگر کوئی رکن ضمانت کے طور پر سونا، چاندی، تمسکات یا ایسے دیگر اثاثے گرو رکھنے کے لئے رضامند ہوگا جن کی قدر، ذخیرہ نقد کی رائے میں اس کے مفاد کے تحفظ کے لئے کافی ہوگی تو اس بات کو بھی دست کشی کرتے وقت ملحوظ رکھا جائے گا۔

سونے کے معاوضے میں نقدوں کی خریداریاں ہر رکن جو براہ راست یا بالواسطہ دوسرے رکن کا زر سونے کے معاوضے میں خریدنا چاہتا ہے گا وہ اُسے سونا فروخت کرکے ذخیرہ نقد سے خرید سکے

ذخیرہ نقد کے پاس کسی رکن کا جو اپنا زر موجود ہوگا اسکی بازیافت

(الف) ایک رکن کے نسبیہ سے زیادہ جتنا بھی اسکا اپنا زر ذخیرہ نقد کے پاس ہوگا اس کے جسقدر حصے کو بھی رکن مذکور چاہے گا اپنے سونے کے معاوضے میں ذخیرہ نقد سے دوبارہ خرید سکے گا۔

(ب) ہر مالی سال کے اختتام پر ایک رکن اپنے اس زر کو جو ذخیرہ نقد کے پاس ہوگا سونے یا انتقال پذیر زروں کے معاوضے میں مقررہ شرائط کے ماتحت دوبارہ خرید سکے گا۔ لیکن اس طریقے پر جو بھی لین دین کئے جائیں گے انھیں اس نقطہ تک نہیں لے جایا جا سکے گا کہ جہاں:۔

(i) کسی رکن کا زر محفوظ اس کے نسبیہ سے کم ہو جائے گا۔

(ii) ذخیرہ نقد کے پاس اس کا اپنا زر اس کے نسبیہ کے ۷۵ فی صدی سے کم ہو جائیگا یا

(iii) ذخیرہ نقد کے پاس اس زر کا ذخیرہ جو مطلوب ہے رکن متعلقہ کے نسبیہ سے ۷۵ فی صدی زیادہ ہو جائے گا۔

ذخیرہ نقد کے دستور سے مندرجہ بالا اقتباسات محض بطور نمونہ درج کئے گئے ہیں تاکہ ہمارے قارئین کو اندازہ ہو سکے کہ بین الاقوامی ذخیرہ نقد کیا ہے۔ اسی قسم کا ایک دستور بین الاقوامی بنک کا بھی ہے۔ لیکن یہ مسائل خاصے پیچیدہ ہیں۔ اور ان کی تمام جزئیات پر ایک مختصر مضمون میں احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اپنے اس تعارفی مضمون کو زیادہ طویل نہ کروں بلکہ اسے سر آرچی بالڈ رولینڈس وزیر مالیات ہند کی اس تقریر کے چند اقتباسات پر ختم کر دوں جو انھوں نے بریٹن ووڈز کے راضی ناموں کے سلسلے میں مرکزی اسمبلی میں ۱۴ جنوری ۱۹۴۶ء کو کی تھی۔ انھوں نے ان راضی ناموں کے مقاصد کو مختصر طور پر حسب ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

"چونکہ معاشی اعتبار سے سب قومیں ایک واحد دنیا میں سکونت پذیر ہیں اور کوئی ملک اس وقت تک خوش حال نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ معاشی بدحالی گرد و پیش پھیلی ہے اس لئے یہ ضروری ہے کہ ادارے [illegible]

اس کام کو انجام دیا جا سکے بین الاقوامی تجارت میں اور اس کی معرفت دنیا کی خوش حالی میں اضافہ کیا جائے۔

بین الاقوامی ذخیرہ نقد کا راضی نامہ اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اول تو بین الاقوامی مبادلات میں تنظیم و استحکام کو داخل کرنا چاہتا ہے لیکن اس کے یہ معنی نہ سمجھے جائیں کہ وہ کسی غیر تغیر پذیر نظام کا حامی ہے۔ دوسرے رواں کھاتے کے لین دین میں ہمہ جہت ادائیوں کے لئے سہولتیں فراہم کرنا چاہتا ہے۔ تیسرے کسی ملک کی بین الاقوامی ادائیوں میں عارضی طور پر جو عدم توازن پیدا ہوتا رہتا ہے اس پر قابو پانے کے لئے اضافی مبادلات خارجہ کا بندوبست کرنا چاہتا ہے تاکہ متعلقہ ملک اس لالچ کا شکار نہ ہو جائے کہ اپنے عدم توازن کو دور کرنے کے لئے دوسرے ملکوں کے مقابلے میں وہ اپنے زر کی قدر میں زیادہ فرسودگی پیدا کر لے۔ یہ خصوصیت دونوں بڑی جنگوں کے درمیانی وقفہ میں بہت نمایاں ہو گئی تھی، اور اس نے بین الاقوامی تجارت کو تباہ کر ڈالا تھا۔

بین الاقوامی بنک کا مقصد ان ملکوں کو سرمایہ فراہم کرنے میں سہولت پیدا کرنا ہے جو یا تو جنگ کی وجہ سے برباد ہو گئے ہیں یا جن کے وسائل ابھی غیر ترقی یافتہ ہیں تاکہ ان کی زندگی کا معیار بلند کیا جا سکے۔ ہندوستان اگر یہ چاہتا ہے کہ کم مدت میں اپنے صنعتی امکانات کو پوری طرح ترقی دے سکے تو اسے باہر کے ملکوں سے بہت سا قرضہ لینا ہوگا اور اس بنک کے ذریعے اسے موقع ملے گا کہ وہ ہندوستان کی صنعتوں پر غیر ملکی سرمایہ داروں کا اقتدار قائم کرائے بغیر قرضہ حاصل کر سکے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ یہ راضی نامے اپنی تمام جزئیات کے لحاظ سے مکمل ہیں۔ جن راضی ناموں کے تیار کرنے میں چوالیس قوموں نے حصہ لیا ہو ان کے بارے میں کوئی شخص بھی یہ توقع نہیں کر سکتا کہ وہ سب کے لئے اطمینان بخش ہوں گے۔ چنانچہ ان راضی ناموں پر اعتراض کیا [illegible] سے قبل از وقت

کیونکہ ان پر موثر طریقہ پر عملدرآمد اسی وقت کیا جا سکتا ہے جب کہ اس کی تائید میں تجارتی پالیسی کے سلسلے میں کافی بین الاقوامی راضی نامے پہلے سے کئے جا چکے ہوں۔ یہ اعتراض میری رائے میں اس حد تک بالکل درست ہے کہ ان راضی ناموں کے لئے بین الاقوامی تجارتی انتظامات کی ضرورت لازمی ہے۔ اور ان کو ہرگز ان کا بدل نہیں سمجھا جا سکتا۔

"لیکن تمام بین الاقوامی راضی نامے ایک ساتھ نہیں کئے جا سکتے' سی نہ کسی نقطہ سے ہمیں اپنے کام کا آغاز کرنا ہوتا ہے۔ اس بات پر سب لوگ متفق ہیں کہ ان راضی ناموں کے بعد ایک تجارتی راضی نامہ بھی ہونا چاہئے اور جیسا کہ آپ جانتے ہیں ریاستہائے متحدہ امریکہ نے بین الاقوامی تجارت اور روزگار کے اضافہ کے لئے کچھ تجویزوں کو پیش بھی کیا ہے اور اس سال موسم گرما کے شروع زمانے میں ایک بین الاقوامی کانفرنس بھی اس پر غور اور بحث کرنے کے لئے طلب کی ہے۔ ہندوستان کے پاس ان مباحث میں شرکت کے لئے دعوت نامہ آیا تھا جس کو قبول کر لیا گیا ہے۔

"دوسرا اعتراض یہ کیا جا سکتا ہے اور کیا گیا ہے کہ یہ راضی نامے چل نہیں سکیں گے۔ کیونکہ ان کے لئے جن ذخائر نقد کا انتظام کیا گیا ہے وہ بہت ناکافی ہیں۔ یہ دلیل بہت اہمیت رکھتی ہے لیکن سب سے اول تو یہ بات ملحوظ رکھنا چاہئے کہ ان راضی ناموں کے ذریعے جن ذخائر نقد کو فراہم کیا جائے گا وہ مقروض ملکوں کے لئے صرف ایک واحد یا ایک خاص ذریعہ مبادلات خارجہ کی فراہمی کا نہیں ہوں گے اس قسم کا مفروضہ راضی ناموں اور بین الاقوامی ذخیرہ نقد کی بالکل غلط تعبیر ہوگی۔ عام طور پر ملکوں کو حسب سابق مبادلات خارجہ کی معمولی رسد کے لئے اپنے مال اور خدمات کی برآمد اور تمسکات کی منڈی پر بھروسہ کرنا ہوگا لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ایک ایسے اضافی ذریعہ سے جیسا کہ بین الاقوامی ذخیرہ نقد ہے کوئی مدد نہیں ملے گی یا یہ پسندیدہ چیز نہیں ہے عملاً جس زر کے کیاب ہونے کا امکان ہے وہ ریاستہائے متحدہ امریکہ کا ڈالر ہے اور جب ذخیرہ نقد کے ناقابل عمل ہونے کا ذکر کیا جاتا ہے تو اسکا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس کے پاس ڈالر کی صرف ایک محدود مقدار ہے لیکن اس راضی نامے میں اس محدود رسد کے بڑھانے کا انتظام رکھا گیا ہے جب کوئی [illegible] کمیاب خیال یعنی ڈالر کو فرض کیا گیا ہے تو اس کی تقسیم راشن کے ذریعے

کی جائے گی۔ اس بات کا مجھے اعتراف ہے کہ یہ اس مسئلہ کا اطمینان بخش حل نہیں ہے کیونکہ وقت گذرنے پر ہی یہ بات معلوم ہو سکے گی کہ یہ ذخیرہ نقد کافی ہے یا ناکافی اور اس بات کا بہت کچھ انحصار ان معاہدوں پر ہوگا جو قومیں محاصل کروڑگیری خصوصاً امریکہ کے محاصل کروڑگیری اور تجارتی پالیسی کے بارے میں باہم کریں گی اور امریکہ کے لوگ غیر ملکوں میں سفر کے دوران میں جتنا روپیہ خرچ کریں گے اس پر ہوگا۔ لیکن ذخیرہ نقد کی مخالفت میں مجرد یہ بات کہ مستقبل کے بعض حالات میں اعتبار کی موجودہ رسد ناکافی ثابت ہوسکتی ہے کوئی وزنی دلیل نہیں بن سکتی۔

آخری اعتراض یہ ہے اور یہ بہت اہم اعتراض ہے کہ ذخیرہ نقد سے جو فوائد حاصل ہوں گے ان سے اس نقصان کی تلافی نہیں ہوگی جو زر کے معاملات میں ملک کے اقتدار اعلیٰ پر پابندی قبول کرنے کی وجہ سے لازما رونما ہوگا۔ لیکن اگر ان خرابیوں کو دور کرنا ہے جن میں ہم مبتلا ہیں تو اس قسم کی پابندی کو تو قبول کرنا ہی ہوگا۔ البتہ اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ سب قومیں برابر کی پابندی قبول کریں۔ یہ نہ ہو کہ دوسرے سب ملک تو پابندی قبول کر لیں لیکن کوئی ایک ملک غیر محدود اقتدار اعلیٰ کا حسب سابق مالک رہے۔

"یہ راضی نامے ہندوستان کے لئے موقعے فراہم کرتے ہیں کہ وہ ایک ایسے لمحہ میں جو ساری دنیا کے لئے بہت اہمیت رکھتا ہے ایک نئی عالمی تنظیم میں شرکت کر سکے اور اس طرح دنیا کے زر کی تاریخ کے آئندہ راستے کی تشکیل کر سکے۔ اگر ہندوستان نے ذخیرہ نقد اور بنک میں شرکت نہیں کی تو اس کی وجہ سے صرف یہی خطرہ پیدا نہ ہوگا کہ ایسے فیصلے کئے جا سکیں گے جو ہندوستان کے مفاد کے خلاف ہوں گے اور اور وہ ان نئے اداروں کے فوائد سے محروم ہو جائے گا۔ یہ خطرہ اپنی جگہ پر اہم ہے۔ لیکن میرے نزدیک فیصلہ کن نہیں ہیں۔ فیصلہ کن بات یہ ہے کہ ہندوستان اس وقت ایشیا میں سب سے زیادہ مضبوط اور معاشی حیثیت سے سب سے زیادہ منظم ملک ہے اور اُسے یہ محسوس کرنا چاہئے کہ ایشیا کی رہنمائی صرف اُسی کا مخصوص حق ہے۔"

سہارنپور کی قریش برادری

اس برادری کی تاریخ کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ الشیوخ مرتبہ حافظ امام الدین صاحب اکبرآبادی۔ اس کتاب میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ قصائیوں کی نسل کا سلسلہ عرب کے قریش سے ملتا ہے۔ اس کتاب کے کچھ اقتباسات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

"بنی قصی میں تعلیم کی کمی ہے اور یہ کمی صرف تجارت کی وجہ سے ہے۔ عرب چونکہ ایک آزاد قوم تھی وہ کسی کی ملازمت کو غلامی سے بدتر سمجھتی تھی اس لئے اسی آزادی کا اثر اب تک اس فرقے میں مسلسل چلا آرہا ہے۔ ہندوستان کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک اگر غور سے دیکھا جائے تو اس فرقے میں بمشکل فی ہزار ایک یا دو ملازم پیشہ نکلیں گے باقی تمام تجارت پیشہ نظر آئیں گے۔

"ہم جانتے ہیں کہ یہ فرقہ اپنی تجارتی حساب و کتاب کی ضرورت کو محسوس کرکے صرف ابتدائی تعلیم پر اکتفا کر رہا ہے اور یہی سبب ہے کہ اس میں اعلیٰ تعلیم یافتوں کا فقدان ہے۔ اگرچہ عالم و فاضل حکیم ڈاکٹر، وکیل و بیرسٹر اور تحصیل دار و ڈپٹی کلکٹر وغیرہ وغیرہ نیز انگریزی فوجوں کے لفٹیننٹ تک اس فرقے میں موجود ہیں، لیکن میری اس سے تسکین نہیں ہوسکتی کیونکہ آج ہندوستان کے ہر شہر و قصبہ اور گاؤں میں یہ جماعت بحیثیت مجموعی لاکھوں کی تعداد میں ہے جن میں فی صدی ۶ یا ۷ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں باقی تمام مبتدی یا ان پڑھ ہیں۔

"زمانے کا سخت تقاضہ ہے کہ اعلیٰ تعلیم حاصل کی جائے کیونکہ بغیر اعلیٰ تعلیم کے تجارت بھی نہیں کی جاسکتی۔ اس میں شک نہیں کہ گذشتہ دس سال میں اس علاقہ کے اکثر بڑے بڑے شہروں میں اب

ـــہ سہارنپور کی قریش برادری کے حالات منشی محمد یٰسین صاحب کے ذریعہ معلوم ہوئے جو انجمن جمعیۃ القریش کے سیکریٹری [illegible]
[illegible]

ذاتی مدرسے اور قصبات میں مکتب قایم ہو چکے ہیں اور طلباء کی تعلیمات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ قومی کاموں میں دریا دلی کے ساتھ سب سے زیادہ چندہ دینا یہ سب کچھ ہے لیکن جس فرقہ کی ہندوستان میں کم و بیش ساٹھ لاکھ آبادی ہو اس کے لئے چند مدرسوں یا مکتبوں کا قیام کافی نہیں ہے اس جماعت کی تباہی و بربادی کا اصلی راز اور حقیقی سبب نہ تو اس کا پیشہ ہے اور نہ ذات بلکہ صرف تعلیم کا فقدان ہے اور بس

"شہر آگرہ میں برادران قریش کی ہندوستان کے تمام مقامات سے زیادہ تعداد ہے۔ قریباً ۱۴ ہزار اور یہاں کے اکثر خاندانوں کے پاس شاہی کاغذات بھی ہیں اور جن کے پاس نہیں ہیں ان کو اپنا شجرہ تقریباً حفظ یاد ہے۔"

برادری کے تین اخبار نکلتے ہیں۔ "القریش" (امرت سر) "قریشی" (سونی پت رہتک) "ندائے قریش" بہار سے۔ ۱۹۲۶ء میں جب آل انڈیا جمعیۃ القریش کا قیام ہوا تو تقریباً ہر صوبے سے رسالے اور اخبار نکالے گئے تھے۔

سہارنپور میں ان کی کل تعداد تقریباً ۲۰ ہزار ہے۔ ان کی زیادہ تعداد محلہ مو ہانی سرائے اور محلہ ڈھولی کھال میں ہے۔ جہاں یہ اکثریت میں ہیں اور ان کے علاوہ محلہ داؤد سرائے، محلہ قطب شیر، محلہ ٹیا محل محلہ نواب گنج، محلہ ہرن ماران، محلہ لکڑ گنج، محلہ نیا بانس، محلہ کھالہ پار (میر کا کوٹ) اور محلہ خواجہ زادگان میں پائی جاتی ہے۔ اوپر کے محلوں میں سے صرف لکڑ گنج میں ان کی تعداد کم ہے۔

برادری کے اکثر لوگ ذبیحہ اور چمڑے کا کام کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سے پرچون کی دکان کا بھی کام کرتے ہیں۔ برادری میں جفت فروش، پارچہ فروش، کلاہ فروش، پان فروش، میوہ فروش (پھل کی دوکان) بھی ہیں پھل کی آڑھت کا کام بھی کرتے ہیں۔ فروٹ مرچنٹس میں ایک کا شمار اچھی آڑھت میں کیا جاتا ہے پرچون کی دوکانیں متوسط پیمانہ کی ہیں۔ آڑھت نہیں ہے۔ بازار میں اچھی دوکانوں میں شمار ہوتا ہے۔

چمڑے اور مویشی کی تجارت کرنے والے لوگ خوش حال ہیں۔ کلاہ فروش اور سگریٹ کی ایجنسی والے بھی خوش حال ہیں۔ کلاہ فروشی کی اس شہر میں صرف دو دوکانیں [illegible] ہیں۔

[illegible] جنگ سے پہلے

جاتی تھی اب نہیں جاتی۔ مویشی کی تجارت میں گائے بھینس، پنجاب یا یو۔ پی کے دوسرے اضلاع مثلاً بجنور اور مظفرنگر سے لاتے ہیں اور بیلوں کی بھی تجارت کرتے ہیں، بھیڑ بکری کی بھی تجارت کرتے ہیں اور ان کی آڑھت بھی ہے۔ اکثر پنجاب سے آتی ہیں اور بہار سے بذریعہ ریل آتی ہیں۔ یہ مال دہرہ دون میں فروخت کرنے کے لئے منگایا جاتا ہے۔ اون کی بھی تجارت کرتے ہیں۔

گائے بھینس کی کھال کی تجارت کا کام پورا قریشی برادری کے ہاتھ میں ہے۔ بھیڑ بکری اور کھالوں کی تجارت کا کام تین چوتھائی قریش برادری کے ہاتھ میں ہے اور ایک چوتھائی میں دوسرے اور لوگ ہیں جن میں بڑا کام راجپوت برادری کے یامین خاں محلہ داؤد سرائے کے ہاتھ میں ہے۔ اون کا کام زیادہ تر کھٹیک کرتے ہیں۔

تندرستی کی حالت بہت اچھی ہے۔ کسرت اور پہلوانی کا سلسلہ برادری میں عرصہ سے چلا آرہا ہے اور عام طور پر شوق ہے۔ اتن پہلوان سارے ہندوستان میں مشہور رہ چکے ہیں اور اس وقت بھی ایک مشہور پہلوان شریف احمد ہیں جن کی کاروباری حالت بہت اچھی ہے۔

تعلیم کا فقدان ہے، گریجویٹ ایک بھی نہیں ہے۔ انٹرمیجیٹ دو ہیں۔ میٹرک بیس کے قریب ہوں گے جن میں ایک محمد یامین صاحب خود ہیں جنہوں نے یہ سب حالات لکھائے ہیں، دو مولوی بھی ہیں ایک مولوی منظور صاحب اور دوسرے مولوی حبیب صاحب۔ مولوی منظور صاحب منصوری کی مسجد میں پیش امام ہیں اور مولوی حبیب صاحب مدرسہ مظاہر العلوم میں مدرس ہیں۔ انہوں نے ایک کتاب مفتی شفیع صاحب دیوبندی کی کتاب "نجابت النسب" کی تردید میں لکھی ہے۔

شراب نوشی کی صرف دو تین کو لت ہے۔ گانا سننے کی البتہ لوگوں کو عادت ہے سینما کا شوق ہے تھیٹر وغیرہ کا بھی شوق ہے۔ شادی بیاہ سختی کے ساتھ برادری کے اندر ہی ہوتا ہے اگرچہ تین چار مثالیں اس کے خلاف بھی موجود ہیں۔ رشتہ کے وقت بہت ٹھوک بجا کر دیکھا جاتا ہے کہ اس خاندان میں باہر کا تو کوئی [illegible] ہے۔ ہیں تھے اس [illegible] کی وجہ سے باہر سے کوئی عورت نہیں لاتے۔

پنچایت [illegible] ہے [illegible] تمام شہر کی [illegible] ایک ہے البتہ اس کے

دو فریق بن گئے ہیں اور یہ فریق پنچ کے خاندانی جھگڑے کی وجہ سے بنے ہیں۔ برادری میں چار چودھری ہیں اور چار ان کے مشیر ہیں۔ یہ سلسلہ موروثی چلتا ہے۔ ان کا انتخاب نہیں ہوتا۔ چودھری حسب ذیل ہیں۔

۱۔ چودھری رشید احمد صاحب موتی پل کمشنر۔

۲۔ چودھری محمد اسحق صاحب۔

۳۔ چودھری عبد الحفیظ صاحب۔

۴۔ چودھری عزیز الدین صاحب۔

علیحدہ علیحدہ کسی چودھری کو کوئی فیصلہ کرنے کا حق نہیں ہے۔ چاروں پنچ مل کر تمام معاملات تصفیہ کرتے ہیں۔ تقریباً تمام تقریبوں کے ذمہ دار کلی طور پر چودھری ہوتے ہیں وہ اس بات کو طے کرتے ہیں کہ کتنے آدمیوں کی دعوت کی جائے اور کس کو برادری میں رکھا جائے۔ کوئی تنازعہ ہوتا ہے تو عدالت کے پاس بہت کم جاتا ہے۔ عموماً پنچ ہی فیصلہ کر دیتے ہیں۔

ایک انجمن جمعیۃ القریش کے نام سے ہے۔ اس کا الحاق آل انڈیا انجمن سے ہے۔ اس نے شادی بیاہ کے موقع پر ناچ کو بند کرا دیا ہے۔ دعوت میں خشکہ چاول پکتا تھا جس کو کڑھائی کا کھانا کہتے تھے یہ عشاء کے وقت سے صبح تک چلتا رہتا تھا۔ یہ بھی انجمن کی کوشش سے اب ختم ہو گیا ہے۔ نکاح بہت پہلے ہو جاتا ہے اور مکلاوا (یعنی رخصت) بعد میں ہوتی ہے۔ یہ رسم باوجود کوشش ختم نہیں ہو سکی اس کے علاوہ اور رسوم کی اصلاح کی بھی بہت کوشش کی گئی ہے لیکن کوئی ختم نہیں ہوئی۔

برادری کے نظام میں ابھی تک کوئی کمزوری پیدا نہیں ہوئی ہے بلکہ وہ اپنی جگہ پر قائم ہے بھاجی (یعنی دعوت) دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک کچی یا چھوٹی بھاجی اور دوسری پکی یا بڑی بھاجی۔ کچی بھاجی میں چاول دال پاؤ سیر فی کس کے حساب سے تقسیم کی جاتی ہے جس کا سلسلہ اب ختم ہو گیا ہے۔ پکی بھاجی میں مٹھائی آدھ سیر فی کس کے حساب سے بانٹی جاتی ہے۔ شادی بیاہ کے موقع پر سو من مٹھائی تقسیم کی جاتی ہے۔ جب سے دو فریق ہو گئے ہیں ایک فریق میں اسی من اور دوسرے میں بیس من بٹنے لگی ہے۔ چودھری کے خاندان سے ...... دونوں فریقوں میں تقسیم

کی جاتی ہے لیکن باقی لوگ اپنے اپنے فریق کے لوگوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

پیدائش سے موت تک تقریباً تین چار سو رسمیں ہوتی ہیں اور ان کی پابندی لازمی ہے۔ عوام اور مستورات کی مخالفت کی وجہ سے باوجود کوشش ان رسموں کو ختم نہیں کیا جا سکا ہے۔

برادری کے ممتاز ترین لوگ حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ چودھری عبد المجید صاحب مرحوم خلافت کمیٹی کے سکریٹری تھے اور مونسپل کمشنر تھے انہوں نے ہی اس شہر میں برادری کی عزت کو بڑھایا۔ ایک قومی مدرسہ انوار الاسلام کے نام سے شروع کیا تھا، یہ مڈل درجہ تک پہنچ گیا تھا اسی کی وجہ سے برادری میں تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا۔

۲۔ محلہ داؤ دسرائے میں چودھری رشید احمد صاحب دس سال سے مونسپل کمشنر ہیں۔ چھ سال جونیر وائس چیرمین رہے۔ دو سال سینیر وائس چیرمین رہے۔ اس سال میونسپل پبلک ورکس کے چیرمین ہیں۔ چمڑے اور آڑھت کی تجارت کرتے ہیں۔ سکنائی جائداد ہے لیکن کرایہ پر نہیں ہے ضلع جمعیتہ القریش کے صدر ہیں۔ ساتویں، آٹھویں سے تعلیم چھوڑ دی تھی۔ برادری میں بہت زیادہ ہر دلعزیز ہیں۔ مراسم قبیحہ کے بہت خلاف ہیں۔ ہمیشہ اصلاح کی کوشش کرتے رہتے ہیں مسلم لیگ کے وائس پریسیڈنٹ ہیں۔ ان کی حیثیت ساٹھ ستر ہزار کے قریب ہے۔

۳۔ محلہ چوابرادران میں شیخ رشید احمد۔ ان کا تعلق دوسرے فریق سے ہے۔ نوجوان آدمی ہیں، چمڑے کا کام کرتے ہیں، بہت پرانی اور مشہور فرم ہے۔ چودھری اللہ رکھا اور محمد یامین کے نام سے ہے، ان کی مالی حیثیت تقریباً ۵۰ ہزار کے قریب ہوگی۔ باغات میں صحرائی جائداد بھی ہے چمڑے کا بہت بڑا کام ہے۔ منڈی کا کام کرتے ہیں ان کے چھوٹے بھائی جن کا نام عبد الحسیب ہے بریلی میں کام کرتے ہیں۔ ان کے ماموں محمد یامین مراد آباد میں چمڑے کا کام کرتے ہیں۔ اور کچھ عرصہ پہلے دہرہ دون میں بھی کام تھا۔

۴۔ محلہ اصول کھال میں چودھری عزیز الدین صاحب۔ بزرگوں میں سے بس ایک ہیں۔ تقریباً ۸۰ سال کے قریب عمر ہے۔ ان کی حیثیت بھی پچاس ساٹھ ہزار ہے۔ سکنائی صحرائی جائداد کافی ہے باغ بھی ہیں۔ تو شہ کا کام کرتے ہیں۔

۵۔ اسی محلّہ میں حبیب احمد محمد یامین چمڑے کا کام کرتے ہیں۔ باہر مظفر نگر سے آئے ہیں پچاس ساٹھ ہزار کی حیثیت ہے۔ چمڑے کی دباغت کے کام کا ایک چھوٹا سا کارخانہ بھی قایم کیا ہے۔ ان کے دو لڑکے ہیں مقبول احمد صاحب اور منظور احمد صاحب۔ یہ دونوں تحصیلدار ہیں۔ ایک بافیت میں ہیں۔

(نوٹ) دہرہ دون، منصوری، چکروتہ میں سب آبادی سہارنپور برادری کی ہے۔

سہارنپور ہی کے ایک عبدالحکیم صاحب بلند شہر میں ہیں۔ پٹرول کی ایجنسی ہے اور پندرہ سولہ لاریاں ہیں۔ سکنائی جائداد بہت پیدا کرلی ہے۔ یہاں جائداد کوئی پیدا نہیں کی۔

۶۔ اسی محلّہ میں محمد یامین صاحب بھی ہیں۔ میٹرک پاس ہیں۔ نوجوان مخلص قومی کارکن ہیں ضلع جمعیتہ القریش کے سکریٹری ہیں۔ مونسپلٹی کی تعلیمی کمیٹی کے ممبر ہیں۔ اچھے شاعر ہیں۔ "پیکر ادب" آپ کا خطاب ہے۔ مجلس احرار کے خاص رُکن ہیں۔ محمد علی لائبریری کے جنرل سکریٹری ہیں۔ ادبی انجمن بزم آزاد کے بھی جو آزاد انصاری سہارنپوری مرحوم کی یادگار میں قایم کی گئی ہے، آپ سکریٹری ہیں۔ مضمون نگار بھی ہیں۔ افسانے وغیرہ بھی لکھتے ہیں۔ اس تحقیقات کے کام میں آپ سے بہت مدد ملی۔

۷۔ محلّہ خواجہ زادگان میں شیخ محبوب الٰہی صاحب۔ محبوب الٰہی۔ محمد یٰسین فرم کے مالک ہیں امپیریل ٹوبیکو کمپنی کے ضلع سہارنپور، مظفر نگر اور دہرہ دون کے لئے ایجنٹ ہیں۔ چھ سات لاکھ کا بزنس ہے اور حیثیت ایک لاکھ کی ہے۔ ان کی ایک اور فرم حاجی محمد یعقوب محمد اسحٰق کے نام سے ہے یہ جنرل مرچنٹس ہیں۔ زیادہ تر ٹوپی لیکن چھتری اور دوسری چیزوں کا بھی کام کرتے ہیں۔ حافظ بھی ہیں۔ نہایت سادہ مزاج اور خلیق نوجوان ہیں۔ آپ کے چھوٹے بھائی شیخ مقبول الٰہی جمعیتہ القریش کے جائنٹ سکریٹری ہیں۔ محمد علی لائبریری کے منیجر اور مجلس احرار کے سرگرم رکن ہیں۔ یہ آل انڈیا، صوبہ اور ضلع تینوں کے رکن ہیں۔

۸۔ محلّہ گلکٹ گنج میں منشی نذر محمد صاحب، صاحب دیوان شاعر ہیں، ان کے تین دیوان ہیں، دو شائع ہو چکے ہیں، ایک زیر طبع ہے عموماً گیت کہتے ہیں۔ "میرے مولا بلا لو مدینے مجھے" اور "بولی اماں محمد" کی اچھی کی تعلیمیں ہیں۔ فخر سہارنپور کا خطاب ملا ہوا ہے۔ مالی حالت بیس پچیس ہزار، سکنائی جائداد اور باغات بھی ہیں بھائی لوگوں کا کاروبار کرتے ہیں۔

۹۔ اسی محلہ میں محمد یونس صاحب ٹھیکیدار ہیں، ان کی حیثیت تقریباً پچاس اور ستر ہزار کے درمیان ہے۔ سہارنپور کی سبزی منڈی کے ٹھیکیدار ہیں۔

۱۰۔ شریف احمد صاحب۔ ایک مشہور پہلوان ہیں۔ ان کی کاروباری حالت بھی اچھی ہے مویشی کا کاروبار کرتے ہیں۔ یہ دہرہ دون کالج میں کشتی سکھلانے کے پروفیسر بھی رہ چکے ہیں۔ ایک فرلانگ تک سر کے بل چل سکتے ہیں۔ ان کا سلسلہ تلمذ گاما پہلوان سے ہے۔ سال میں پانچ چھ مہینے باہر گزارا کرتے تھے لیکن جب سے کاروبار شروع کیا ہے سہارنپور میں مستقل طور پر رہنے لگے ہیں۔

۱۱۔ محلہ لوہانی سرائے میں شریف صاحب ہیں جن کی بھیڑ بکری کی آڑت ہے۔ ان کی واحد آڑت ہے۔ ان کی پچاس ہزار کی حیثیت ہوگی۔ دہرہ دون، منصوری، چکروتہ، رڑکی اور بعض اوقات انبالہ تک کے لوگ ان ہی کے یہاں سے مال خریدتے ہیں۔

۱۲۔ جو لوگ ملازمت کر رہے ہیں ان میں بابو محمد یعقوب صاحب ڈھولی کھال والے پوسٹ آفس میں بہت عرصہ سے کلرک ہیں۔

۱۳۔ اسی محلہ کے بابو عبدالعزیز صاحب دیوانی میں کلرک ہیں۔

۱۴۔ اور محلہ لوہانی سرائے کے بابو عبدالحفیظ صاحب آج کل کالکا میں گارڈ ہیں۔

برادری میں ایسے لوگ جن کی حیثیت پچاس ہزار اور ایک لاکھ کے درمیان ہے صرف چار پانچ ہوں گے۔ ایسے لوگ جن کی حیثیت دس ہزار اور پچاس ہزار کے درمیان ہے بیس پچیس ہوں گے اور ایک ہزار اور دس ہزار کے درمیان حیثیت رکھنے والے لوگ بہت سے ہوں گے۔

برادری کے لوگوں میں صرف تین آدمیوں کا سرمایہ صرافی جائداد میں لگا ہوا ہے ایسے بہت سے لوگ ہوں گے جن کا سرمایہ سکنائی جائداد میں لگا ہوا ہے۔ ایک شخص کا سرمایہ دباغت کے ایک چھوٹے سے کارخانے میں بھی لگا ہوا ہے۔ باقی تجارت کے کام میں سب لوگوں کا تھوڑا بہت سرمایہ لگا ہوا ہے گورنمنٹ کے قرضہ میں صرف وار بانڈ میں ہے۔ اس کے علاوہ نہیں ہے۔ زیور کا سب کو شوق ہے کھانے کا خرچ بھی زیادہ ہے چار پانچ لوگ ایسے ہیں جن میں مغربی فرنیچر ریڈیو وغیرہ کا رواج ہو گیا ہے

سوٹ وغیرہ بہت کم لوگ پہنتے ہیں۔

برادری کے لوگوں کی طرف سے تعمیر کرائی ہوئی پانچ مسجدیں ہیں، سیاسی تحریکوں میں بھی چ
وغیرہ دیتے ہیں۔ مدرسوں کے لئے بھی چندہ دیتے ہیں اسلامیہ اسکول میں دس روپیہ یومیہ سے زیاد
چندہ دیا جاتا ہے اور یہ مذبح میں ایک آنہ فی راس کے حساب سے پہلے متورقعد مدرسہ مظاہر العا
کو بھی چندہ دیتے ہیں۔ سات آٹھ سو مکانوں سے مدرسہ مظاہر العلوم کے طالب علموں کو کھانا دیا جاتا
پیر پرستی نہیں ہے۔

اپنے پرانے کام کے علاوہ تجارت کی طرف اس برادری کے لوگ مائل ہیں اور باہر
کامیاب بھی ہو رہے ہیں۔

شہر سہارنپور کے علاوہ ضلع سہارنپور میں صاحب اقتدار برادری جوالاپور اور رڑکی م
سب متوسط درجے کے کھاتے پیتے لوگ ہیں اور زیادہ تر چمڑے کا کام کرتے ہیں اور گوشت
کنٹریکٹر ہیں۔ لکڑی کے ٹھیکے کا کام بھی کرتے ہیں۔

جوالاپور میں بابو عبدالعزیز صاحب سابق مونسپل کمشنر، آل انڈیا جمعیۃ القریش کی ورکنگ
کے ممبر، بہت بڑے قومی کارکن ہیں۔ پہلے چمڑے کا بڑا کام کرتے تھے اب لکڑی کا کام کرتے ہیں
قریش کے ناشر بھی ہیں۔ تعلیم یافتہ ہیں۔ غالباً انٹرپاس ہیں۔ "بیدار"۔ ماہنامہ جوالاپور "ملت" ہفتہ
لاہور، اور "کعبہ" روزنامہ دہلی کو ۱۹۳۶ء میں برادری کی تنظیم اور بیداری کے لئے نکالا کرتے۔
جوالاپور میں برادری کا اسکول ہے جس کی تعلیمی حالت اچھی ہے اور جس میں مذہبی تعلیم کا بھی انتظا

جوالاپور میں ایک مولانا فیض محمد صاحب کوکب ہیں جو بڑے سیاسی کارکن ہیں۔ مجلس احرار
کے صدر رہ چکے ہیں اور متعدد مرتبہ سیاسی تحریک کے سلسلے میں جیل بھی جا چکے ہیں۔ "بیدار" "ملت"
"کعبہ" کے چیف ایڈیٹر رہ چکے ہیں اور دوسرے اخبارات میں بھی ایڈیٹوریل بورڈ میں کام کر چکے
قومی شاعر بھی ہیں۔ رونق صدیقی جوالاپوری کے استاد ہیں۔ ابتدا میں انہوں نے انہی سے اصلا
جوالاپور کی [illegible] میں [illegible] منتخب تھا انہوں نے [illegible] سے [illegible] جاری کرایا۔

لئے دو نشستیں حاصل کیں۔ کوکب صاحب جنگلات کا بھی ٹھیکہ لیتے ہیں۔ ان کی حیثیت دس پندرہ ہزار کی ہے
ھاتے پیتے آدمی ہیں۔

اسی قصبہ میں طفیل احمد صاحب سابق میونسپل کمشنر بھی ہیں۔ ان کا اچھا خاصا کاروبار ہے۔ چمڑے
کام کرتے ہیں۔ دس پندرہ ہزار کی حیثیت ہے۔

دیوبند کی برادری تعلیمی معاملات میں پیچھے تھی، کاروبار بھی اچھا نہیں تھا، اب پہلے کی نسبت سے
ہت بہتر ہو گئے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اب وہاں کی برادری نے تجارت کی طرف توجہ شروع کردی
ہے۔ چمڑے کی تجارت اور چاول اور جوتوں وغیرہ کا کام شروع کیا ہے، باغ اور پھلوں کا کام بھی
رتے ہیں، یہاں کوئی ممتاز آدمی نہیں ہے۔ دیوبند والوں نے برادرانہ تنظیم کا کام بہت کیا ہے اور
ام رسوم قبیحہ کو تقریباً ختم کردیا ہے اور ضیافتی نظام میں بھی بڑی تبدیلی پیدا کردی ہے۔

تحصیل نکڑ میں برادری جاندار ہے اور لوگ خوب کھاتے پیتے ہیں۔ گنگوہ میں رمضانی، کالو جی
یال کے ایک میونسپل کمشنر ہیں۔ چمڑے اور مویشی کا کاروبار کرتے ہیں۔ ان کی حیثیت تیس چالیس ہزار کی
ہوگی۔ دس، بارہ سال سے میونسپل کمشنر ہیں۔

ممتاز صاحب چمڑے کا کام کرتے ہیں جمعیۃ القریش تحصیل نکڑ کے سکریٹری ہیں حیثیت دس ہزار
، ہوگی۔

چلکانہ میں محمد یٰسین صاحب چمڑے اور مویشی کا کام کرتے ہیں، میونسپل کمشنر ہیں، حیثیت دس پندرہ
ہزار کی ہے۔ عبدالرزاق صاحب بھی یہی کام کرتے ہیں اور ان کی حیثیت بھی اتنی ہی ہے۔

نوٹ:۔ سہارنپور ضلع کے تقریباً ہر قصبہ اور دیہات میں برادری کے لوگ موجود ہیں۔

دوسرے شہروں میں سہارنپور کی برادری کے کام کرنے والے صاحب حیثیت لوگ حسب ذیل ہیں

۱۔ دہرہ دون میں بابو عبداللطیف صاحب گورنمنٹ کنٹریکٹر ہیں۔ انٹرمیجٹ پاس ہیں۔ دہرہ دون
ں سب سے بڑا کام آپ ہی کا ہے۔ دو دوکانیں گوشت کی ہیں۔ سکنائی جائداد بہت کافی ہے۔ دس پندرہ
علاقات میں ان کی حیثیت پچاس ہزار کی ہوگی۔

نوٹ:۔ دہرہ دون میں اس برادری کے آدمی سات سو آٹھ سو سے زیادہ نہیں ہوں گے سب سہارنپور کے ہیں اور متوسط درجے کے لوگ ہیں۔

۲۔ منصوری میں بابو محمد ابراہیم صاحب رئیس منصوری ہیں۔ لنڈھورا بازار اور کلہڑی بازار میں سکنائی جا[ئداد] ہے پچیس تیس ہزار کی حیثیت ہوگی۔ یہ کوئی کاروبار نہیں کرتے ہیں۔

۳۔ شیخ عبد الغنی عبد المجید صاحبان پھل کا کام کرتے ہیں، بہت بڑے پیمانہ پر۔ تقریباً تمام چھاؤنی میں تنہا سپلائی کرتے ہیں۔ انہوں نے انگریزی معاشرت کو خوب اختیار کر لیا ہے، ان کی حیثیت تیس چالیس ہزار کی ہوگی۔

۴۔ محمد یامین صاحب۔ ان کی تین بڑی دکانیں کباڑ خانہ کی ہیں ان میں پرانا مال ہر قسم کا ریڈیو فرنیچر وغیرہ فروخت ہوتا ہے۔ بیس پچیس ہزار کی حیثیت ہے۔

۵۔ شیخ کالا صاحب۔ چھاؤنی منصوری اور ہائی اسکول اور کالجوں کے گوشت کے کنٹریکٹر ہیں دس پندرہ ہزار کی حیثیت ہے۔ ایک شاندار بلڈنگ لنڈھورا بازار میں ہے۔

۶۔ چکراتہ میں بابو محمد یوسف گورنمنٹ کنٹریکٹر ہیں۔ پچھلی جنگ میں کام کیا تھا۔ چکراتہ اور سہارنپور جائداد ہے۔ صحرائی اور سکنائی دونوں قسم کی حیثیت دس پندرہ ہزار ہے پہلے ان کی حیثیت ایک [لاکھ] کی ہوگی۔ پہلگام (مدراس) میں بھی ان کا ٹھیکہ ہے۔

۷۔ عزیز احمد محمد یامین عرف بھورا ٹھیکیدار گوشت، انڈا، مرغی سبزی وغیرہ کا ٹھیکہ ہے۔ بیس پچیس ہزار سے زیادہ کی حیثیت ہوگی۔

۸۔ شملہ میں حاجی محمد اسمعیل صاحب سکنائی جائداد بہت کافی ہے۔ چھ سات بلڈنگ ہیں اور ا[...] بھی کرتے ہیں۔ ان کی ایک دکان جنرل مرچنٹس کی بھی ہے۔ ریڈیو انجینرنگ کا کام بھی کرتے ہیں [...] بھی ہے۔ لاکھ ڈیڑھ لاکھ کی حیثیت ہے۔

۹۔ حاجی نصیر الدین صاحب آرمی کنٹریکٹر ان کی حیثیت چار پانچ لاکھ کی ہوگی۔ آٹھ ک[...]

ہندوستان کے ممتاز ترین قریش جن کا ذکر رسالہ "تاریخ الشیوخ" میں کیا گیا ہے اور جن کی تصاویر بھی شایع کی گئی ہیں حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ مولٰنا محمد امام اکبرآبادی صاحب جنرل سکریٹری آل انڈیا جمعیۃ القریش۔

۲۔ صاحبزادہ حاجی شیخ بھیا محمد رشید الدین احمد میرٹھ صدر اعظم آل انڈیا جمعیۃ القریش۔

۳۔ خان بہادر مولوی بدرالدین صاحب او۔ بی۔ ای رئیس اعظم گڑھ۔

۴۔ خان صاحب مولوی جان محمد صاحب رئیس پونہ پریسیڈنٹ انجمن اتحاد اسلام پونہ۔

۵۔ صاحبزادہ شیخ حافظ رفیع الدین صاحب رئیس اعظم گڑھ۔

۶۔ حافظ عبدالغفار صاحب رئیس اجمیر نائب صدر جمعیۃ القریش صوبہ راجپوتانہ۔

۷۔ شیخ بابو محمد ابراہیم خاں صاحب رئیس منصوری۔

۸۔ شیخ جان محمد صاحب سکریٹری ڈسٹرکٹ جمعیۃ القریش سیالکوٹ۔

۹ و ۱۰۔ شیخ محمد یعقوب و محمد ظہور صاحبان رئیس مرادآباد۔

۱۱ و ۱۲۔ حکیم عبدالعزیز صاحب و شیخ عبدالحکیم صاحب وکیل سیالکوٹ۔

۱۳ و ۱۴۔ ابوالمنیر مشتاق و حضرت کے۔ عبدالغفار صاحب خلیق رئیس بنگلور۔

۱۵۔ شیخ رحمانی عبدالرحمٰن صاحب فیضی متولی مسجد اعظم بنگلور۔

۱۶۔ شیخ منشی رحیم بخش صاحب مختار ریاست کلسیہ۔

۱۷۔ عبدالعزیز صاحب مالک اخبار "ملت" و ناشر "تاریخ الشیوخ"۔

۱۸۔ بابو مظفر حسین صاحب آرمی کنٹریکٹر و سپہ سالار رضاکاران جمعیۃ القریش۔

۱۹ و ۲۰۔ حاجی ظفر احمد صاحب و بابو منظور احمد صاحب امروہوی۔

رفتار عالم

بعض دریا اچانک اپنا راستہ بدلتے ہیں۔ بعض آہستہ آہستہ کناروں کو کاٹتے ہیں۔ سیاست کا
طریقہ بھی یہی ہے، کبھی جنگ اور انقلاب، کبھی خاموش کام۔ آج کل زمانہ خاموشی سے کام کرنے کا ہے
لڑائی سے بھک گئے ہیں، سوائے کومن تانگ اور کومیونسٹ چینی فوجوں کے، سیاسی سرگرمیا
جاری ہیں۔ روس اور چین کی قومی حکومت میں کئی مہینے ہوئے ایک معاہدہ ہوا تھا جس سے معلو
ہوتا تھا کہ روس نے چینی کومیونسٹوں کی حمایت کا خیال چھوڑ دیا ہے، اور کومیونسٹ اور قومی حکومت
میں سمجھوتا کرانا چاہتا ہے۔ حال ہی میں مانچوریا سے روسی پیش قدمی کی جو خبریں آئی ہیں ان سے انداز
ہوتا ہے کہ روس نے صرف مصلحت سے معاہدہ کیا تھا، اپنے اوپر کوئی مستقل اخلاقی پابندی عا
نہیں کی تھی۔ متحدہ اقوام کی مجلس کے جلسے سے کچھ پہلے روس اور متحدہ ریاستوں کے درمیان بھی ایک سمجھ
ہوا تھا جس سے مسٹر برنز بہت مطمئن تھے، اور اسی وجہ سے انہوں نے برطانیہ اور روس کی بحث میں
حصہ نہیں لیا۔ اب متحدہ ریاستوں کی حکومت سوچ رہی ہے کہ سمجھوتہ واقعی سمجھوتا تھا یا محض غلط فہمی،
بعض بااثر لوگ کہہ رہے ہیں کہ ایک حد مقرر کر دینا چاہئے، کہ روس اس کے آگے بڑھے تو اس
باز پرس کی جائے۔ متحدہ ریاستوں کی حکومت سب کو نصیحت کرنے کے بعد کہ خفیہ معاہدے نہ کرنا
ایسے معاملے کرنے لگی ہے جن کا حال کسی کو بتایا نہیں جاتا، اس لئے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ روس نے
کی خلاف ورزی کی ہے یا نہیں۔ روس کو ملزم ٹھہرانے کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ وہاں کی حکو
سوشلسٹ ہے اور مصلحت سے کام لیتی ہے، بہرحال چین کو امن نصیب ہوتا نظر نہیں آتا۔ اب
قومی حکومت اور کومیونسٹ غیروں کے آلۂ کار نہیں گے، جب تک کہ ایشیا والوں کے سامنے مشترک
خوش حالی کی قسم کا کوئی اور منصوبہ پیش کرنے والا پیدا نہ ہو۔ فرانسیسی ہند چینی کی قومی تحریک اب
بے بس ہو گئی ہے کہ اس ملک سے برطانوی اور برطانیہ کی ہندوستانی فوجیں بیشتر ہٹالی گئی ہیں اور

رسے طور پر مستقل ہو گئے ہیں۔ انڈونیشیا میں بھی ایسا ہی ہونا چاہئے تھا لیکن وہاں سامراجیت کا کھیل شروع ہی سے کچھ بگڑ گیا۔ انڈونیشیا کی قومی حکومت پر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ وہ جاپانی تسلط کی یادگار ہے، یہ الزام بالکل غلط ثابت ہوا، اور قومی حکومت ان انتہا پسندوں پر بھی غالب آگئی جو برطانوی ج سے الجھنا چاہتے تھے۔ برطانوی فوج نے جاپانیوں کے ہتھیار لے لئے اور اتحادی قیدیوں رہا کر کے محفوظ مقاموں پر پہنچا دیا تو اس کے پاس اور کوئی فرض ادا کرنے کو نہیں رہا، ہولینڈ کی جوں اور ان کے سامان کو انڈونیشیا لے جانے کی خاصی شدید مخالفت آسٹریلیا اور برطانیہ کی ہندوستانی۔ اور ہولینڈ کی جو فوجیں انڈونیشیا پہنچیں ان کا رویہ ایسا تھا کہ برطانوی فوج کے انگریز اور ہندوستانی باہی دونوں ان سے نفرت کرنے لگے۔ یہ سب اس کی علامتیں ہیں کہ انڈونیشیا برطانیہ کی مدد سے نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا بھی کچھ بہت امکان نہیں کہ وہ دلفریب وعدوں کے ذریعے قابو میں کر لیا ے۔ ہالینڈ کی طرف سے کوئی ایک مہینہ ہوا یہ تجویز پیش کی گئی تھی کہ انڈونیشیا کو تاج کے ماتحت بنے اوپر حکومت کرنے کا حق دیا جائے، اور جب انڈونیشی قوم کو حکومت کی مشق ہو جائے تو ہالینڈ کے سامراج سے الگ ہو جانے کا اختیار رہے۔ اس تجویز کو انڈونیشیا کے قومی لیڈروں کے منے پیش کرنے کے لئے ہالینڈ کی طرف سے ڈاکٹر وان موک گئے اور برطانیہ کی طرف سے ایک تہی تجربہ کار سیاست دان مسٹر چیولڈ واکلارک کر۔ اس موقع پر انڈونیشیا کے قومی لیڈروں میں ت ہو سکتا تھا، اور تھا بھی، لیکن آخری خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ قومی تحریک کے وہ رہنما ال الہند سمجھے جاتے ہیں اپنے انتہا پسند بھائیوں کو اس کا یقین دلانے میں کامیاب ہوئے ان کے درمیان مقصد کا کوئی فرق نہیں ہے اور دونوں کا طریق کار بھی ایک سا ہو جائے گا حکومت جو اب بننے والی ہے انڈونیشیا کو آزادی حاصل نہیں ہوتی۔ ڈاکٹر وان موک نہال کے سلطے ... ہے کہ انہیں جواب کے لئے اتنے دن تک انتظار کرنا پڑا اور درمیان میں کوئی اور ... ہے جو الگ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ انڈونیشیا کی طرف ...

[illegible]

گفتگو کریں گے کہ ان کی قوم متحد ہے اور ان کے ساتھ ہے، اور جہاد کے شوق میں، جیسے کہ انگریزی میں کہتے ہیں، احتیاط اور مصلحت کو ہوا میں اڑا دے گی۔

ہالینڈ کا سامراج کمزور ہے اور تسلط حاصل کرنے کے نئے اور زود اثر طریقوں سے واقف نہیں۔ برطانیہ نے بھی جنگ کے دوران میں استقلال پیدا کرنے کے نئے طریقے نہیں سیکھے اور اس کی قدامت پسندی نے مشرقی دنیا میں اس کے وقار کو خاصا صدمہ پہنچایا ہے۔ اس کے حامی بھی اسی طرح قدامت پسند ہیں جو صورت حال کو قایم رکھنے کے سوا دل بہلانے کے لیے بھی اور کوئی تجویز پیش نہیں کر سکتے۔ برطانیہ کے مخالف اتنی طاقت نہیں رکھتے کہ میدان جنگ میں اس کے مقابلے پر آسکیں۔ ہند چینی کا قصہ ختم ہو گیا ہے، انڈونیشیا میں بھی ہالینڈ کی اس طرح مدد کی جاسکتی ہے کہ بالآخر وہ کامیاب ہو جائے، ہندوستان میں کانگریس اور مسلم لیگ کی عداوت میں بڑے امکانات ہیں، مصر کی بے چینی ہندو قوم سے دور کی جاسکتی ہے اور متحدہ اقوام کی مجلس کو یقین دلایا جاسکتا ہے کہ برطانیہ نے ہر موقع پر انصاف اور حق پرستی کے اعلیٰ معیار پر عمل کیا۔ لیکن روس نے یہی طریقہ اختیار کیا تو کیا ہوگا؟ روسی بڑی بیدردی سے اعتراض کرتے ہیں، اور ان کی سیاست بھی بڑی آزاد ہے۔ جو رویہ برطانیہ کا انڈونیشیا، ہندوستان اور مصر میں ہوگا، وہی روس کا ایران اور ترکی میں ہوگا، اور برطانوی سامراج کا ایک محاذ مضبوط کیا گیا، تو دوسرا اسی نسبت سے کمزور ہو جائیگا، بحر روم، نہر سوئز، بحر احمر اور بحر عرب کا راستہ ایک طرف سے محفوظ کیا گیا تو دوسری طرف روسی اس کے مورچوں کو توڑ دیں گے۔ ایران سے ۱۹۴۲ء میں جو معاہدہ ہوا تھا اس کے مطابق اب برطانیہ اور روس دونوں کو اپنی فوجیں ایران سے ہٹا لینی چاہئیں۔ برطانیہ نے معاہدے کی پابندی کی ہے۔ روسیوں نے شمال مشرقی اور شمالی ایران کو خالی کر دیا ہے، مگر انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ جب تک موجودہ بے چینی کی کیفیت باقی ہے وہ کہیں کہیں اپنی فوجیں رکھیں گے۔ ان کے اس اعلان سے ایرانی حکومت کو پریشان کر دیا ہے، اور برطانیہ اور متحدہ ریاستیں غور کر رہی ہیں کہ اس اعلان کا کیا جواب دیا جائے۔

جمہوری ریاستوں نے دنیا میں اپنا اقتدار غیر مہذب قوموں کو تہذیب سکھانے، غلاموں کو آزادی، اور خود مختاری کے قابل بنانے کا بہانہ کر کے پھیلایا۔ اب لوگ سمجھ گئے ہیں کہ یہ بہانہ [illegible] تھا اور اس کے

بجائے ان اقلیتوں کو جن کی اپنی الگ زبان اور تہذیب ہے، آزاد کرنے کے لئے مداخلت کی جاتی ہے، اور تسلط قایم کیا جاتا ہے، جادوگر سے بہتر منتر کی تاثیر سے کون واقف ہوگا۔ برطانیہ کو معلوم ہے کہ ظلم سے بچانے کا عذر روس کے لئے کتنا کارآمد ہوسکتا ہے۔ برطانوی سامراج کے اندر، اور خصوصاً ہندوستان اور مصر میں تبدیلی بے چینی کی کیفیت تبھی اکثر پیدا ہوچکی ہے، اور برطانوی سیاست داں اس کے مطلب بھی خوب سمجھتے ہیں۔ روس نے اپنا رویہ اور اپنی اصطلاحیں نہ بدلیں تو برطانیہ اور متحدہ ریاستوں کو مجبوراً" اپنا طریقہ بھی بدلنا ہوگا، اور چین اور مشرق قریب کی ریاستیں مقابلے کا میدان بن جائیں گی۔

ہمارے ذہن کی یہ بڑی کمزوری ہے کہ ہم ایک فریق کو اچھا اور دوسرے کو برا کہے بغیر کسی معاملے کو سمجھ نہیں سکتے۔ چنانچہ روس اور برطانیہ کی آویزش میں بھی ہم ایک فریق کو اچھا اور ایک کو برا کہہ کر مغالطے میں پڑے رہیں گے جو برطانیہ کے مخالف ہیں وہ کہیں گے کہ برطانیہ سامراجیت سرمایہ داری قدامت پسندی، ریاکاری کا نمونہ ہے، اور کوشش کریں گے کہ روس کے طرز عمل کو کسی نہ کسی اعتبار سے صحیح ثابت کریں۔ جو لوگ روس کو برا سمجھتے ہیں وہ برطانیہ کی تعریف تو نہیں کرسکتے، کیونکہ پھر ان کی بات پر کوئی یقین نہ کرے گا، لیکن وہ روس کو برا کہہ سکتے ہیں، اور کہیں گے، اور اس طرح برطانیہ کی طرفداری کو حق بجانب ثابت کریں گے۔ دنیا کے ہر ملک میں ایسے لوگ موجود ہیں جو کمیونسٹ ہیں یا سرمایہ داری یا اپنے ملک والوں کی بے بسی اور پست حوصلگی سے بیزار ہیں، اور اس وجہ سے وہ روس کے بہی خواہ ہیں اور اس کی ہر کامیابی کو اپنی کامیابی سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی وجہ سے سیاست اور خصوصاً ایشیائی سیاست کے مسائل کو سمجھنا اور بھی دشوار ہوگیا ہے۔ اس لئے کہ وہ روس کو اپنا اور اپنی امیدوں کا دوست مانتے ہیں، اور ان کے دل سے یہ خیال نکالا ہی نہیں جاسکتا کہ روسی سیاست کے ہر منصوبہ کا مقصد کمیونزم کی اشاعت اور دنیا کا فائدہ ہوتا ہے۔ امریکہ کے مشہور نامہ نگار لوئس فشر نے ایک ترقی پسند رسالے کے ادارے سے قطع تعلق کر لیا۔ اس لئے کہ ادارہ ہر معاملے میں روس کے رویہ کو حق بجانب فرض کرکے اسے سب طرح صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ ایشیائی ملکوں کے مصلحت اندیش لوگوں کو بھی ترقی پسندی کی تحریکوں سے خطرہ ہوتا ہے کہ جو اپنی رائے اور اپنے عمل کو روسی سیاست کا پابند کر لیں گے، پھر

چاہئے کہ ترقی صرف اسی طرح ممکن ہے کہ ساری دنیا کا ملک روسی اشتراکی وفاق میں شامل ہو جائے۔ انہیں اس کی تدبیر کرنا ہوگی کہ روس کا اقتدار جلد سے جلد پھیلے۔ دوسروں کی صنعتی ترقی کا جواب ہماری اپنی صنعتی ترقی ہے سرمایہ داری کا توڑ سرمایہ داری ہے تو روسی اشتراکیت کا علاج عالمگیر اشتراکیت سے کیا جا سکتا۔ مشکل یہ ہے کہ لوگ اس پر بھی راضی نہ ہوں گے، روس کی حمایت اس لئے کریں گے کہ روس کو اچھا سمجھتے ہیں یا برطانیہ کے اقتدار کو اس لئے گوارا کریں گے کہ انہیں کمیونزم سے نفرت ہے۔ اپنی مصلحت کا خیال آیا تو اس وقت آئے گا جب علم اور بصیرت سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہ رہے گا۔

حال ہی میں مسٹر چرچل نے امریکہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ جنگ کے جو نتائج وسطی یورپ میں نظر آ رہے ہیں ان کے لئے ہم نے جنگ نہیں کی تھی، اور اب روسیوں نے شمالی اور جنوبی امریکہ کے براعظموں میں بھی دلچسپی لینا شروع کی ہے جس کی حد اور صحیح نوعیت معلوم نہیں تو امریکہ والے بھی دیکھتے ہیں کہ مداخلت کی وہی صورتیں پھر پیدا ہو رہی ہیں، جو جنگ سے پہلے متحدہ ریاستوں کے لئے ایک خطرہ بن گئی تھیں، اور امریکہ میں اس بات سے کسی کو تسلی نہیں ہو سکتی کہ مداخلت کرنے والی قوت کمیونسٹ ہے نازی نہیں۔ مسٹر چرچل کا یہ کہنا صحیح ہو سکتا ہے کہ روس نئی جنگ کی تیاری نہیں کر رہا ہے بلکہ اس لڑائی سے جو جیتی جا چکی ہے زیادہ سے زیادہ جلد سے جلد فائدہ حاصل کرتا جا رہا ہے۔ مگر خالی زحمت اٹھانے کی خاطر کوئی جنگ میں شریک ہوا نہیں تھا۔ ممکن ہے یورپ اور امریکہ کی جمہوری ریاستیں خود غرض ہوں اور حقیقت یہ ہو کہ روس کے فائدے ہی میں سب کا فائدہ ہے۔ لیکن کوئی ریاست اپنے مفاد کو روس کی مرضی پر منحصر نہیں کر سکتی، اور اگر روسی مدبر تصادم کے امکانات کو نظر انداز کرتے رہے تو ممکن ہے تصادم ہو جائے۔

جامعہ

زیرِادارت: پروفیسر محمد عاقل ایم، اے

۴-نمبر ۷	بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۴۶ء	سالانہ چندہ ہے، فی پرچہ ۸ر

فہرست مضامین

قواعد کی ابتداء

لسانی مطالعہ کو سائنس کا مرتبہ حاصل ہو جانے کی وجہ سے قواعد کے مسئلہ کو بھی ایک مخصوص اہمیت حاصل ہوگئی ہے۔ لسانیات انیسویں صدی میں آکر ایک باقاعدہ اور منظم علم کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔ اور اسی صدی میں ہمیں آفاق گیر قواعد اور تقابلی قواعد (comparative grammar) کے تصورات جنم لیتے نظر آتے ہیں۔ لیکن یہ سوال کہ قواعد کب، کیسے، کیوں ظہور میں آئی کچھ اور پیچھے جانے کا مطالبہ کرتا ہے۔

قواعد تیار کرنے کی پہلی کوشش غالباً اشوریہ میں کی گئی۔ اہل بابل کی زبان عکادی تیرہویں صدی قبل مسیح سے پہلے ہی فنا ہو چکی تھی۔ لیکن فنا ہونے سے پہلے وہ اپنی تہذیب و ثقافت کے قابل قدر خزینے ایک نئی نسل یعنی اشوریوں کو سونپ گئی۔ اشوری اس کے مطالعہ میں بڑے خلوص سے منہمک ہو گئے۔ اس سلسلے میں لغات، قواعدوں اور درسی کتب کی بھی ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ نینوا کی خاکی تختیوں میں نہ صرف یہ کہ اشوری زبان میں بین السطوری ترجمے ملتے ہیں بلکہ فرہنگ اور ہجے، محاوروں کی کتابیں اور قواعدیں بھی نظر آتی ہیں۔

ہندوستان میں قواعدی کارنامے چھٹی صدی قبل مسیح سے شروع ہوتے ہیں۔ وہ اتنے بلند ہیں کہ اب تک کوئی قوم اُن پر سبقت نہیں لے جا سکی ہے۔ پوری زبان کو مادوں کی ایک قلیل تعداد میں مختصر کر کے رکھ دینے کے خیال سے برہمن شروع ہی سے خوب آشنا تھے۔ مشہور سنسکرت قواعد داں پانینی نے ایک ایک لفظ ایک ایک آواز کا تجزیہ کر کے رکھ دیا ہے یہ درست ہے کہ موقع کی نزاکت نے انھیں یہ بات سمجھائی تھی اور یہ سب قلعہ بندیاں پسپا ہوتی ہوئی سنسکرت کے تحفظ کے لئے تھیں لیکن اس سے ان کے لسانی مشاہدہ کی زبردست صلاحیت

تو کوئی حرف نہیں آتا۔ سنسکرت قواعد ہندی فطانت کا غالباً بلند ترین مظاہرہ ہے۔

لیکن ایشیا میں قواعد کی تاریخ ماضی کے دبیز دھندلکوں میں چھپی ہوئی ہے۔ صحیح اور واضح طور پر یہ بتانا کہ قواعد کی بنا کب، کیسے اور کیوں پڑی مشکل ہے۔ البتہ یورپ کی قواعدی تاریخ زیادہ واضح ہے۔ اور اس کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ قواعد کی پیدائش دوسرے تمام علوم کی طرح نظری و عملی ضروریات کی مرہون منت ہے۔ پہلا عملی قواعد داں پہلا معلم السنہ بھی تھا۔ قواعد کے غاز کا سراغ لگانے کے لئے ہمیں یہ معلوم کرنا ہوگا کہ کس زمانے میں کن حالات کے ماتحت لوگوں میں غیر زبانوں کے پڑھنے کا شوق پیدا ہوا۔ یورپ میں پہلی عملی قواعد اسی زمانہ میں ملے گی۔ یونانیوں کو غیر زبان سیکھنے کا کبھی خیال نہیں آیا۔ انہوں نے انسانوں کی دو برادریوں میں بانٹ رکھا تھا۔ یونانی اور غیر مہذبین۔ غیر مہذبین کی زبان کیونکر قابل اعتنا ہو سکتی تھی۔ یہ بات تو بہت بعد میں معلوم ہوئی کہ یونانی زبان کے علاوہ بھی کسی زبان میں اظہار خیال ممکن ہے۔ ایک یونان پر ہی کیا ہے ساری دنیا کی یہی حالت تھی۔ لفظ Agglossos (بے زبان) کے مترادفات اکثر قوموں کی زبانوں میں ملتے ہیں سلاو نڈو والے ہمسایہ جرمنوں کو گونگا (Nemici) کہتے تھے۔ جرمنوں نے اپنے ہمسایہ سیلٹوں کو Walha کا لقب دیا۔ Walha اور سنسکرت کا ملیکھ متحد الاصل ہیں۔ ان کے ابتدائی معنی ایسے شخص کے ہیں جس کی گفتگو صاف نہ ہو۔ عرب والے مدت تک عرب سے باہر والی دنیا کو عجم سمجھتے رہے انہوں نے جب غیر قوموں سے تبادلۂ خیال کی ضرورت کو محسوس بھی کر لیا اور ان کے محاوروں کے بھی عادی ہو گئے تو بھی مسئلہ جہاں کا تہاں رہا۔ جب دونوں گروہ اپنی اپنی زبان بولتے رہیں تو غیر زبان کیونکر سیکھی جا سکتی ہے۔ ترجمان اور مفسرین رکھنے کا خیال غالباً نہایت قدیم ہے۔ ہیروڈوٹس کا کہنا ہے کہ یونانی سوداگروں کے قافلوں میں جو ولگا کی راہ سے ہو کر یورال کی سمت چلتے تھے سات زبانوں کے مفسرین (Interpreters) ہوتے تھے۔ فارس سے جو لڑائیاں ہوئیں اس سے یونانیوں کو یہ معلوم ہوا کہ دوسری قومیں بھی واقعی زبانیں رکھتی ہیں۔ تھیمسٹوکلیز (Themistocles) اسی زمانے میں ہوا ہے۔ اس نے فارسی سیکھ لی تھی

سیکھی اور اتنی مہارت حاصل کر لی کہ بڑی روانی سے بولتا تھا۔ سکندری معرکوں سے یہ میلان اور تقویت پا گیا جب یہ سکندر برہمنوں سے ملاقات کے لئے گیا تو ان کے جوابات کو ترجمہ و تاویل کرنے والے اتنے مفسرین تھے کہ ایک برہمن بول اٹھا کہ ہماری باتیں تو ایسا پانی بن جائیں گی کہ جو بہت سے نالیوں میں بہہ کر نکلا ہو۔

سکندر کی مشرقی فتوحات کا یہ اثر ہوا کہ غیر مہذب الاصل ادیب یونانی کے مطالعہ کی طرف مائل ہو گئے۔ لیکن یونان نے پھر بھی کسی دوسری زبان کے سیکھنے پر توجہ نہ کی لیکن اسکندریہ میں جا کر ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ یہاں مختلف زبانیں بولنے والے اور مختلف دیوتاؤں میں عقیدہ رکھنے والی قوموں کے افراد ایک جگہ نظر آتے ہیں۔ ان کا اولین مقصد تو کچھ اور تھا لیکن یہ قدرتی بات ہے کہ جب فرصت کے وقت میں وہ مل جل کر بیٹھتے ہوں گے تو ان کا اپنے اپنے ملکوں، بادشاہوں، دیوتاؤں اور شاعروں کا ذکر ضرور آتا ہوگا۔ پھر ایسے یونانی علما بھی یہاں موجود تھے جو قدیم کے مطالعے میں مصروف تھے اور غیر ممالک سے آنے والوں سے سوال جواب کرنا بھی خوب جانتے تھے۔ ژند اوستا کا ترجمہ غالباً اسی زمانے میں ہو گیا تھا۔ غیر ممالک کے ادب میں اتنی دلچسپی کے باوجود اس قسم کی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ ان کی زبانیں بھی سائنٹیفک تحقیق کا موضوع بن چکی تھیں۔ تنقیدی اور لسانیاتی مطالعہ کی منزل تک یونانی جس راستے سے ہو کر پہنچے، وہ غیر زبانوں کا نہیں بلکہ خود ان کی زبان کی قدیم بولیوں کا مطالعہ تھا۔ یونانی بولیوں کے تنقیدی مطالعہ کا آغاز سکندریہ میں ہوا اور اس کی بنیاد بالخصوص ہومر کی تصانیف پر ہے۔ قواعد کا ایک خام سا خاکہ تو پہلے ہی یونان میں معرض وجود میں آ چکا تھا۔ افلاطون اسم اور فعل کو کلام کے دو ترکیبی اجزا کی حیثیت سے جانتا تھا۔ ارسطو نے اس میں المعرفہ اور عطف (Articles & Conjunctions) کا اضافہ کر دیا۔ عدد اور حالت (Cases) کا بھی اس نے مشاہدہ کیا لیکن انہیں یونہی بے ترتیبی کی حالت میں چھوڑ دیا تھا۔ کلی قوانین کے ماتحت انھیں ترتیب دینے کا فرض اسکندریہ سکول نے ادا کیا۔ یہاں ہومر کی تصانیف کے صحیح متن کی اشاعت پر توجہ صرف کی جا رہی تھی۔ اور اسی سلسلے میں یونانی قواعد کی اشکال بھی معرض بحث میں آ گئیں۔ سکندریہ

یں پہلی پہل یونانی کا تنقیدی مطالعہ کیا گیا۔ یعنی انہوں نے زبان کا تجزیہ کیا، اسے عام ابواب میں تقسیم کیا،
یا الفاظ کے مختلف کاموں کے لئے فاضل اصطلاحات اختراع کیں، کلاسیکی اور عامیانہ اشکال کے
ین تفریق قائم کی اور ان موضوعات پر طویل اور دقیق مقالات لکھے۔ ان کے کارناموں کو علم اللسان کی
ریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے لیکن یونانی کی ایک واقعی، عملی یا ابتدائی قواعد کے وجود میں آنے
ے لئے ایک قدم اور آگے بڑھنے کی ضرورت تھی۔ اور اس قسم کا اقدام کرنے والا ڈائنسس تھریکس
(Dionysus Thrax) تھا۔ لیکن اسکندریہ سے یکایک روما میں پہنچ جانا غالباً بڑی لمبی
جست ہوگی۔ بیچ کی کڑیوں کو نظر انداز نہیں کیا سکتا۔

ڈائنسس قواعد کا پہلا مصنف ہے لیکن روما میں یونانی زبان کا پہلا معلم نہیں ہے۔ وہاں
پہلے ہی سے یونانی کے طوطی بول رہے تھے۔ وہاں اس کی اس زمانہ میں وہی حیثیت تھی جو آج
ہندوستان میں انگریزی کی ہے۔ شرفا کے بچوں کو پہلے ہی یونانی سکھائی جاتی تھی۔ یونانی سے واقفیت
شریف ہونے کے مترادف تھی۔ نوجوان طبقہ میں یونانی کتابیں پڑھی جاتی تھیں، اسی میں وہ
یں کرتے تھے، اسی میں لکھتے تھے۔ روما کی پہلی تاریخ پکٹر (Fabius Pictor) نے ۲۰۰ ق م
یونانی زبان میں کیٹو (Cato) کی لاطینی میں لکھی ہوئی تاریخ غالباً اسی حالت کا ردِ عمل ہے۔ تو یہ
اس زمانے کے روما کی ذہنی فضا جس جوش اور ولولہ کے ساتھ وہاں چوٹی کے علما یونانی قواعد
مطالعہ کے لئے بیٹھے اسے سمجھنے کے لئے اس فضا کو نظر میں رکھنا ازبس ضروری ہے۔ کریٹز اولین
عد دانوں میں سے ہے۔ وہ اٹلس کے سلطان کا سفیر بن کر روما آیا، جہاں اس کا بڑا پرجوش
ستقبال کیا گیا۔ یہاں ایک حادثہ میں اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی جس کی وجہ سے اسے یہاں ذرا زیادہ
تک ٹھہرنا پڑا۔ یہاں اس نے قواعد پر جو تقریریں کیں ان کو سیوٹونیز (Suetonius)
روما میں مطالعہ قواعد کی تاریخ کی ابتدا قرار دیتا ہے۔ ان تقاریر کے بعد وہاں قواعد اور لسانیات
مطالعہ سے بڑی دلچسپی کا اظہار کیا جانے لگا۔ چار سال بعد کارنیڈیز (Carneades)
اطرح سفیر بن کر روما میں آیا، انہوں نے بھی اسی قسم کی تقریریں کرنی چاہیں لیکن کیٹو کی وجہ سے وہ واپس

ارادہ میں کامیاب نہ ہوسکا۔ اس کے چند سال بعد الگزنڈر پولی ہسٹر Alexander Polyhistor لاطینی پر تقریباً ایک کتاب ہے۔ ویرو (Varro) لوشیلز (Lucilius) اور سسرو اس کے شاگرد ہیں۔ ویرو نے لاطینی زبان پر چوبیس کتابیں لکھیں جن میں سے چار سسرو کو معنون ہیں۔ لوشیلز نے اپنی طنزیات کی نویں جلد ہجا کی اصلاح کے لئے وقف کردی۔ سسرو کی ایسی کوئی تصنیف نہیں ملتی لیکن قواعدی مسائل کے سلسلے میں اس کے حوالے بطور سند ویرو کی کتاب میں نظر آتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ قیصر نے خود لاطینی قواعد پر ایک کتاب لکھی جو سسرو کے نام نامی سے معنون ہے۔ یہ کتاب گیلک جنگ کے دوران میں لکھی گئی۔ قیصر کی ایک تجویز یہ تھی کہ روما میں ایک یونانی و لاطینی کتب خانہ قایم کیا جائے۔ لائبریرین کے لئے اس نے ویرو سے درخواست کی تھی حالانکہ ویرو اس کے خلاف پومپی کی معیت میں لڑا تھا۔

اب ہم اس زمانہ میں آپہنچے ہیں جب ڈائنسس کی پہلی یونانی قواعد شائع ہوتی ہے۔ یہ شخص تھریس کا باشندہ تھا۔ اس کی ذہنی نشوونما اسکندریہ میں ہوئی تھی، اس کے بعد وہ روما پہنچا۔ پومپی کے زمانے میں وہاں وہ ایک معلم کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہا تھا اور اب یہاں لسانیات کی تاریخ میں ایک نیا باب کھلتا ہے۔ ایک یونانی معلم اپنے طلباء کے فائدہ کے لئے یونانی زبان کی ایک عملی قواعد تصنیف کرتا ہے۔ ڈائنسس کو قواعد کا موجد تو نہیں کہا جاسکتا۔ افلاطون سے لیکر ارشاکس تک اس کے متقدمین نے قواعد کا ہیولیٰ تیار کر دیا تھا لیکن وہ پہلا شخص ہے جس نے فلسفیوں اور نقادوں کے نتائج کو یونانی کی تعلیم کے عملی اغراض کے لئے استعمال کیا۔ اور اہم بات یہ ہے کہ یہ قواعد یونانیوں کے لئے تیار نہیں کی گئی۔ وہ تو زبان جانتے تھے بغیر اپنی زبان کے ایک نظریہ کے خواہاں تھے۔ ڈائنسس کے پیش نظر تو ان رومی طلباء کا مفاد پیش نظر تھا جو یونانی زبان سیکھتے تھے۔ اس طرح پہلی قواعد عملی ضروریات کے ماتحت ظہور میں آئی اور اس لئے کہ ایک غیر زبان کو سیکھنے کا سوال درپیش تھا۔ پھر یونانی قواعد کے نظام اصطلاحات کا ترجمہ لاطینی میں ہوا اور اپنے نئے لاطینی لباس میں تقریباً دو ہزار سال کی مدت

ایک روایت یہ ہے کہ اس نے قواعدی مسائل میں حضرت علیؓ سے تعلیم لی تھی۔ اس صورت میں عربی قواعد کا بانی حضرت علیؓ کو کہنا چاہئے۔ لیکن نہ حضرت علیؓ کا اور نہ شروع میں ابوالاسود کو یہ خیال آیا کہ قوعدی مسائل اور اصولوں کو قلمبند کر دیا جائے۔ ابوالاسود تو بلکہ ان باتوں کو لوگوں سے ارادتاً پوشیدہ رکھتا تھا۔ لیکن قرآنی آیات کی غلط قرأت نے اسے چونکا دیا اور وہ نحوی اصول قلمبند کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اس طرح گویا ساتویں صدی کے اخیر میں عربی قواعد کا آغاز ہو گیا۔ ابوالاسود کی تقلید میں بصرہ اور کوفہ کے مدرسوں میں بڑے انہماک سے کام کیا گیا۔ اور سیبویہ (سنہ ۱۷۹ء) کے وقت تک عربی قواعد تقریباً مکمل ہو چکی تھی۔ اگر علامہ سیوطی کی بات پر اعتبار کیا جائے تو پندرھویں صدی میں جن ماہرین قواعد نے عربی ادب میں نام پیدا کر لیا تھا۔ ان کی تعداد پچیس سو سے کم کسی حالت میں نہ تھی۔

انتظار

سوویٹ روس کا ایک مدرسہ

ڈینا لیون۔ ایک انگریز خاتون ہیں جنھوں نے روس میں کچھ عرصہ قیام کرکے وہاں کے طریقہ تعلیم کا قریبی طور پر مشاہدہ کیا اور اپنے اس مشاہدہ کی بنیاد پر انھوں نے ایک کتاب "سوویٹ روس کے بچے" کے نام سے تصنیف کی۔ جناب برکت علی صاحب فراقؔ بی۔اے (جامعی) آنرز نے اس کتاب کا ترجمہ کیا ہے۔ ہم ان کے اس ترجمے کے پہلے باب کو اپنے قارئین کے مطالعہ کے لئے پیش کرتے ہیں۔

(مدیر)

میں اشتراکی روس میں ۱۹۳۲ء میں اس ارادے سے آئی کہ کچھ عرصہ قیام کرکے سوویٹ نظام تعلیم کا غور سے مطالعہ کروں۔ اس سلسلے میں میں نے ماسکو کے متعدد مدرسوں کو دیکھا اور بہت سے ماہرین تعلیم سے گفتگو کی۔ مگر مجھے ہر وقت یہ محسوس ہوتا رہا کہ ان تمام مفید باتوں اور دلچسپ اعداد و شمار کے باوجود جو مجھے اس طرح حاصل ہو رہے تھے، میری حیثیت صرف ایک تماشائی کی سی ہے اور میرے سامنے سوویٹ نظام تعلیم کا پورا پورا نقشہ نہیں ہے اگرچہ میں نے ایک ایک مدرسے میں پورا پورا دن صرف کیا مگر وہ بات کہاں؟ یہی [illegible] زیر اثر [illegible] کسی مدرسے میں کام کرکے مطالعہ کرنے [illegible] میرے دماغ میں [illegible]

میری ایک دوست نے مشورہ دیا ــــ "آپ اینگلو امریکن اس کیوں نہ تشریف لے جائیں؟ وہاں معلموں کی ضرورت بھی ہے اور مجھے یقین ہے کام کر کے خوش ہوں گی۔"

"مگر میں تو کسی اصلی سوویٹ اسکول میں کام کرنا چاہتی ہوں۔" میں نے کہا۔" کو یہ مدرسہ باہر والوں کے لئے ہے۔ اس لئے یہ نمونے کا مدرسہ نہیں ہو سکتا۔"

"وہ بھی اصلی ہی سوویٹ اسکول ہے۔" میری دوست نے جواب بہر حال آپ اسے جاکر دیکھئے اور خود فیصلہ کیجئے اور مجھے اس اسکول کا پتہ نوٹ

دوسرے دن میں اینگلو امریکن اسکول پہنچی۔ میرا خیال تھا کہ مدرسہ خواہ کیسا دلچسپ ہوگا، اس کی عمارت ماسکو کے قدیم طرز کے ایک دو منزلہ مکان میں تھی، جو سوداگر کے تصرف میں تھا۔ اس کی کھڑکیاں کشادہ تھیں اور صحن نہایت خوشنما اور درختوا ہوا تھا۔ اب اس میں پانی بھر کر اُسے اسکیٹنگ کے لئے برف کے ایک تختے کی شکل کر دیا گیا تھا۔ اس وقت اس میں بہت سے بچے درختوں کے جھرمٹ میں اسکیٹنگ کر میں اندر گئی اور پرنسپل سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ مجھ سے ایک ہنس مکھ اور نے کہا کہ میں اپنا کوٹ اور لمبا بوٹ اتار دوں۔ اور اس کے ساتھ ہو لوں، وہ شاید چھوٹی روسی سمجھتی تھی، اگرچہ میں خود اس کی زبان کو سمجھنے سے قاصر تھی جو وہ بڑے فر بولتی تھی۔

ہم ایک دہلیز سے گذرے۔ ادھر اُدھر سے خوش گپیوں اور ہنسنے کھیلنے تھیں۔ مجھے معلوم تھا کہ یہ چھٹی کا دن ہے، مگر جب میں نے دیکھا کہ بہت جماعتوں کے اندر اور باہر اچھل کود رہے ہیں اور بظاہر بہت مصروف نظر آ حیران رہ گئی۔ دہلیز سے ہو کر ہم ہال میں آئے۔ یہاں بچوں کی ایک ٹولی ٹنگی ہوئی رسیوں پر جھول رہی ہے اور ہوا میں قلا بازی کھانے کی مشق کر رہی ہے

اور شور و غل سے میں نے اندازہ لگایا کہ یہ بہت خوش ہیں۔ انھیں میں سولہ سترہ سال کا ایک لڑکا ہو تو یہ ان کا استاد تھا۔

پرنسپل کا کمرہ ہال کے باہر کھلتا تھا۔ اس نے بڑے تپاک سے میرا خیر مقدم کیا اور میری مدرسہ دیکھنے کی درخواست کو بڑی دلچسپی اور غور سے سُنا۔ میں نے بتایا کہ میں ایک معلمہ ہوں، اور تعلیم کے کام میں مجھے سات سال کا تجربہ ہے۔ مجھے سوویٹ نظام تعلیم سے بڑی دلچسپی ہے اور اس کا قریب سے مطالعہ کرنے کی غرض سے کسی سوویٹ اسکول میں کچھ عرصے تک کام کرنے کا مجھے بہت اشتیاق ہے۔

"میں آپ کو اسکول بڑی خوشی سے دکھاؤں گی۔" پرنسپل کہنے لگی۔ "شاید آپ کو معلوم ہو آج بچے چھٹی منا رہے ہیں، اس لئے دوسرے اسکولوں کی طرح ہمارا اسکول بھی ایک کلب کی صورت میں تبدیل ہو گیا ہے۔ آئیے دیکھئے بچے کیا کر رہے ہیں۔"

ہم ایک کمرے میں گئے، جہاں بچوں کی ایک ٹولی جس میں زیادہ تر لڑکے تھے شطرنج ڈرافٹ اور اسی طرح کے دوسرے فرشی کھیل کھیل رہے تھے۔ "یہ کمرہ فرشی اور خاموش کھیلوں کے لئے ہے۔" پرنسپل نے تشریح کی۔ "اور وہ جو لانبے قد کا سانولا لڑکا ہے وہ اس وقت ان بچوں کا نگراں ہے۔ اس وقت شطرنج کا ٹورنامنٹ ہو رہا ہے۔"

یہاں سے آگے چل کر ایک اور کمرے میں پہنچے، جہاں کچھ بچے آپس میں مل کر میکینو (Meccano) سے کوئی چیز بنا رہے تھے۔ اور کچھ ننھے بچے ایک لکڑی کے کھلونے سے کھیل رہے تھے۔ اس کمرے میں جہاں تک میری نگاہ نے کام کیا، مجھے کوئی نگراں نظر نہیں آیا، مگر اس کے باوجود یہاں مکمل سکون تھا، اور تمام بچے اپنے اپنے کام میں کھوئے ہوئے نظر آتے تھے۔ میں نے ننھے بچوں میں سے ایک سے پوچھا "تم یہ کیا کر رہے ہو؟" "ہم والگا کے ایک بجلی گھر کا ماڈل بنا رہے ہیں جو ابھی بن رہا ہے۔ ہم نے اس کے متعلق سب کچھ اخباروں میں پڑھ لیا ہے۔ ہم اپنے ماڈل کو نمائش میں رکھیں گے۔" ایک نو دس سال کی لڑکی نے جواب دیا

میں حیرت سے اس کا منہ تک رہی تھی کہ اس نے پھر کہا: "اپنے ضلع کی نمائش میں۔ اس نمائش میں تمام مدرسے اپنے یہاں کے بچوں کے کام بھیجیں گے۔"

ہم نے انھیں چھوڑا اور وہاں سے مدرسے کی لائبریری اور دارالمطالعہ دیکھنے گئے جو ایک استاد کے زیرِ صدارت قائم تھا۔ دارالمطالعہ کی دیواروں پر بہت سے نہایت دلچسپ چارٹ، نقشے اور تصویریں آویزاں تھیں جنھیں دیکھنے کو بے ساختہ جی چاہتا تھا۔ یہ چیزیں دیکھتے ہوئے ہم ایک کمرے سے گذرے جہاں چند لڑکے بڑے جوش کے ساتھ ایک سترہ اٹھارہ سال کی لڑکی کے زیرِ ہدایت کسی ڈرامے کی مشق کر رہے تھے۔ یہاں سے ہم دفتر واپس لوٹ آئے۔

دفتر میں تھوڑی دیر تک ادھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد پرنسپل نے مجھ سے کہا: "کیا آپ ہمارے ساتھ مدرسے میں کام کرنا پسند کریں گی؟" میں نے اینگلو امریکن اسکول کے بارے میں اپنے شبہات ظاہر کئے اور کہا: "میں سوویٹ اسکول کے خاص مرکز میں رہ کر کام کرنا چاہتی تھی، اس لئے سوچا تھا کہ اگر کسی روسی اسکول میں انگریزی پڑھانے کا کام مل جاتا تو بہتر تھا۔"

"آپ کا یہ خیال بالکل غلط فہمی پر مبنی ہے۔" پرنسپل کہنے لگی: "یہ بھی بالکل اُسی طرح کا سوویٹ اسکول ہے جیسے ماسکو کے دوسرے اسکول۔ سوویٹ گورنمنٹ اپنے قومی نقطۂ نظر کے مطابق جس علاقے کی جو زبان ہوتی ہے، اُس علاقے میں اُسی زبان میں تعلیم کا انتظام کرتی ہے۔ آپ دیکھیں گی کہ ماسکو میں متعدد تاتاری زبان کے مدرسے ہیں، ایک جرمن زبان کا مدرسہ ہے۔ ایک چینی اسکول ہے، اور ان کے علاوہ اور بہت سے مدرسے ہیں جہاں مختلف قومی زبانوں میں تعلیم ہوتی ہے۔ سوویٹ یونین میں امریکہ اور انگلینڈ سے بہت سے مزدور اور ماہر کام کرنے کے لئے آئے ہیں۔ ان کے بچے روسی زبان نہیں جانتے، لہٰذا روسی زبان میں تعلیم حاصل کرنا ان کے لئے بہت مشکل ہے۔ پھر خود روس کے بہت سے لوگ دوسرے ملکوں میں کام کرتے ہیں۔ ان کے بچے بعض اوقات اپنی وطنی زبان سے زیادہ انگریزی جانتے ہیں۔ وہ جب ماسکو یا لینن گراڈ واپس ہوتے ہیں تو اپنی تعلیم انگریزی میں جاری رکھ سکتے ہیں۔

ہمارے مدرسے میں بالکل اُسی طریقے اور نہج پر کام ہوتا ہے جس پر ہمارا سکول کے دوسرے
لولوں میں۔ وہی ایک نصاب ہے اور وہی کتابیں جنھیں خاص ہمارے لئے روسی سے انگریزی
ترجمہ کیا گیا ہے اور جو سوویٹ یونین میں چھپی ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ اگر آپ ہمارے
ول میں کام کرنے کا فیصلہ کریں گی تو آپ کو پورے تعلیمی نظام کا قریب سے مطالعہ کرنے
ہت زیادہ موقع ملے گا۔ یہ چیز کہ یہاں تعلیم انگریزی میں ہوتی ہے، بجائے رکاوٹ پیدا
نے کے آپ کے مطالعے میں سہولت پیدا کر دے گی۔

یہ دلیلیں مجھے بہت معقول نظر آئیں اور میں نے وعدہ کیا کہ میں دو ایک روز میں سوچ کر
ب دوں گی۔ حالانکہ سوچنے کی ایسی کچھ زیادہ ضرورت نہ تھی، اس لئے کہ فیصلہ میں نے تقریباً
اتھا۔ وہ جگہ اپنے ماحول کے لحاظ سے مجھے بہت پسند تھی۔

بالآخر طے یہ پایا کہ چھٹیوں کے بعد ۱۵ جنوری سے میں تیسری جماعت کا چارج لے لوں۔
لئے کہ اس کی موجودہ معلمہ چار مہینے کے لئے زچگی کی رخصت پر جانے والی تھیں۔ اس کے علاوہ
ی کی معلمہ بھی گرمی کے موسم میں جانے والی تھیں اور اس طرح خزاں کے سیشن میں مجھے ان
کام کرنا تھا۔ اس اثنا میں مجھے دعوت دی گئی کہ میں بچوں کے ساتھ ایک اکسکرشن میں شامل
۔ میں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اس لئے کہ اس طرح جماعت میں جانے سے پہلے بچے
دوں سے میری ملاقات ہو جائے گی۔ چنانچہ میں بچوں کے ساتھ اپنی پہلی سیر کی تاریخ کا انتظا
نے لگی۔ سیر ایک پارک میں ہونے والی تھی اور ہمارے سامنے ایک پورے دن کا پروگرام تھا۔
دوسرے دن صبح کو ہم سب مدرسے میں جمع ہوئے چھوٹے بڑے لڑکے سب ملا کر تیس بچے
ن میں سے دس سال کے بھی تھے ۱۲ کے بھی ۱۴ کے بھی۔ وہی نوجوان لڑکی جسے میں نے
ذرا سے [illegible] دیکھا تھا۔ ان کی نگراں تھی۔ بعد کو مجھے معلوم ہوا کہ وہ سکول
پر لیڈر تھی۔ اسی نے ہر بچے سے تھوڑے تھوڑے پیسے اکٹھا کئے جو پارک تک جانے
نے کے لئے [illegible] ایک [illegible] سے

روانہ ہوئے اور پچیس منٹ کے اندر ہی اندر پارک پہنچ گئے۔ وہاں پہنچ کر برف پر پھسلنے کی (اسکیٹ)
لینے کے لئے ہم لوگ قطار میں کھڑے ہو گئے۔ ہمیں اپنے پیروں کی مناسبت سے کھڑاؤں (اسکیٹ)
ایک جوڑا ملا جسے اپنے جوتوں میں فٹ کر کے ہم نے گرگری برف پر پھسلنا شروع کر دیا۔

یہ پارک پہلے ایک بڑے نواب صاحب کی شکارگاہ تھی جس کی جھاڑیاں اب تک
کی توں محفوظ رکھی گئی تھیں۔ درختوں کے جھرمٹ میں تھوڑی دیر تک مزے لے لے کر پھسلنے کے
بعد خوب بھوک لگ آئی تھی اور دوپہر کا کھانا کھانے کے لئے اب ہم بالکل تیار تھے۔ ہم
کھڑاویں واپس کیں اور ایک بڑے مکان کا رُخ کیا جو پھاٹک کے قریب ہی واقع تھا۔ وہاں
تین سو بچے اور جمع تھے۔ ہم بھی انہیں میں شامل ہو گئے اور ایک بہت بڑے ڈائننگ (ہال میں)
بیٹھ گئے۔ بھوک خوب لگی تھی، خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔

کھانا کھانے کے بعد ہم لوگ پاس کے ایک کلب میں گئے جہاں ہمیں بچوں کا (ایک)
فلم دکھایا گیا۔ فلم دیکھ کر بچے اپنے اپنے گھروں کو واپس گئے۔ یہ دن ان کے لئے بڑے (مزے)
کا دن تھا۔

مجھے بعد کو معلوم ہوا کہ اس قسم کے ایکسکرشن یہاں کے اسکولوں کا معمول ہیں۔ (اس)
سلسلے میں ایک عجیب وغریب بات یہ معلوم ہوئی کہ تمام مقامی سوویٹ چھٹی کے زمانے (میں)
بچوں کی دلچسپیوں اور تفریحوں کے لئے پروگرام بنانے میں مدد دیتے ہیں۔ (اس زمانے)
میں پارک، سینما، عجائب خانے، تھیٹر وغیرہ بچوں کے لئے مخصوص کر دئے جاتے ہیں۔ (بچوں)
کے خالی اوقات کو اس طرح پر منظم کیا جاتا ہے کہ کوئی بچہ گلیوں میں اور سڑکوں پر بیکار
پھرتا اور نہ گھر پر اپنے والدین کی غیر موجودگی میں شرارت کرتا ہے۔ چھٹی کے زمانے کی (دلچسپیوں)
میں شرکت کرنا بالکل اختیاری ہوتا ہے مگر خود دلچسپیاں اتنی دلکش ہوتی ہیں کہ بچوں کی (تعداد)
ان میں شریک ہوتی ہے۔

بچوں کو پہلی بار دیکھ کر میں نے محسوس کیا کہ وہ نہایت چست، چالاک اور ذہین تھے۔

پٹیلے کو دیکھتے رہئے۔ اس احساس نے مجھے اپنی جماعت کے بارے میں جو مجھے ملنے والی تھی، سنجیدگی سے سوچنے پر مجبور کر دیا۔ میں نے سوچا دس دس گیارہ گیارہ سال کے تیس تیز طرار بچوں کو ایک جماعت کے طور پر پڑھاناؤں؟ میں ایسے مدرسوں میں پڑھانے کی عادی تھی، جہاں بچوں کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بنا کر یا ڈالٹن پلان کے مطابق، بچوں کو بدل بدل کر تعلیم دینے کا چلن تھا، اور جہاں یہ سمجھا جاتا تھا کہ بچے کی نشو و نما کے لئے آزاد ماحول بہم پہنچانے کے یہی اور صرف یہی طریقے ہو سکتے ہیں۔ ہمارا یہ پختہ عقیدہ تھا کہ جماعت وار طریقۂ تعلیم سے ایک ہی سانچے کے بچے نکلتے ہیں، اسی طرح جیسے مشین سے ایک ہی ٹھاپ اور ایک ہی شکل صورت کی چیزیں نکلتی ہیں۔ دراصل میں اس وقت تک نام نہاد "ترقی پسند" اور "آزاد تعلیم" پر پورا پورا ایمان رکھتی تھی مگر یہاں لڑکوں کو جماعت وار طریقے سے پڑھانے کا نظریہ میرے تمام نظریات پر سبقت لے گیا۔

"آپ کو جس قسم کی مدد کی ضرورت ہوگی، وہ مدرسے کے نگراں سے ملے گی" پرنسپل نے کہا۔ "وہ میری مددگار ہیں، اور نصاب کو چلانے کا کام اُن کے سپرد ہے۔"

نگراں کامریڈ ہالینڈ تھیں، وہ مدرسہ کھلنے سے چند روز پہلے ہی میرے پاس بیٹھ کر مجھے بتایا کرا پنے کام کو مجھے کس طرح ترتیب دینا چاہئے۔ ہر مضمون کے لئے نصاب چھپا ہوا موجود تھا جسے ایک سال میں پورا ہونا تھا۔ ترتیب دیتے وقت مجھ سے امید کی گئی تھی کہ اپنے ہفتہ وار پروگرام میں تفصیل کے ساتھ مجوزہ اسباق کی ترتیب اور طریقۂ کار بتاؤں۔ مواد کو پیش کرنے کے معاملے میں مجھے بالکل آزاد چھوڑ دیا گیا تھا۔ البتہ یہ شرط لگا دی گئی تھی کہ ہر مضمون کا کام وقت پر پورا ہو جائے۔

کامریڈ ہالینڈ جب مجھے کام اور اس کے طریقے سمجھا چکیں تو آخر میں کہنے لگیں: "دیکھئے کہ جب کوئی دقت پیش آئے تو میرے پاس ضرور تشریف لائیے۔ میرا کام ہی یہ ہے کہ طریقۂ درس اور تعلیم کے معاملے میں آپ کی مدد کروں۔ ہم کبھی کبھی سبق سکھانے [illegible]

میں نے انھیں خدا حافظ کہا اور دل میں پکا ارادہ کر لیا کہ کم سے کم تعلیم قایم
میں تو مجھے ان کے پاس نہ جانا ہوگا۔ اس باب میں مجھے پہلے کبھی کوئی دقت نہیں پیش
نئی جماعت کے بارے میں مجھے کسیقدر دقت پیش آنے کا اندیشہ تھا، اس لئے کہ اس ٹرم
میں پہلے دو چار بچوں ہی ہوئی تھی۔ مجھے بڑی حیرت تھی کہ کامریڈ ہالینڈ نے مجھے تعلیم قایم
میں بھی مشورہ لینے کی تاکید کی تھی۔ میں اس قسم کی باتوں کو اب تک استاد کے لئے توہین آ
سمجھتی تھی کہ یہ چیزیں جہاں تک ممکن ہو حکام سے پوشیدہ رکھنی چاہئیں۔

اسکول کھلنے سے ایک روز پہلے اسٹاف کا جلسہ ہوا جس میں دوسری استانیوں
ہوئی۔ سب بڑے خلوص اور محبت سے پیش آئیں۔ ان میں متعدد امریکن استانیاں تھیں
استانی تھی جو امریکہ میں بہت عرصے تک رہ چکی تھی اور یہاں جرمن اور جمناسٹک سکھاتی تھ
کی بھی ایک صاحبہ تھیں۔ غرض ایک اچھی خاصی بین الاقوامی جماعت تھی۔

جلسے میں سال کے نصف ثانی کے کام نہایت صفائی کے ساتھ سمجھائے
کہ کوئی بچہ جماعت میں دوسرے سال نہ رہ جائے۔ ہمیں پڑھائی کے کام میں ایک بلند
چاہیے اور اس میں کامیابی حاصل کرنا چاہیے۔ ہمیں چاہیے کہ نصاب پر حاوی
کی مدد کریں۔ اس کے بعد گذشتہ میقات کے چند نقائص اور ان کے اسباب
گر ان نصاب نے کامریڈ بولش پر بڑی سخت تنقید کی اور کہنے لگیں کہ وہ دوسری
سائنٹیفک طریقے سے پیش نہیں آتیں، وہ بہت زیادہ سخت گیر ہیں۔ یہ ان کی
معلوم ہوتا ہے کہ بچے ان سے ڈرتے ہیں۔ ڈر کے مارے وہ بچارے نہ ان
کرسکتے ہیں اور نہ مدرسہ ختم ہونے کے بعد ان کے سامنے اپنی مشکلات بیان کرتے
تو اچھی خاصی بڑی عمر کی استانی ہیں، انھیں تو ایسا ہونا چاہیے کہ بچے [illegible]
بےتکلف کاست بیان کریں۔ ان کا احترام کریں [illegible]
[illegible] بہت بڑی [illegible]

یہ شخص مجھے بھی عجیب سے لگے وہ ان سے بہ حیثیت اُستاد کے بہت ڈرتے ہیں۔ کولیا کی مثال لیجیے وہ بہت تیز لڑکا ہے لیکن چونکہ اس کے ساتھ صحیح طریقے سے پیش نہیں آیا جاتا اس لئے خراب بن رہا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے بچے اسکول سے نکال دیے گئے ہیں۔ یہ سب سوویٹ کے چلن نہیں ہیں۔ اگرچہ ہمارے یہاں جماعت وار طریقۂ تعلیم رائج ہے۔ تاہم ہمیں انفرادی طور پر ہر بچے کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ ہم کو انھیں سمجھنا اور اُن سے محبت کرنا چاہیے۔ ہمارا مقصد ایسا انسان پیدا کرنا ہے جو صرف محبت اور عدل کے ماحول میں ترقی کر سکتا ہے۔

میں ایک کھلے جلسے میں اس طرح کی بے لاگ تنقید سن کر سناٹے میں آ گئی اور کامریڈ بولشن کی طرف بڑے غور سے دیکھ رہی تھی کہ اُن کے اوپر اس کا کیا اثر ہوتا ہے۔ وہ کچھ نہیں بولیں اگرچہ جلسے کے دوسرے [illegible] میں نے سمجھا تھا کہ لوگ اُن کی رائے سننے کے لئے مشتاق تھے۔ بعد کو مجھے معلوم ہوا کہ [illegible] [illegible] سوویٹ یونین میں بالکل نو وارد تھیں اور اپنے آپ کو وہاں کے حالات کے مطابق ڈھالنا ان کے لئے بہت مشکل تھا۔ وہ کہیں باہر کسی اسکول میں پڑھاتی تھیں جہاں انھیں بچوں کی ایک بہت بڑی جماعت کو قابو میں رکھنا پڑتا تھا اور ظاہر ہے اس کام کے لئے انھیں بہت زیادہ سختی کرنی پڑتی ہوگی۔

جلسے کی کارروائی جاری رہی۔ ایک کامریڈ ینگ تھے جو اونچی جماعتوں کو انگریزی پڑھاتے تھے کہنے لگے: پانچویں جماعت میں مجھے بہت دشواریاں پیش آتی ہیں۔ چھٹی اور ساتویں جماعت کے بچے تو اچھی طرح پڑھتے ہیں، گھر سے کام کر کے لاتے ہیں اور اپنے کام [illegible] ہر طرح سے پورا کرتے ہیں لیکن پانچویں کے بچے اوّل تو شور بہت مچاتے ہیں اور گھر سے سبق بھی تیار کر کے نہیں لاتے۔ گزشتہ ہفتے کے آخر میں تو ان کی حالت بہت ابتر ہو گئی تھی۔ مجھے امید ہے کہ [illegible] سلسلے میں [illegible] اپنے مشوروں سے مجھے سرفراز فرمائیں گی۔ اس پر میری حیرت کی [illegible] کھلے جلسے میں [illegible] اپنی کمزوریوں کا اعتراف [illegible] [illegible]

بہت سے مشورے تجویز کئے گئے اور متعدد استانیوں نے مدد کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔ نصاب کی نگراں نے وعدہ کیا کہ میں انگریزی کے گھنٹوں میں اب پہلے کی بہ نسبت زیادہ آیا کرونگی اور اس چیز کا اصل سبب تلاش کرنے میں آپ کی مدد کروں گی۔ میرا خیال ہے کہ آپ کو اپنا طریقہ بدلنا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ یہ جماعت خاص توجہ کی محتاج ہے۔ ہوسکتا ہے کہ آپ کا سوا صحیح طریقے سامنے نہ آتا ہو۔ بہرحال، ہم آپ کی مدد کریں گے اور اگلے ماہانہ جلسے میں اس خاص مسئلے پر ایک رپورٹ پیش کریں گے"۔

میں اس چیز سے بہت زیادہ متاثر ہوئی کہ جلسے میں جو کوئی بھی سوال اٹھتا، اس سے پورا اسٹاف دلچسپی لیتا تھا۔ سب کی سب سخت تنقید کرتی تھیں مگر بالکل دوستانہ انداز میں۔ پھر جس پر تنقید ہوتی تھی، وہ بھی اُسے دوستی اور خلوص پر مبنی سمجھتی تھی، بالکل اُسی طرح جس طرح تنقید کرنے و[الی] سمجھتی تھی۔ مدرسے کے طریق کار کا یہ ایک معمول تھا۔ جلسے کی ہر کارروائی کے نوٹ بڑی پا[بندی] اور احتیاط سے لئے جاتے تھے اور جس کارروائی کے متعلق رزولیوشن کی ضرورت ہوتی تھی اُسے [پاس] کیا جاتا تھا۔

جلسے کے بعد میرے پاس ایک بوٹے قد کی سنہرے بالوں والی عورت میرے [پاس] آئی اور مدرسے کے مترجم کی حیثیت سے اپنا تعارف کرایا۔ وہ مدرسے کی ٹریڈ یونین کمیٹی کی صدر [تھی۔] وہ کہنے لگی کہ "اگر آپ چاہیں تو استانیوں کے لئے روسی زبان کی ایک جماعت ہے، اس میں [شریک] ہوسکتی ہیں۔ اور دیکھئے، اگر آپ کو کوئی ضرورت پڑے یا اپنے کام میں آپ کسی قسم کی دقت محسوس [کریں] تو بلا تامل میرے پاس چلی آئیگا۔ اس کے علاوہ ایک بات اور نوٹ کر لیجئے کہ اگر آپ مدرسے میں کوئی نقص دیکھیں تو مجھے اس کی اطلاع ضرور کیجئے گا۔ آپ نئی نئی آئی ہیں۔ ممکن ہے آپ [اس] نقص کو بھانپ لے اور دوسرے بھی اُسے ملا لیں"۔

ٹریڈ یونین کمیٹی کا کام یہ ہے کہ مدرسے کے نقائص کو دور کرنے میں مدد کرے [اس کا] کام یہ ہے کہ اسٹاف کے ممبروں کے آرام و راحت کا خیال رکھے۔ علیحدہ دیکھتی رہے کہ ا[ن]

اور سکون کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملے۔ انھیں تفریح کی امکانات سے باخبر رکھے جیسے تھیٹر ہے، سینما ہے، اکسکرشن ہیں، جسمانی کھیلوں کے مظاہروں کی شرکت ہے۔ غرض جس چیز سے بھی انھیں دلچسپی ہو۔"

جب میں اپنی قیام گاہ پر واپس آئی تو میرا دماغ متعدد قسم کے تاثرات وخیالات کا جولانگاہ بنا ہوا تھا۔ "تو سوویٹ کے معلّم اپنی کمزوریوں تک کا اعتراف کرلیتے ہیں! اور وہ بھی سب کے سامنے! کیا یہ ترقی کی راہوں سے کہیں زیادہ اچھی راہ نہیں؟ پورے نظام میں تعاون اور باہمی امداد واعانت کی روح کارفرما نظر آتی ہے۔ اور یہ ٹریڈ یونین تو محبت اور ہمدردی کی دیوی معلوم ہوتی ہے۔ میں نے تقریباً تہیہ کرلیا تھا کہ کل اگر اپنی جماعت کے سلسلے میں مجھے کوئی دشواری پیش آئی تو خود جاکر مدد کی درخواست کروں گی، اور مشورہ طلب کروں گی.........."

جب میں پہلے ہفتے کے کام کا خاکہ مرتب کرنے بیٹھی تو شبہات سے گھر سی گئی۔ ایک نپے تُلے وقت میں تمام بچوں سے پورا پورا کام کس طرح کراؤں گی؟ ہم لوگوں کو تاکید کی گئی تھی کہ کوئی بچہ کچا نہ رہنے پائے اور ہر بچہ نصاب پر اچھی طرح حاوی ہوجائے۔ جو بچے سست ہوں گے، اُن کا میں کیا کروں گی؟ اور جو تیز ہوں گے اُن کو مصروف کس طرح رکھا جا سکیگا؟ اور پھر تمام بچوں میں ایک ہی وقت دلچسپی کیسے پیدا کروں گی؟ کیا اچھا ہوتا اگر جلسے میں ان تمام مسائل پر پرنسپل یا نگراں سے اچھی طرح بحث کرلیتی۔ لیکن جب جلسے میں ہر شخص کے دوستانہ طرزِ عمل کا خیال آیا تو میرے تمام تردداّت کافور ہوگئے۔ اور اطمینان ہوگیا، کہ خواہ مجھے کتنی ہی دشواریاں کیوں نہ پیش آئیں انھیں حل کرنے میں مجھے ضرور مدد ملے گی۔

درونِ سینہ و بیرونِ وے

فلسفہ کیا ہے؟

میں نے اس پر اپنی زندگی کا ایک حصہ صرف کر دیا ہے، لیکن ہمیشہ میری جستجو اور ڈلیسر کے اسفار کی سی رہی ہے۔ میں نے کتابیں کھنگالیں، علم کے صحرائی ذروں کو چھان ڈالا، لیکن فلسفہ کہاں تھا؟ کسی نے کہا یہ علوم کے تاروں سے اپنی قبا بُنتا ہے۔ لیکن میں پوچھتا ہوں اگر تار ہی کچے ہوں تو قبا کیسی ہوگی؟ کوئی کہتا ہے، یہ کُل کی روشنی میں جزو کا مطالعہ کرتا ہے۔ میں ہنس دیتا ہوں اور لفظ روشنی کاٹ کر سایہ لکھ دیتا ہوں کیونکہ انجام ہمیشہ مبہم، غیر واضح اور غیر شفاف ہوتا ہے۔ ہاں اتنا اب میں ضرور جان گیا ہوں کہ فلسفہ کب آتا ہے۔ یہ مقابل زندگی سے پہلے اور فارغ البالی کے بعد آتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ فقط فکری و فارغ نگدی ہے۔

پھر میں شمالی جھلملیوں کے قریب آرام کرسی ڈال دیتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ تخیل اور حقیقت کی درمیانی خلیج کو کیونکر پاٹا جائے؟

چودہ برس تک میں نے علم کی جبہ سائی کی، تب کہیں میں علوم متعارفہ کی ابتدائی منزل طے کرنے میں کامیاب ہوا۔ اس کے بعد جب میں نے ان علوم پر ایک نظر ڈالی تو فلسفے نے مجھے اپنی طرف کھینچا۔ جب میں اس کے قریب ہوا تو حکمت کی طلائی دیوی نے میرے دل کو بالکل ہی موہ لیا لیکن جس وقت میں اس کے باغ میں داخل ہونے لگا تو منطق کے خارزار کا شور۔ میرے پاؤں چھلنی کر دیے۔ میں سخت مایوسی کی حالت میں بیٹھنے ہی والا تھا کہ مجھے خیال آیا کہ ہر بہار سے پہلے خزاں آتی ہے اور ہر کامیابی کی راہ پیچ در پیچ [illegible] منزل [illegible] ہے میں اپنی کاوش میں پھر کوشاں ہو گیا اور جلد ہی اس مرحلے کو بھی طے کر لیا۔ اس کے [illegible] نئی منزل [illegible]

ی۔ یہ تھا "نظریۂ علم" کی بحث تھی۔ EPISTEMOLOGY

میں نے اسے دیکھا اور دماغ کھولانے کے لئے ایک نیا الاؤ تیار پایا۔ اس میں مادہ و شعور جنگ تھی۔ یونانی دیمقراطیس نے نہایت بھولے پن کے ساتھ مادیت کی عمارت میں عینیت بٹھا دیا اور یورپی ڈیکارٹ نے اپنے علم خیال کو اپنی زیست کا مرہون سمجھ کر نئی مادیت کی بنیاد ڈالدی۔ اب موضوعیت و معروضیت کی بحث شروع تھی۔

جب یہ معاملہ دیکھا تو میری ہمت بالکل ہی پست ہوگئی۔ میں نے اپنے دماغ کے لئے یہ سب الاؤ بہت زیادہ گرم پائے۔ اس لئے بہتر یہی سمجھا کہ کسی صاحب علم کے پاس چلا جاؤں۔

چنانچہ میں نے اپنا رخت سفر باندھا اور مغرب کی راہ لی۔ مدت ہوئی ہے مغرب نے مشرق سے نظر و شاہد چھین لئے ہیں۔ اس کے علاوہ مشرق کی سرزمین کچھ ایسی زرخیز بھی نہیں رہی۔ وہاں پہنچتے ہی خوش قسمتی سے مجھے ایک ایسا رہبر مل گیا جو سراپا علم تھا۔ اس نے میری شکل و صورت دیکھ کر سمجھ لیا کہ میں فی الواقع علم کا خواہاں ہوں۔ پھر اس نے مجھ سے پوچھا "تم مادہ کو خیر کائنات سمجھتے ہو یا فواد کو؟"

لے Mind اردو زبان میں لفظ دل Mind کا کسی طور پر مترادف تو ہے لیکن عربی کا لفظ فواد اس سے زیادہ قریب ہے چنانچہ قرآن میں یہ لفظ جہاں جہاں استعمال ہوا ہے وہ قریب قریب انہی معانی میں ہے جن معانی کے لئے لفظ Mind استعمال ہوتا فلسفے کی اصطلاح میں یہ اس قوت کا نام ہے جو حواس ظاہری کی اطلاعات (Percepts) سے استنباط و استخراج کرتی ہے لیکن مفہوم: حواس ظاہری کی اطلاعات کی اساس ہی پر منحصر نہیں بلکہ جہاں حواس ظاہری اپنی سپر ڈال دیتے ہیں وہاں یہ فواد ہی کام کرتا ہے یہ وہ قوت ہے جو بیکراں کے تحریک۔ اپنی وصال اور زمان و مکان کے پردے پھاڑ کر ابدی آن ETERNAL NOW کی [illegible]

[illegible] Dementia [illegible]

[illegible] EXIST

میں نے کچھ توقف کیا، پھر کہا: "اگرچہ دنیا میں رہتے ہوئے مجھے کئی برس گذر گئے ہیں اس کے باوجود میں خود حیران ہوں کہ گرمی کو سورج کا رہین منت سمجھوں یا اس کی غیر مرئی شعاعوں کا۔"

وہ زیر لب مسکرایا، وہ کہنے لگا: "تمہاری آنکھیں کیا دیکھ رہی ہیں؟"

اعتراف شکست سے میں نے کہا "مادہ"

"تو پھر ایسی گنجلک میں محبوس ہونے کی کوشش کیوں کر رہے ہو؟ ہر چیز واضح ہے۔" اس نے اپنے فلسفے کی کڑی اٹھائی: "یہ صرف مادی وجود ہی ہے جو اشیا کا ادراک کر رہا ہے۔ تمہاری آنکھیں ہی تو ہیں جو سورج کی روشنی اور الوان کی بوقلمونی کو دیکھ رہی ہیں۔ تمہارے کان ہی تو ہیں جو موسیقی کی میٹھی لہروں کو وصول کرتے ہیں اور سماعت کی ایک فردوس تمہارے لئے بچھا دیتے ہیں۔ تمہارا ہاتھ تھا ہے اور اشیا کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ تمہارے قدم اٹھتے ہیں اور کائنات کی وسعتوں پر گھوم جاتے ہیں۔

پھر ذرا تم اپنے عصبی نظام پر ایک نظر ڈالو۔ بیرونی دنیا کی ہلکی سی جنبش تمہارے جسم میں کپکپی پیدا کرنے کے لئے کافی ہے۔ کیا یہ فواد کی کارفرمائی ہے؟ اگر فواد ہی احساس کا منارہ کا مہبط ہوتا تو جب تمہاری داڑھ دکھ رہی تھی اور طبیب نے تمہارے مسوڑوں کو مخدر کر دیا تھا تو تمہارے درد کیوں بند ہو گئے؟ وہ درد کہاں گئے؟ کیا وہ تمہارے جسم ہی کے پیدا کردہ نہ تھے؟ ابھی مادے میں وہ اسرار پنہاں ہیں کہ دماغ جیسی عظیم الشان چیز پیدا ہو گئی۔ جدید دریافتیں اور تجربات ظاہر کر رہے ہیں کہ حیات کا بنیادی ذرہ (تخم مایہ) کس طرح ترقی کرتے کرتے اس منزل پر پہنچ گیا۔ اگر تم فواد کو ماننے پر بہت ہی مصر ہو تو اتنا کہہ لو کہ وہ دماغ، جو مادہ کی کامیاب تخلیق ہے، ارتقائی زینے طے کرتا ہوا فواد کی پیچیدہ منزل پر پہنچ گیا ہے۔ حقیقت وہی ہے جسکو تم نے سفر کے پہلے منارے میں یہ دیکھا تھا کہ فواد کوئی ایسی آزاد شے نہیں جو تمہارے وجود پر حکمراں ہو بلکہ محض ایک غلام حلقہ بگوش ہے جس کو کوتاہ بینوں نے بعض کیلی پوشش میں ملبوس دیکھ کر شاہ سمجھ لیا ہے۔"

اس کے الفاظ میرے کانوں پر اس طرح پڑ رہے تھے جیسے ہم چھم پھوار پڑ رہی ہو، میں نے

دبی زبان سے کہا۔ "لیکن ظاہر میں ایسا دکھائی دیتا ہے، گویا فواد ایک حاکم کی حیثیت سے ہمارے وجود پر متمکن ہے۔ حتیٰ کہ اگر روزمرہ کو دیکھا جائے تو اس میں اس قسم کے محاورات اور الفاظ بکثرت مل جائیں گے جو اسی خیال کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔"

وہ پھر مسکرایا لیکن اب کے ترش طنز اس کی مسکراہٹ میں اپنی جھلکیاں دکھا رہی تھی۔

"جب جسم بیمار ہوتا ہے تو اس وقت تمہارا دل مسرور ہوتا ہے؟"

یہ سوال واقعی ٹیڑھا تھا۔ میں نے آنکھیں جھکا لیں۔ یکایک میں نے محسوس کیا۔ گویا اس کی نظریں میری گردن میں پیوست ہو رہی ہیں۔

"لیکن کوئی مضائقہ نہیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ایسے شبہات ہر شخص کے دماغ پر قدرتی طور پر پیدا ہو جاتے ہیں۔ میں کیا کہہ رہا تھا؟ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ دراصل مادہ ہی فاعلِ کُل ہے، وجود کی جنبش و حرکت ہمارے ہر فعل و عمل کا باعث ہے۔ محبت جیسی لطیف شے بھی وجودی تہیج کے بغیر ناممکن ہے۔ کم از کم میں نے تو کسی آختہ کو محب و محبوب بنتے نہیں دیکھا۔ بھوک شہوت غرض کسی جذبے کو لو اس کے پردے میں وجود کا وہی غیر مرئی ساز بج رہا ہوگا۔"

اس کے علم و دانش سے میں اسقدر متاثر ہوا کہ جب میں بازار میں آیا تو ہجوم کا شور و شغب بھی مجھے متشکل دکھائی دینے لگا۔ رات جب میں مطالعہ کرنے کی بجائے بستر پر دراز ہو گیا تو یکایک مجھے احساس ہوا کہ میں تو پکا مادہ پرست ہو گیا ہوں۔ صبح میں نے اپنے تمام نظریات کی دوبارہ قطع و برید کی اور جوں جوں میں نے حقیقت کا تجزیہ کرنا شروع کیا مجھے یقین واثق ہوتا گیا کہ خالق حق اصل میں مادہ ہی ہے۔

میں اس موقف پر مضبوطی سے جما رہا۔ حتیٰ کہ ایک ضیافت میں میری ملاقات ایک سائنسداں سے ہو گئی۔ باتوں باتوں میں ہمارا موضوع کلام اسی طرف جھک گیا۔ میں نے مادے کی پرزور حمایت کی۔ اس پر اس نے میری طرف تحیرآمیز نظروں سے دیکھا اور کہا۔ "آپ اس وقت غالباً اسی بات کو دہرا رہے ہیں جس کو سائنس نے عرصہ ہوا صنوبرے کا سمجھ کر کاٹ دیا تھا۔ میرے خیال میں آپ

سالمے کی تازہ ترین خبروں سے ہنوز لاعلم ہیں۔

مجھے اپنی کم مائگی کا اعتراف کرنا پڑا۔

"جب سائنس نے جب پہلی پہل سالمے کے وجود کی دریافت کی تو مادیت نے اسی وقت اپنی فتح کا ڈنکا بجا دیا اور تمام اہلِ علم کو تسلیم کرنا پڑا کہ کائنات کی اساس مادہ ہی ہے لیکن جب تجربات کا ہاتھ سالمے کا بھی جگر چاک کرنے میں کامیاب ہو گیا تو اس وقت حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے پایا کہ اس کے اندر تو صرف ایک توانائی ہی کام کر رہی تھی۔ ان حالات کے ماتحت پرانے نظریے کا برقرار رہنا سخت دشوار ہو گیا۔ ایک یہودی حکیم کی اضافیت اور برق کے کوانٹم اس پر پے در پے ضربیں لگا رہے تھے۔ اور آخر کار مادیت کی خاک سے ایک ایسا ہیولیٰ اٹھا جس کے اندر ایک ریاضی داں روح کام کر رہی تھی"۔

میں بدحواس ہو گیا۔ میں نے بڑی گرماگرم بحث کی لیکن وہ حقائق سے صلح کسی صورت بھی کو تیار نظر نہ آتا تھا لہٰذا مجھے ہی جھکنا پڑا۔

اب میں نے عینیت کا منظم مطالعہ شروع کر دیا اور تھوڑے ہی عرصے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ فواد میرے تحت الشعور کے چور دروازے کے راستے سے دبے پاؤں گھس رہا تھا۔ عین پرستوں کے دلائل مجھے روز بروز لبھاتے جا رہے تھے۔ مدعیان عین بالکل بجا تھے جب وہ کہتے کہ "آخر مادہ کیا درد محسوس کر سکتا ہے؟"

مادہ پرست کے لئے یہ بات لوہے کے چنے تھی۔

اس کے بعد عین پرست مزید استفسار کرتا "اس تصور کی توجیہ تم کیسے کرتے ہو، جو مادے کی کثیف چادر پھاڑ کر مکان و زمان کی حدود سے بلند پرواز کرنے لگتا ہے؟"

مادہ پرست اپنے مخصوص انداز رہنمائی میں اسے بھی مادے کی انجانی بلندی کہہ سکتا تھا لیکن مسئلہ اس کے دل میں تیر کی طرح چبھتا رہتا۔ بجز اس کے [illegible] کان دبا کر چپ"

لہ شعور [illegible] (دیکھو)

، رعین پرست کہتا" روشنی چڑھتی ہے اور ڈھلتی ہے۔ صبح کے وقت رنگ کچھ اور جلوہ دکھاتا ہے، اور
ت کو اور۔ پھر کون سا رنگ اصلی ہے؟ حیوانی اور انسانی بصارت میں اختلاف عظیم ہے، پھر کون اشیاء کا
ں ادراک کرتا ہے؟ وجود کی بے بسی کا تو یہ حال ہے کہ آنکھ کے ڈھیلے کو ذرا دباؤ تو نیلگوں تارے
ھوں کے سامنے ناچنے لگتے ہیں۔ یرقان اصفر کا مریض ہر شے کو بسنتی جلوہ میں دیکھتا ہے۔ پھر ہاتھوں کو
، ماؤ جن کو تم لمس کا سنگم سمجھتے ہو۔ ایک ہاتھ گرم پانی میں ڈالو اور دوسرا سرد پانی میں۔ پھر دونوں نیم گرم
ں میں ڈالو۔ گرم پانی والا ہاتھ خنکی محسوس کرے گا اور سرد پانی والا ہاتھ گرمی۔ آخر ان جاہل عالموں" پر
ماد کر کے کوئی کیونکر صداقت کو پا سکتا ہے۔ انسانی حس و ادراک کا تخالف بھی کچھ کم حیرت انگیز
ں۔ ایک چیز کو زید ایک نظر سے دیکھتا ہے تو بکر دوسری نظر سے۔"

عین پرست اپنے زور بیان پر مسرور ہوتا ہے، پھر مادیت پر آخری ضرب لگاتے ہوئے
سا ہے۔ "یہ فواد ہی تو ہے جو نظر کو روشنی، کان کو آواز اور ہاتھ کو لمس بخشتا ہے۔ یہی اشیاء کا
ق ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ تھکے ماندے مسافر کے لئے ایک گز بھی ایک میل کے برابر ہے،
منتظر عاشق کے لئے ایک دقیقہ بھی سال سے بڑھ کر ہے۔"

اب میں نے اپنی تحقیق فواد پر ختم کی اور عملی دنیا میں داخل ہوا چاہتا تھا، تھوڑے ہی عرصہ کے
مجھے اس دلیل کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک کر دیا گیا کہ "دنیا کی ہر چیز نامکمل ہے، اور
تکمیل کے لئے اپنا جوڑا چاہتی ہے۔ دو ہاتھ مل کر ایک کام کرتے ہیں، اور دو پاؤں کی حرکت سے

یہ منوا تیں) جو ہمیں ماحول کے تہیجات و محرکات سے آگاہ رکھتی ہے۔ پھر ہم ان محرکات (Stimuli) کا جواب
کر اپنے وجود کو ثابت کرتے ہیں۔ یہی زندگی ہے۔ شعور کی موت دراصل زندگی کی موت ہے۔ اسلام اسی سے ان تمام اشیاء
ملات کو ممنوع قرار دیتا ہے جو انسان کے شعور کو سلا دیتی ہیں۔ برگساں نے عالم فلسفہ میں پہلی دفعہ شعور کی اہمیت جتائی
ں کی ماہیت و حقیقت کے اسرار کھولے۔

، تجربات سے یہ بھی معلوم ہے کہ تھکے کو اشیاء بڑی نظر آتی ہیں۔ بلی کو اندھیرے اور مکھی کو جالی دار (راقم الحروف)
ماننا ہے

لیک قدم اٹھتا ہے۔ جب پہلی بار میں نے اپنی بیوی دیکھی تو میں کچھ وقفے کے لئے مبہوت رہ گیا، وہ باغ ارم کی پری تھی یا صبح بہار کی پہلی کلی۔ میں نے اسے روکنا چاہا لیکن کوئی آ گیا، میں نے پھر کتاب اٹھائی اور اس میں اپنی توجہ کو جکڑنا چاہا۔ لیکن نہیں، میری آنکھوں کے سامنے الفاظ ناچنے لگے، اور پھیلتے پھیلتے اس کی تصویریں بن گئے۔ دل میں ایک جذبہ بگولے کی طرح اٹھ رہا تھا، میں نے آنکھوں کے سامنے دلیل پیش کی کہ وہ حقیقت میں فواد کی تخلیق ہے لیکن آنکھیں تھیں کہ ماننے کو تیار نہ تھیں اور کتاب سے بدستور بھاگ رہی تھیں۔

میں اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ میرے سامنے پھر کھڑی تھی۔ وہ میری طرف سیاہ آنکھوں سے دیکھ رہی تھی، میں کچھ عرصہ تک عالم سکوت میں ڈوبا رہا۔ مجھے محسوس ہوا، گویا کائنات کچھ وقت کے لئے ساکن کھڑی ہو گئی ہے۔ میں نے اس کی طرف دیکھا پھر فواد کی طرف، پھر آنکھوں کو ٹٹولا ہر چیز اپنی جگہ پر قایم تھی۔

"دور ہو مادہ پرست اور ذہن پرست۔ مادہ اور فواد دونوں قایم ہیں" یہ کہتے ہوئے میں نے اس کا ہاتھ چوم لیا جس نے مجھے اس بھول بھلیوں سے نکالا۔

اب میں اس بات پر یقین واثق رکھتا ہوں کہ ہر چیز اپنے جوڑے کے بغیر نامکمل ہے۔

جیلانی

کوریا کی تحریک آزادی

کوریا کی تحریک آزادی کی سب سے بڑی اور نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس پچیس سالہ جدوجہد کا مرکز ملک سے باہر رہا ہے۔ کوریا کی آزادی کے لئے سب سے پہلے یکم مارچ ۱۹۱۹ء کو ملک کے طول و عرض میں مظاہرہ کیا گیا۔ مظاہرین کی تعداد بیس لاکھ تھی، مگر جاپانیوں نے بہت جلد اس پر قابو حاصل کر لیا۔ اس سلسلے میں کوریا کے اعداد و شمار کے مطابق تقریباً پچاس ہزار قید ہوئے اور سات ہزار کام آئے۔ کوریا کے بہت سے رہنما جلاوطن ہوئے۔ بہت سے کوریائی آزاد فوج میں شریک ہوگئے، اور بہتوں نے شنگھائی میں پناہ لی، جہاں ۱۲–۱۹۱۹ء کے موسم بہار میں ملک سے باہر پہلی مرتبہ کوریائی حکومت قائم کی گئی تھی، جس کے صدر ڈاکٹر سنگ مین ری SYNGMAN RHEE ہیں۔

کوریائی جلاوطنوں کی کثرت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ہر بیس میں سے ایک جلاوطن ہے۔ تقریباً ساڑھے بارہ لاکھ منچوریا میں ہیں۔ تیس ہزار کے قریب چین میں، چالیس ہزار روسی سائبیریا میں اور تقریباً دس ہزار ہوائی (Hawaii) اور ریاست ہائے متحدہ کی نوآبادیات میں۔ کوریائی خفیہ جدوجہد کو جاپانی حکومت ختم کرنے میں کبھی کامیاب تو نہیں ہوئی مگر جاپانی دباؤ اور سختیوں کی وجہ سے کبھی اسے بڑھنے اور ترقی کرنے کا مناسب موقع نہیں ملا جس کی وجہ سے کوریا کی انقلابی جدوجہد کو جو کچھ ترقی اور عروج حاصل ہوا، وہ تمام تر کوریائی جلاوطنوں کی ممنون احسان ہے۔

تجربہ جلاوطنوں کی بعض جماعتیں اپنے وطن سے تعلق قائم نہ رکھ سکیں، اس لئے اپنے وطن کی آزادی کے لئے خارجی حکومتوں کی امداد حاصل کرنے پر مجبور ہوگئیں۔ اس سلسلے میں شمالی کوریا کی موجودہ عارضی حکومت ہے، جو منچوریا کی کفالت میں قائم کی گئی ہے۔ ان گروہ [illegible] میں [illegible]

قدامت پرست ہیں انہوں نے نہ تو کبھی گوریلا جنگ کو منظم کرنے کی کوشش کی اور نہ کبھی کوریا کے باہر یا اندر عوام کی مدد اور ہمدردی حاصل کرنے کی انتظامی تجربہ بھی نہیں رکھتے کہ آزاد کوریا کی حکومت کے چلانے میں ان سے کوئی مدد مل سکے گی، البتہ خارجی خصوصاً چینی اور امریکی حکومتوں سے ان کے بہت اچھے تعلقات ہیں اس لئے اس سلسلے میں ان سے قابلِ قدر امداد اور مشورے حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ دوسرا قابلِ ذکر گروہ وہ ہے جس نے حصول آزادی کے لئے نسبتہً سخت طریقے اختیار کئے اور کوریائی عوام سے نہایت گہرا تعلق رکھا، اس میں کوریائی کمیونسٹ پارٹی شریک ہے جو ۱۹۱۸ء میں قایم ہوئی اور بایاں بازو۔ اس گروہ نے منچوریا، چین اور خود جاپان میں اپنے مرکز قایم کئے اور مجاہدوں اور دہشت پسندوں کو باقاعدہ منظم کیا۔ ان میں سے بہت سے چینی کمیونسٹ اور کومن تانگ کے اتحاد کے زمانے میں ۲۷-۱۹۲۵ء کے چینی انقلاب میں شریک ہوئے اور دسمبر ۱۹۲۷ء میں جب کینٹن کمیون (Canton Commune) کو دبایا گیا تو ان میں سے بہت سے رہنما کام آئے۔

پارٹیوں کے اختلافات اس میں شبہ نہیں کہ کوریا کے مختلف گروہوں، حلقوں اور پارٹیوں کا اس کی تحریک آزادی کے قیام و ترقی میں ممتاز اور نمایاں حصہ ہے، مگر ان کے باہمی اختلافات سے الجھاؤ اور مشکلیں پیدا ہوتی رہتی ہیں، مثلاً جب سوال چینی انقلاب میں نمایاں حصہ لینے، ریاستہائے متحدہ میں پروپیگنڈا کرنے، مقاصد اور طریق کے تعین میں قدامت پرستوں اور ترقی پسندوں کے اختلافات طے کرنے، جاپان کی متشددانہ اور جابرانہ پالیسی اور کوریائی مسائل سے خارجی حکومتوں کی بے اعتنائی اور سرد مہری کے خلاف جد و جہد کو جاری رکھنے، غرض اسی طرح کے دوسرے بے شمار اہم مسائل کے حل کرنے کا اٹھتا ہے تو مختلف جماعتوں کا الجھاؤ آڑے آتا ہے مشرقی ایشیا کے سیاسی اتار چڑھاؤ کا بھی کوریا کی تحریک آزادی نے بہت گہرا اثر قبول کیا ہے چین کی انقلابی تحریک جس وقت بہت مضبوط تھی اس وقت اسے فروغ حاصل ہوا اور ۱۹۲۷ء میں جب چین کے متحدہ محاذ میں انتشار پیدا ہوا

تو یہ تحریک بھی ناکامی سے دوچار ہوئی۔ اسی طرح جاپان کے حملے کے وقت چین کے ترقی پسند عناصر نے متحدہ محاذ کا مطالبہ کیا اور ۱۹۳۷ء میں جب کومن تانگ اور کمیونسٹوں میں تھوڑے عرصے کے لئے سمجھوتہ ہو گیا تو اس سے کوریا کی تحریک آزادی کو بھی غیر معمولی تقویت پہنچی۔ غرض جس وقت چین کے اتحاد میں انتشار پیدا ہوتا اور کومن تانگ اور چینی جمہوریت پسندوں میں ذرا بھی کشیدگی ہوتی تو چین اور منچوریا کے کوریائی رہنما بھی اسی لحاظ سے بٹ جاتے۔ قدامت پرستوں نے جن کی رہنمائی سنگمن رہی اور ان کے ساتھیوں کی نظر ہمیشہ امریکہ پر ہوتی تھی، جاپانی حکومت کے خلاف متحدہ جد و جہد کرنے کی بجائے ۱۹۴۰ء میں چنکنگ کی کفالت میں کوریائی عارضی حکومت کی داغ بیل ڈالی اور اتحادیوں کی فتح کے انتظار میں بیٹھے رہے۔ دوسری طرف کوریائی کمیونسٹ اور بائیں بازو والوں نے شمالی چین اور منچوریا میں گوریلا جنگ کی تنظیم شروع کی اور ینان (Yenan) کے چینی کمیونسٹوں سے نہایت گہرا تعلق پیدا کیا۔ اسی کے ساتھ کوریا میں بھی مختصر مگر ترقی پذیر خفیہ جد و جہد کی بنیاد رکھی۔

کم کو کی حکومت

کوریا کی عارضی حکومت، چینی حکومت کی کفالت اور مالی امداد سے مسٹر کم کو (Kim Koo) کی ماتحتی میں کام کر رہی ہے۔ اس کے ماتحت ایک آزاد فوج بھی ہے، جو جنرل لی چنگ چن (Li Chung Chun) کی ماتحتی اور چینی قومی مدافعت کونسل کی ہدایت اور رہنمائی میں کام کرتی ہے۔ ۷۰ سال کے سن رسیدہ ڈاکٹر سنگ مین رہی (Syngman Rhee) عارضی حکومت کے صدر ہیں۔ اگرچہ امریکہ نے صدر ان کی گورنمنٹ کو کبھی سرکاری طور پر تسلیم نہیں کیا ہے، مگر واشنگٹن میں وہ عارضی حکومت کے نمائندہ ہیں۔ ڈاکٹر رہی کی سیاسی جد و جہد کیپٹل کے جوش کی طرح ہنگامہ خیز مگر وقتی ہوتی ہے۔ ان کی طویل سیاسی خدمات اور رہنمائے متحدہ سے غیر معمولی تعلق اور واقفیت کی وجہ سے انھیں بڑا اعزاز اور منصب حاصل ہے اور شاید آزاد کوریا میں انھیں شاید کوئی جگہ مل سکے گی۔

متحدہ محاذ ... میں کوریا کی عارضی حکومت کے ... آزادی کے ...

۱۹۱۹ء کے مفرورنظام میں شامل تھے۔ مگر اسے کوریا کی زیادہ سے زیادہ نمائندہ حکومت بنانے کے لئے ۲۳ء میں دوسری جماعتوں کو بھی مناسب نمائندگی دی گئی۔ خصوصاً کوریائی قومی انقلابی پارٹی کو جس میں کمیونسٹ دہشت پسند اور انارکسٹ بھی شامل ہیں۔ اکتوبر ۱۹۴۳ء میں کوریائی پارٹی کانگریس کی نظر ثانی کی گئی اور اس میں حسب ذیل پارٹیوں کو نمائندگی دی گئی:-

آزاد پارٹی ۳۴، قومی انقلابی پارٹی ۱۲، غیر جانب دار ۵۔

کوریا کی تمام قوم پرور جماعتوں کا متحدہ محاذ قایم کرنے کے لئے یہ عملی اقدام چنگنگ کی سیاسی فضا کے منافی تھا اس لئے کہ کوریائی آزاد پارٹی پر، کومن تانگ کے رجعت پرستوں کا قبضہ تھا اور وہی اس کی مالی امداد کرتے تھے اور وہ ریڈیکل اور کمیونسٹ پارٹی کے اقتدار کو ایک لمحہ کے لئے گوارا کرنے کے لئے تیار نہیں تھے، چنانچہ جب انقلابی پارٹی کے نمائندوں کو جگہ دی گئی تو رجعت پرستوں نے اپنی گرفت کو اور مضبوط کر لیا جس کی وجہ سے مجبور ہو کر بیشتر انقلابی پارٹی کے ممبر چنگنگ سے ینان بھاگ گئے اور کوریا کے ان باشندوں میں جا ملے جو یا تو کوریا سے بھاگ کر آئے تھے یا چین کی جاپانی فوج سے۔

ینان میں ان کوریائی انقلابیوں نے چینی کمیونسٹ اور جاپانیوں کی عوامی آزاد لیگ PEOPLE'S EMANCIPATION LEAGUE کے ساتھ مل کر کام شروع کیا۔ مگر ۱۹۴۲ء کے اوائل میں جاپانیوں کی طرح انہوں نے کوریائی باشندوں کی ایک الگ عوامی آزاد لیگ قایم کی اور مزدوروں اور کسانوں کے لئے اسکول کھولے جاپان کی شکست سے کچھ پہلے انہوں نے دو ہزار ممبروں کے ذریعے شمالی چین کے کوریوں کے اندر بہت وسیع پیمانے پر پروپگنڈے کا کام شروع کیا اور منچوریا اور کوریا کے گوریلا لڑائی لڑنے والوں سے تعلق پیدا کیا ۱۹۴۵ء کے موسم بہار میں کوریائی لیگ نے ایک منشور شایع کیا تھا جس میں اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ تمام ممالک کے کوریائی کسی ایک جمہوری تنظیم کے ماتحت جمع ہو جائیں اور جاپانیوں کے خلاف تمام پارٹیاں متحدہ محاذ قایم کریں۔ منشور میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ لیگ نے ارادہ کر لیا ہے کہ وہ مسلح فوج تیار کر کے متحد اتحادیوں کے ساتھ مل کر لڑے اس لڑائی اور جدوجہد کا مقصد کوریا کی جمہوری حکومت کا قیام ہوگا۔

جاپانیوں نے ۔۔۔ کی تعلیم ۔۔۔ کی گئی اور کہا گیا کہ باشندوں ۔۔۔ کے لئے ۔۔۔ اس ۔۔۔

کوئی چارہ نہیں تھا کہ کوریا کے مقبوضوں سے مدد لی جائے۔ چنانچہ ۱۹۴۱ء کے شروع میں اسکیم کے مطابق کام شروع ہو
دنیا کے مختلف صوبوں سے لوگ کوریا واپس آنے لگے اور خفیہ جد و جہد کو منظم کر کے جاپانیوں کے خلاف متحدہ
محاذ بنانے کی کوشش میں لگ گئے۔ جاپانیوں کی غیر معمولی کوششوں کے باوجود گوریلا دستے جاپانی رسل و رسائل میں
خلل پیدا کرنے اور جنگی صنعتوں کو تباہ و برباد کرنے میں خاصے کامیاب ہو گئے۔ ایک دستہ پندرہ ہزار آدمیوں پر
مشتمل KINJIH-HSING کی سرکردگی میں چین کی آٹھویں روٹ آرمی HINESE EIGHT TH ROUTEARMY. سے جا ملا۔ آزاد لیگ EMANCIPATION LEAGUE کے رہنما
منچوریا کے کوریائی مجاہدوں اور چینی گوریلا دستے سے تال میل پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

کام کی صحیح بنیاد

آزاد لیگ کے بڑھتے ہوئے سیاسی اثر کو دیکھ کر کوریائی آزاد حکومت (چنکنگ) کو اپنا وجود خطرہ میں نظر آیا۔ اس لئے کچھ ممبروں نے کوریائی جمہوری پارٹی کے نام سے ایک نئی
جماعت قائم کی۔ یکم مارچ ۱۹۴۵ء کو اس نئی جماعت کے سیاسی مطمح نظر، طریق کار اور غرض و غایت کا اعلان کیا گیا۔ جس
میں یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ عارضی حکومت کے لیڈر بھی کوریا کی آزادی اور جمہوری حکومت کے قیام کے لئے لڑنے مرنے
کے لئے بے چین اور ہمہ وقت تیار ہیں۔ مینی فسٹو میں اس پر افسوس ظاہر کرتے ہوئے کہ کوریائی رہنماؤں نے آزادی کی تحریک
میں کوئی ٹھوس مدد نہیں دی اور نہ آزاد حکومت کے قیام کے لئے انہوں نے کوئی ٹھوس خاکہ پیش کیا، یہ بھی
لکھا گیا ہے کہ خالی خولی سیاسی طاقت کے حصول میں ہم نے پارٹی بازی، جتھہ بندی، فریب دہی اور مبالغہ آمیز
پروپیگنڈوں میں لگے رہے۔ کریمیا کانفرنس نے پولینڈ اور یوگوسلاویہ کے متعلق جو فیصلے کئے ہیں وہ دوسری دنیا کے
آزاد کرائے ہوئے ملکوں میں جو کچھ ہوگا، اس کی طرف کافی اشارے ہیں۔ کون اس بات کی ضمانت کر سکتا ہے
کہ آج لندن کی پولی حکومت کا جو حشر ہوا، وہی کل چنکنگ کی کوریائی عارضی حکومت کا حشر نہیں ہوگا
ہم نے ٹھوس بنیادوں پر کام کیا اور صحیح جمہوریت قائم کی گئی تو جیسا ہماری [illegible] کا فیصلہ [illegible] نہیں [illegible]
پولی حکومت کا ہوا ہے

عبداللطیف ہاشمی

بنجاروں کی برادری

بنجارے[1] کھتری نسل سے ہیں۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے ہیں۔ یو۔ پی میں اس برادری کے لوگوں کو بنجارا کہتے ہیں۔ پنجاب میں خوجہ۔ لفظ بنجارا ہندو اور مسلمان دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مسلمانوں میں تو ان کی ایک ہی قسم ہے، لیکن ہندوؤں میں ان کی دو تین قسمیں ہیں۔ ایک خانہ بدوش ہیں جو پیلی بھیت کی طرف خانہ بدوشی کی حالت میں پھرتے رہتے ہیں دوسرے ٹانڈے والے ہیں جو ایک جگہ بس جاتے ہیں۔ خانہ بدوش ہندو بنجارے سرکی بند کہلاتے ہیں۔ اپنے تمام گائے بیل اور سامان اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ ان میں سے بعض بہت مالدار لوگ ہیں، لیکن ایک جگہ سکونت اختیار نہیں کرتے۔

تجارت کا دارومدار شاہانِ اسلام کے وقت میں اسی قوم پر تھا۔ ایک ایک بنجارے کی پانچ پانچ چھ چھ ہزار بیلوں کی گونیں لدتی تھیں۔ سہارنپور سے چاول بھرا، مظفر نگر، میرٹھ ہوتے ہوئے دہلی پہنچے۔ وہاں سے چاول کے ساتھ دوسری اجناس لے کر علی گڑھ، آگرہ چلے جاتے تھے آٹھ مہینے باہر رہتے تھے اور چار مہینے برسات کے گھر پر گذارتے تھے۔

کاٹھیاواڑ کے خوجے بھی نسل کے اعتبار سے بنجارے ہی ہیں۔ انہوں نے سود کے لین دین کو جائز قرار دے لیا ہے۔

اس برادری کے لوگ بجنور، مرادآباد، رامپور، بریلی، پیلی بھیت، بدایوں، لاہور، امرتسر قصور، جالندھر، سیالکوٹ، انبالہ میں آباد ہیں۔ ان کے سوا بنجارا قوم سے کوئی ضلع یو۔ پی اور پنجاب کا خالی نہ ہوگا۔ بہار اور بنگال کا علم نہیں ہے۔

شہر سہارنپور میں ان کی تعداد تو سب سے زیادہ ہے [illegible] محلہ جات ان میں ہیں یعنی

---

[1] اس برادری کے بارے میں حالات [illegible] ماہنامہ فیضان القرآن کے

علاوہ محلہ بازداران میں ۵۰، محلہ گنپت سرائے میں ۲۵۔ محلہ شیو پوری منڈی میں ۱۲۔ محلہ سرائے میں ۱۲۵ ہیں۔

شہر کے علاوہ دیہات میں ۱۶ یا ۱۷ بستیاں اور ہیں۔ قصبہ چلکانہ میں ۷۰، قصبہ سرساوا ۱۲، قصبہ رامپور میں ۱۲۵، قصبہ نکڑ میں ۴۰۰، قصبہ گنگوہ میں ۵۰، قصبہ تیتروں میں ۱۵، قصبہ ... میں ۷۰، قصبہ جوالاپور میں ۳۰۰، قصبہ پیران کلیر میں ۲۰، قصبہ بھگوان پور میں ۸۵، قصبہ ... میں ۴۰، قصبہ علوانہ میں ۱۲، قصبہ ہیروڑا میں ۸۰، قصبہ ابیٹری میں ۳۰، قصبہ تلہیڑہ میں ۸۰، ... لکی میں ۴۰، قصبہ بلجورا میں ۸، قصبہ کروندی میں ۱۲۰۔

شہر کے بنجاروں میں اگر شاہی کی سرائے کے ۱۲۵ لوگوں کو مستثنیٰ کر دیا جائے تو باقی برادری کے تقریباً آٹھ سو لوگ ایک زنجیر میں منسلک ہیں۔ یہ آٹھ سو سب کے سب تجارت ... صرف ایک شخص ملازمت کرتا ہے اُسے ہی معیوب سمجھا جاتا ہے۔ تجارت مندرجہ ذیل ... کی ہے:۔ پنسار ہٹہ، غلہ، کپڑا، پیتل تانبا، لاک، موم، گوند، شہتیر (عمارتی لکڑی) کپاس ... (بیل) کی آڑت۔ غلہ میں کچی آڑت کا کام ہوتا ہے۔ ایک دوکان شہر سہارنپور کے سب ... وں میں چاہے وہ ہندو ہوں یا مسلمان فوقیت لئے ہوئے ہے۔ اگر بازار میں دو سو ... کچی آڑت کی ہیں تو ایک چوتھائی کام صرف اس کے ہاتھ میں ہے اور باقی تین چوتھائی کام سو ننانوے بقیہ دُکانوں کے ہاتھ میں ہے۔

پنسار ہٹہ میں بھی ایک دُکان ایسی ہے جو پہلے ہندو مسلمان دونوں میں نمبر ایک کی تھی ... دوسرے نمبر پر ہے، ایک اور مسلمان بھائی اس سے بڑھ گیا ہے۔ پنسار ہٹہ میں ملالو... ... فروشی کی تین دوکانیں ہیں۔ اوّل نمبر کی تو ایک دوسرے مسلمان کی ہے۔ دوسرے نمبر پر ... ادری کے ایک شخص کی اور تیسرے کی حیثیت اس سے کم ہے۔

کپڑے میں بنجارہ برادری کی صرف دو دکانیں ہیں۔ ہندوؤں کے مقابلے میں جنگی ... ایک دکان کی حالت اچھی ہے۔ دوسری اس کے بھائی کی دوکان ہے۔ اس کی حا...

بھی اچھی ہے۔ یہ دونوں دوکانیں حیثیت والی ہیں جائیداد والے اور آبرودار لوگوں کی
پیتل تانبے کی چار پانچ دوکانیں کمرتیک (خوردہ فروشی) کی ہیں لیکن کچھ اچھی حالت پر نہ
لاک کا کام سوائے اس برادری کے شہر میں کوئی دوسرا نہیں کرتا۔ تھوک کام
اور تقریباً سب بنجاروں کے ہاتھ میں ہے۔

موم، گوند کا کام ہندوؤں کے ہاتھ میں ایک آنہ ہے تو اس قوم کے ہاتھ میں پندرہ
آنے ہے۔ اس برادری کے لوگ چونکہ دیہات میں گھومتے رہتے ہیں اس لئے اکٹھا کر لا
—— مونجھ کے بانداور بھابڑ کے باند اور مونجھ اور بھابڑ کی تجارت ہندوؤں کے ہاتھ
میں بنجارہ قوم کے ایک آدمی کے ہاتھ میں تیسرے نمبر پر ہے اس کے علاوہ پانچ سات معمولی
ہیں۔ روئی، کپاس کا کام پہلے تو بمبئی کلکتہ کا کرتے تھے، لیکن اب بہت معمولی پیمانے پر۔
تھوک کام بنجاروں کے ہاتھ میں نہیں ہے۔

فروٹ کمیشن ایجنٹ کی ایک دوکان بنجاروں کی ہے۔ اچھی حیثیت ہے۔ صاحب جا
لوگوں کے ہاتھ میں یہ کام ہے۔

برادری کے سب لوگ تجارت پیشہ ہیں، مزدور پیشہ نہیں ہیں۔ آٹھ دس برس کی عمر کا
بچہ ہو جاتا ہے تو اس کو آٹھ دس روپے کا سودا دے کر کہہ دیا جاتا ہے کہ دیہات میں گھو
اور اپنا کام چلاؤ۔

یہ قوم صرف مذہبی تعلیم کو پسند کرتی ہے اور یہ تعلیم ان میں ہے۔ قرآن شریف، نماز
روزے کے مسائل، معمولی اردو حساب۔ یہ چیزیں پڑھائی جاتی ہیں۔ اپنا حساب کتاب عام
خود ہی کر لیتے ہیں۔ بڑی دوکانوں میں صرف ایک بر ہندو منیم کام کرتے ہیں پنساری کی ا
دوکان پر مسلمان منیم کام کرتے ہیں۔ باقی پنساری اور فروٹ کی دوکانوں پر مالک خود ہی کام
ہیں۔ لڑکیوں کو گھروں میں عورتیں پڑھاتی ہیں یا [illegible] ایک جماعت تعلیم نسواں کے لئے
قائم کر دی گئی ہے۔ سینا پرونا، کھانا پکانا گھر ہی [illegible] تعلیم میں کوئی حصہ نہیں

ِت دو تین افراد ایسے ہیں جو انگریزی پڑھے ہوئے ہیں۔ ایک انٹرنس فیل اور دو نے پرائیویٹ
ریزی پڑھی ہے۔ ایک انٹرنس پاس ہیں۔ لیکن ان کا دماغ صحیح نہیں ہے۔

تندرستی کی عام حالت مردوں عورتوں کی اچھی ہے۔

برادری کی نئی نسل میں بعض بری عادتیں پائی جاتی ہیں۔ ۱۷ اور ۲۷ برس کے نوجوانوں میں
لوگوں کو شراب، جوئے کی لت ہے، اور دو چار چوری میں بھی ہیں۔

سوائے محلہ سرائے شاہ جی کے باقی تمام آٹھ سو لوگوں کا ایک ہی بندھن ہے اور صرف
بر کے لوگوں میں آپس میں شادی بیاہ ہوتا ہے۔ محلہ شاہ جی کی سرائے کے لوگ قصبات کے
ساتھ وابستہ ہیں۔

برادری کی پنچایت ہے۔ اس کے فیصلے سب تسلیم کرتے ہیں۔ اب دیانت اور حیا شرم اٹھ
نے کی وجہ سے اثرات کم ہوتے جا رہے ہیں۔ معاملات کے فیصلے کے تین طریقے ہوتے ہیں۔
ریعت، پنچایت اور قانون۔ ان میں سے لوگ جسے اپنے مفید مطلب دیکھتے ہیں اس کی طرف
ع کرنے لگتے ہیں۔ برادری میں شادی بیاہ کھانے پینے کے بندھن ابھی تک قایم ہیں اس لئے
دری کا انتظام قایم ہے، لیکن پہلے کے مقابلے میں سربرآوردہ لوگوں کے اثرات کم ہو گئے
ں۔ برادری کے چودھری اب بھی ہیں۔ تمام محلوں کی منظوری سے چودھری منتخب کئے جاتے
ں۔ آجکل محمد اسمعیل صاحب چودھری ہیں۔ ان کے نیچے چار پانچ جکڑات یعنی نائب چودھری ہیں۔

برادری کے ممتاز لوگ حسب ذیل ہیں:۔

(۱) حافظ مختار احمد و شریف احمد:۔ غلے کی کچی آڑت کا کام کرتے ہیں۔ اب ان کا کام
ِت گاسے بیل کی دم کے بال اور گھوڑے کے بال کا ہے، اور جائداد کی آمدنی ہے۔ یہ
تی طور پر جائداد کے پیدا کرنے والوں میں ہیں اور اچھے پیمانے پر جائداد پیدا کی ہے۔

(۲) حافظ قاضی مختار احمد شیر کا اور غلے کی کچی آڑت کا کام کرتے ہیں۔

(۳) محمد اسمعیل صاحب۔ ... کی تجارت کے ذریعے بڑھے ہیں۔

(۴) حاجی محمد اسحٰق صاحب کپڑے کی تجارت میں ہیں۔

(۵) محمد یامین محمد یعقوب۔ فروٹ مرچنٹس ہیں، اور غلہ کی آڑت بھی ہے۔

(۶) عبدالرحیم صاحب مدرسہ فیضان القرآن قایم کیا۔ وقف کی جو ایک جائداد موجود تھی ا
اجراء ۱۹۳۰ء سے دوبارہ ہوگیا ہے۔ فی الحال اس مدرسہ کا سو روپئے ماہوار کا خرچ ہے سا
ذریعہ آمدنی صرف محلے کے لوگ تھے۔ اب انہی کے ذریعے سے کچھ اور آمدنی کا سلسلہ ہوگیا۔
طلباء کی تعداد ۱۴۰ ہے۔ چار معلم ایک معلمہ ہے۔ بیس ہشت طلباء کے لئے ایک دارالاقامہ بھی۔
عمارت زیر تعمیر ہے جس میں مکمل ہونے کے بعد سو طلباء کے لئے جگہ نکل آئے گی۔ عبدالرحیم صا
قوم کے بہت ہمدرد ہیں۔ اس تحقیقات کے کام میں انہوں نے بہت مدد فرمائی۔

برادری کے لوگوں کی حیثیت کے بارے میں ان سے دریافت کیا گیا، لیکن انہوں نے
اس ڈر سے کہ کہیں اس سے برادری کے لوگوں کو نقصان نہ پہنچے اس کا جواب دینا مناسب

برادری کا سرمایہ نہ صحرائی جائداد میں ہے نہ فیکٹری اور نہ کارخانہ میں۔ صرف سکنائی جائد
اور کاروبار میں روپیہ لگا ہوا ہے۔ سود نہ لیا جاتا ہے نہ دیا جاتا ہے۔ یہ شکل تو ہو جاتی ہے
جب دہلی، کلکتہ، بمبئی، کراچی میں سودا خریدا جاتا ہے اور روپیہ چونکہ نقد باندھ کر نہیں لے جا
جاتا۔ اس لئے دس پانچ دن کے لئے بیوپاری لائن کا سود لگ جاتا ہے۔ یہ سود پونے آٹھ آ
سینکڑہ پر لگتا ہے لیکن حساب کے موقع پر گھٹ کر ۴ فی صدی ہو جاتا ہے۔

زکوٰۃ مستقل طور پر مکمل حساب کے ساتھ ادا کی جاتی ہے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بھی دیتا
خیرات کا کوئی معیار نہیں، حسب توفیق دی جاتی ہے۔

زیورات کی طرف بھی رجحان ہے۔ اچھے گھروں میں کھانے پر بھی اچھا خرچ رہتا ہے
ورنہ معمولی خرچ اخراجات ہیں۔ سیر تفریح کا رجحان آٹھ سے ستائیس کی عمر کے لوگوں میں ہے
وغیرہ جاتے ہیں۔ نیا آدمی کوئی نہیں جاتا۔ محلہ تجاران میں صرف دو مسجدیں ہیں۔ ان کے مؤذ
اور اماموں کا کھانا قوم کے افراد دیتے ہیں اور تنخواہ وقف کی آمدنی سے دی جاتی ہے۔ یہ دو

مسجدیں قوم کی تعمیر کی ہوئی ہیں اور ان کے لئے جائداد وقف کر دی گئی ہے۔ پیر پرستی نہیں ہے اسے معیوب سمجھا جاتا ہے۔ ان لوگوں کے دلوں میں علماء کا احترام کافی ہے۔

جنگ کی وجہ سے جیسی جس کی حیثیت ہے ویسی اُس کی آمدنی میں ترقی ہوگئی ہے، جو مزدور پیشہ ہیں ان کی آمدنی بھی اچھی ہوگئی ہے لیکن جنگ سے پہلے برادری کی اقلیت کی حالت تو اچھی تھی۔ اکثریت کی خراب تھی، اس زبوں حالی کا سبب یہ تھا کہ کاروبار کم چلتے تھے اور آمدنیاں اسی نسبت سے کم تھیں۔

برادری کے خرچ کا معیار بندشوں میں جکڑا ہوا ہے جس وقت سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ بچہ پیدا ہوگا اسی وقت سے اخراجات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور جب تک بچہ کی شادی نہ ہو ہزار آٹھ سو کے قریب اس پر قبل از شادی خرچ ہو جاتا ہے۔ آگے شادی میں ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرتا ہے۔ چھوٹے سے بڑے تک سب اس کے یہاں مدعو ہوتے ہیں۔ مرد اس کے مکان پر دعوت کھانے جاتے ہیں۔ عورتوں اور بچوں کے لئے گھر پر کھانا بھیجا جاتا ہے۔ برادری کی اکثریت ایک کھانا دیتی ہے۔ کوئی صرف پلاؤ کر دیتا ہے کوئی دال چاول کر دیتا ہے کوئی زردہ پلاؤ کرتا ہے، ان سب کا شمار ایک روٹی میں ہے۔ اپنی حیثیت کے مطابق کوئی شکر بورا، کوئی صرف مٹھائی بھی کر دیتا ہے۔ ایک روٹی بیٹی والے کو دینی پڑتی ہے اور ایک روٹی بیٹے والے کو۔ رسم ختنہ کے موقع پر بھی برادری کو ایک روٹی دی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اور رسومات بھی بہت بڑھی ہوئی ہیں۔ ان کے اذالہ کی عبدالرحیم صاحب نے کوشش بھی کی لیکن اس میں انھیں کامیابی نہیں ہوئی۔ رسوم کے پورا کرنے کے سلسلے میں قرض لینے کی نوبت نہیں آتی۔ چونکہ یہ برادری کے لوگ [illegible] دیہاتوں میں [illegible] میں جا کر بھی برادری کے لوگوں کا مال فروخت کرتے ہیں اور ان کے لئے سود [illegible] کے موجود ہوتے ہیں۔ سود [illegible] مال والا کا دینا [illegible] اس طرح [illegible] جاتا ہے اسی طرح جو روپیہ مال والے کا [illegible] سود قطعی نہیں لیا جاتا۔

محلہ بنجاران میں دو خاندان آباد ہیں شہر کے دوسرے محلوں میں بھی لوگ
گئے ہیں۔ واہ آٹھ سو آدمی کی یہ برادری ایک دوسرے کی رشتہ دار ہے۔ رشتے
شکل جہ سے نسبت میں کمی ہو سکتی ہے لیکن یہ سب ایک دوسرے [illegible]

بنجاروں کو ہندوؤں سے مقابلہ کرنے میں کبھی کوئی دشواری نہیں ہوا
صاحب نے جب متل تانبے کے برتنوں کی دوکان کھولی تو ان کا بیان ہے کہ
جیسے ہی ہندوؤں نے ان سے مقابلہ کیا لیکن بعد کو انہیں نیچا دکھایا اور پنچایت
انہیں سے ہوا ہے۔

اسی طرح غلے کے کام میں بھی ابتدا میں مقابلہ رہا لیکن آخر میں شکست
عبدالرحیم صاحب کے قول کے مطابق کامیابی کا راز ہے مستقل مزاجی اور
سے واقفیت۔ مال کی فراہمی میں بنئے خود بنجارا قوم کے محتاج ہیں۔ بنجارا قوم اس
ہے۔ چنانچہ میں بھی بنجارا قوم ان کی محتاج نہیں ہے۔

پینٹھ میں نمک مرچ بیچنے کے لئے بنجارا قوم دیہات دیہات گھومتی ہے۔
سب سے واقفیت رکھتی ہے۔ ہفتہ وار پینٹھ ہوتی ہے اور یہ لوگ ان میں جا
ان سے خوب واقف ہیں اور تعلقات ہیں، اس لئے نقصان کا کوئی اندیشہ نہ
ایک بیل کی مخصوص وضع کی گاڑی میں گھومتے پھرتے ہیں۔

غلہ، گڑ، شکر، کپاس وغیرہ کو بھی دیہات سے لانے کا انتظام کرتے
ہیں بھی اور کرایہ کی بھی۔

اس قوم کی دو مسجدیں ہیں [illegible] ان کی [illegible]
مدرسہ فیضان القرآن احاطہ پیر غلام مصطفے صاحب میں واقع ہے اور اس کے
کفیل بنجارہ برادری ہے۔ مدرسہ خوب ترقی پر ہے۔ [illegible]
کی تجویز ہے۔

محلہ شاہی کی کسرائے کے تجارت سے دوسرے قصبات کے ساتھ وابستگی تھی میں روزگار کے لحاظ سے چار قسم کے لوگ ملتے ہیں۔ تجارت پیشہ، زراعت پیشہ، مزدور پیشہ اور زمیندار۔

تجارت پیشہ غلہ، پنساری، اور تیل جانے کی تجارت تک محدود ہیں، بعض کپڑا بھی فروخت کرتے ہیں۔ زراعت پیشہ لوگوں کے پاس صحرائی جائدادیں بھی ہیں اور صاحب حیثیت لوگ بھی ہیں۔

پچاس سال پہلے محلہ بنجاران کے لوگوں میں اور دیہات کے لوگوں میں شادی بیاہ کے سلسلے میں لین دین ہوتا تھا لیکن اب نہیں ہوتا۔ دس بارہ سال پہلے یہاں لڑکے زیادہ ہو گئے تھے اور لڑکیاں کم اس وقت یہ کوشش کی گئی تھی کہ لین دین شروع ہو جائے لیکن شہر و دیہات کے فرق کی وجہ سے سخت پردے کی پابندی اور معاشرت کے فرق کی وجہ سے یہ کام آگے نہیں بڑھ سکا۔

رفتارِ عالم

مانچوریا، انڈونیشیا اور ایران کئی مہینے سے مدبروں کی توجہ کا مرکز بنے ہوئے ہیں لیکن اب تک مسائل کو سلجھانے اور دشواریوں کو رفع کرنے کی کوئی یقینی صورت پیدا نہیں ہوئی ہے سب سے زیادہ عجیب حالت چین کی ہے۔ جاپان کی شکست کے بعد اندیشہ تھا کہ چینیوں میں خانہ جنگی شروع ہو جا[ئے] مگر روس نے چینی کمیونسٹوں کا سرپرست بن سکتا تھا، کیومن تانگ یعنی قومی حکومت سے دوستانہ م[عاہدہ] کر لیا اور پھر متحدہ ریاستوں کی حکومت نے جنرل مارشل کو بھیج کر کمیونسٹ پارٹی اور کیومن تانگ میں صلح کرا دی لیک[ن] اس کے باوجود کمیونسٹوں اور قومی حکومت کی فوجوں کے درمیان لڑائیوں کی خبریں آتی رہیں۔ کبھی وسطی [چین] میں کبھی شانگ ہائی کے آس پاس، کبھی شانگ تنگ میں۔ اب مانچوریا اس کشمکش کا میدان ہے جو صلح کے [بعد] پیدا ہوئی۔ یہاں جھگڑے ہیں [illegible] روس شریک ہیں انہوں نے آخر وقت میں جاپان کے خلاف اعلان جنگ کسی سمجھوتے کی بنا پر کیا تھا جس کی پوری تفصیل معلوم نہیں ہے لیکن انھیں دنوں میں جب کہ جاپان کے [شہر] ہیروشیما پر پہلا ایٹم بم گرایا گیا ایک امریکی فوج مانچوریا کے ساحل پر اتری، اور اس سے روسیوں کو خیا[ل] ہوا کہ متحدہ ریاستوں نے ان کے ساتھ جو سمجھوتہ کیا ہے اس کی پابندی نہیں کی جائے گی چین کی قو[می] حکومت مانچوریا کو اپنے وطن کا ایک حصہ مانتی ہے اور اس سے کسی طرح دست بردار ہونے پر راضی نہیں۔ مگر اس کے پاس اتنی فوج نہیں تھی کہ جاپانیوں سے ان کے ہتھیار وصول کرتی، اس وجہ سے متحدہ ریاستوں نے اس کی آدمیوں اور سامان سے مدد کی۔ روسیوں کو جیسے ہی اس کا علم ہوا انھوں نے اپ[نا] رویہ بدل دیا، پہلے انھوں نے مطالبہ کیا کہ مانچوریا میں جو بھاری جنگی اور صنعتی سامان ہے وہ ان[کو] دیدیا جائے، اور ایک روایت ہے کہ وہ کئی کارخانوں کی مشینیں وغیرہ اٹھا بھی لے گئے۔ پھر انہوں نے عذر کیا کہ وہ اپنی فوجیں مانچوریا سے ہٹا نہیں سکتے اس لئے کہ سپاہیوں کو لے جانے کا انتظام نہیں کیا [illegible]

اس کے بعد انہوں نے مکڈن اور چند اور بڑے شہروں سے فوج کو ہٹا کر ایسے مقاموں پر جمع کر لیا جہاں سے وہ پورے منچوریا کو قابو میں رکھ سکتے تھے۔ اب شاید وہ ملک کو چھوڑ رہے ہیں، مگر اس کا مطلب یہ بھی حاصل ہو گیا ہے، کیونکہ اب کومیونسٹ فوجیں کافی تعداد میں پہنچ گئی ہیں، اور اس کی تدبیر کی جا سکتی ہے کہ منچوریا قومی حکومت کے حوالے نہ کیا جائے بلکہ کومیونسٹوں کے۔ غالباً اب اس ملک کی وہ صنعتی اہمیت بھی نہیں رہی ہے جو جنگ کے زمانے میں تھی، اور اگر کومیونسٹ اس پر قبضہ نہ رکھ سکے تب بھی وہ اپنی موجودہ حالت میں رہتے ہوئے کسی جنگ کے لئے صنعتی مرکز کا کام نہ دے سکے گا۔ اگر متحدہ ریاستوں نے قومی حکومت کو مدد دے کر اسے پھر ایک صنعتی مرکز بنانے کی کوشش کی تو روسی فوراً سمجھ جائیں گے کہ ہوا کا رخ کس طرف ہے۔ متحدہ ریاستوں کی حکومت نے اپنے نزدیک روس سے طے کر لیا تھا کہ چین اس کے حلقے میں شامل ہوگا، اور اب روس کا رویہ اسے صریحی وعدہ خلافی اور دغا بازی کا نمونہ معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ چین پر کسی قسم کا قدرتی یا اخلاقی حق متحدہ ریاستوں کو بھی نہیں ہے اور روس سے معاملہ صرف سامراجی کاروبار کے سلسلے میں کیا گیا تھا اس لئے روس کے طرزِ عمل پر متحدہ ریاستوں کی حکومت کو اور بھی غصہ آ رہا ہے۔ اسی وجہ سے مجلس تحفظ کے اجلاس میں جو اس وقت ہو رہا ہے روس سے ایران کے معاملے میں باز پرس برطانیہ نہیں کر رہا ہے بلکہ متحدہ ریاستوں کے نمائندے۔ معلوم ہوتا ہے روسی اب تک سامراجی کاروبار کے نکتوں کو نہیں سمجھتے۔ ان کے ساتھ سنہ ۱۹۱۷ء کے بعد سے جو برتاؤ کیا گیا وہ انہیں اچھی طرح یاد ہے اور ان کے دل سے یہ اندیشہ دور نہیں کیا جا سکتا کہ سرمایہ دار قومیں موقع پاتے ہی اس اشتراکی نظام کو درہم برہم کرنا چاہیں گی جو روس نے قائم کیا ہے۔ متحدہ ریاستیں چین کو تجارتی فائدے کی خاطر اپنے اثر میں رکھنا چاہتی ہیں، لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ شمالی چین روس کے خلاف جنگ کا محاذ نہ بنایا جائے گا۔ اس کا ثبوت دیا بھی جائے تو کیسے؟ روسیوں کو سمجھ لینا چاہئے کہ ایسا ہرگز نہ ہوگا، خصوصاً جب متحدہ ریاستوں کی حکومت بار بار اس کا اعلان کر چکی ہے کہ وہ روس کے ساتھ دوستانہ تعلق رکھنا چاہتی ہے، اور متحدہ قوموں کا ایک ایسا نظام قائم کیا جا چکا ہے جو جنگ کا سدِّباب کر سکتا ہے۔ لیکن روسی دیکھتے ہیں کہ ابھی تک ساری دنیا میں سامراجیت کی اغراض کا غلبہ ہے، اور ان سے دوستی کرنے کی خواہش ظاہر کرنے کے ساتھ برطانیہ اور متحدہ ریاستیں ان کا تعاقب

بھی کر لی تھی، یوں ابھی ایک طویل جنگ ختم ہوئی ہے، لوگ لڑتے لڑتے عاجز آ گئے ہیں لیکن روسی سوچتے ہوں گے کہ جب برطانیہ متحدہ امریکہ یا چین خواہ ستالین کی توجہ کا انداز بدل جائے گا اور جنگ کی دھمکیاں دی جانے لگیں گی، پھر وہ کیسے سمجھ لیں کہ اس وقت کی دوستی ہمیشہ قائم رہے گی اور روسی سرحدوں کی مورچہ بندی کرنے کی ضرورت نہیں۔

روسی مدبروں کی مزاجی کیفیت اس بات سے کچھ اور بگڑ ہی جائے گی کہ ایران میں روسی سیاست کامیاب نہیں ہوئی ہے۔ شاید روسیوں کا اصل مطالبہ صرف یہ تھا کہ انھیں شمالی ایران میں تیل نکالنے کا اجارہ ملے اور وہ اس کی تدبیر بھی کرنا چاہتے تھے کہ ایران کی حکومت جس کی کمزوری کا سب کو علم ہے، آلۂ کار بنے تو ان کا بنے، کسی اور کا نہ بنے، اسی وجہ سے انہوں نے آذربائجان میں آزادی کی تحریک کو سہارا دیا۔ مگر وہ سامراجی سیاست کے فن سے ناواقف ہیں، جو کام انھیں ایران کے دوست اور سرپرست بن کر نکالنا چاہئے تھا اسے انھوں نے اپنے حق کا مطالبہ بنا لیا، ہر طرح سے ظاہر کیا کہ وہ زبردست ہیں، معاہدے کی صریحی خلاف ورزی کی اور گفتگو اس انداز سے کرتے رہے کہ گویا انھیں کسی کی رضامندی اور خوشنودی کی پروا نہیں۔ چاہے وہ ایرانی ہو یا برطانیہ۔ اسی وجہ سے ان کی ہر قدم پر گرفت کی گئی، اور وہ اس پر مجبور ہو گئے کہ یا تو اپنے منصوبے کو ترک کر دیں یا متحدہ اقوام کی ٹکر لیں۔ مجلس تحفظ میں روس کے نمائندے موسیو گرومیکو اصرار کرتے رہے کہ ایران کے مسئلے پر بحث ملتوی کی جائے اور جب بحث کو ملتوی کرنے کی کوئی امید نہیں رہی تو وہ باضابطہ طریقہ پر اجلاس کو چھوڑ کر چلے گئے۔ آخری خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ مجلس تحفظ روسی نمائندے کی عدم موجودگی میں بھی ایران کے معاملے پر غور کر کے کوئی فیصلہ کرے گی، اور ممکن ہے کہ یہ بہت ہی نازک سوال پیدا ہو کہ فیصلے کو نافذ کیسے کیا جائے لیکن دوسری طرف روسی شمالی ایران کو خالی کر رہے ہیں، ایرانی حکومت کو انھوں نے اپنے اس ارادے کی اطلاع دے دی ہے، اور ساتھ ہی اس کی کوشش کر رہے ہیں کہ ایرانی حکومت سے حسب منشا سمجھوتہ ہو جائے قبل اس کے کہ آخری روسی فوجیں ایران چھوڑیں اور مجلس تحفظ اپنے لئے عمل کی کوئی راہ نکال سکے۔ ایرانیوں کو اب تک گفتگو کرنے میں عذر رہا تھا کہ روسی فوج ایران میں موجود ہے، روسیوں نے ایک عرصے تک ان کی شکایت کا خیال نہیں کیا اور

اب ایرانی اسے جرأت نہیں بلکہ مصلحت اور دانشمندی قرار دیں اور عدالت سمجھیں گے کہ روسی فوج ہٹالی گئی ہے مگر ایرانیوں کو معلوم ہو کہ برطانیہ اور متحدہ ریاستیں کس حد تک ان کی حمایت کریں گی تب ہی ان کے لئے روس کی عداوت سے بچنا ضروری ہوگا اس لئے کہ ایران جیسا کمزور ملک کسی طاقتور پڑوسی کی عداوت برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ ایرانیوں کو بہرحال معلوم ہے کہ برطانیہ اور متحدہ ریاستیں تیل کے متعلق ان سے کوئی معاملہ طے کرنا چاہتی ہیں، اور انھیں یہ معاملہ کرنا ہی ہوگا۔

انڈونیشیا میں ڈچ، برطانوی اور قومی نمائندوں کے درمیان گفتگو جاری ہے لیکن یہ صرف قیاس ہی کیا جا سکتا ہے کہ بحث کن مسائل پر ہو رہی ہے۔ برطانیہ نے انڈونیشیا میں جو رویہ اختیار کیا اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ڈچ حکومت کو فوجیں تیار کر کے جاوا اور اس کے پاس دوسرے جزیروں میں بھیجنے کا موقع مل گیا۔ اور قومی لیڈروں نے ڈچ حکومت کی تجویزوں کو منظور نہ کیا تو پھر یہ فوجیں ہالینڈ کا تسلط قایم کرنے کی کوشش کریں گی۔ شروع میں قومی تحریک پر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ اس نے جاپانیوں سے مدد حاصل کی ہے۔ پھر وہ اس الزام سے بری کر دی گئی ہے۔ اب یہ خبریں پھر آنے لگی ہیں کہ قریب بیس ہزار جاپانی سپاہی جنہوں نے ہتھیار نہیں ڈالے ہیں وسطِ جاوا کے جنگلوں میں چھپے ہوئے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ انڈونیشیا کے قوم پرستوں کا ساتھ دے رہے ہیں، اور قوم پرستوں سے لڑنا اتنا ہی ضروری اور ثواب کا کام ہے جتنا کہ جاپانیوں کے خلاف لڑنا۔ جاوا میں کہیں نہ کہیں قوم پرستوں کی برطانوی یا ڈچ فوج سے جھڑپ ہوتی رہتی ہے، اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈچ حکومت جاوا میں آہستہ آہستہ اپنے قدم جما رہی ہے۔ حال ہیں ڈاکٹر سوکارنو کے خلاف ایک سازش بھی ہوئی، مگر وہ ناکامیاب رہی اور اس کے علاوہ قوم پرستوں میں اور کسی بڑے اختلاف کی خبر نہیں آئی ہے۔ برطانیہ نے جو کچھ کیا ہے اور ڈچ حکومت جو کچھ کر سکتی ہے اس کے باوجود انڈونیشیا کی قومی تحریک اپنا مقصد حاصل کرے گی، اگر قوم میں اتحاد قایم رہا۔

امریکہ کے ایک مشہور رسالے "لائف" میں ان مناظر کی خیالی تصویریں دی گئی ہیں جو آئندہ جنگ میں دیکھنے میں آئیں گی۔ تصویروں کے ساتھ یہ بیان کیا گیا ہے کہ جنگ کے نئے آلات اور نئے طریقے ہو گئے ہیں اور ان کی مشق کی جاتی رہی تو اگلی جنگ میں جو قوم متحدہ ریاستوں پر اچانک حملہ کرے گی

وہ ملک کے تمام بڑے شہروں کو برباد اور آبادی کے تقریباً چوتھے حصے کو ہلاک کر دے گی، مگر اس کے بعد جب مقابلہ شروع ہوگا تو متحدہ ریاستیں دشمن کو کہیں زیادہ نقصان پہنچا کر جنگ میں کامیاب ہو جائیں گی۔ یہ مضمون بظاہر محض شاعرانہ بلکہ تفریحی معلوم ہوتا ہے مگر اس کی اشاعت میں اور مقاصد بھی ہیں۔ متحدہ ریاستوں میں بہت سے بااثر لوگ ہیں جو روس اور متحدہ ریاستوں کی جنگ کو صرف ایک امکانی حادثہ نہیں سمجھتے بلکہ اپنی قوم کو اس کے لئے تیار کرنا چاہتے ہیں۔ پہلے یہ کہا جا سکتا تھا کہ جب لڑائی ہوگی جب دیکھا جائے گا۔ اب اس طرح کا اطمینان مہلک ثابت ہو سکتا ہے۔ ایٹم بم بنانے کا طریقہ ابھی متحدہ ریاستوں کے باہر کسی کو معلوم نہیں ہے اور اس بنا پر امید کی جا سکتی ہے کہ کسی قوم کو متحدہ ریاستوں کے خلاف لڑنے کی ہمت نہ ہوگی لیکن اسی وجہ سے روسیوں کو یقین ہو گیا ہے کہ ایٹم بم انھیں دھمکانے اور قابو میں رکھنے کا ایک ذریعہ بنایا گیا ہے، اور انھیں متحدہ ریاستوں اور برطانیہ کی دوستی پر اعتبار نہیں رہا ہے۔ عام طور پر ہر حکومت کا ایک خفیہ اطلاعات کا محکمہ ہوتا ہے جو دوسرے ملکوں کی ان تمام باتوں کا پتہ چلاتا ہے جنھیں صیغۂ راز میں رکھنا سیاست یا جنگ میں مفید ہوتا ہے۔ روسیوں کو ایٹم بم بنانے کا طریقہ نہیں بتایا گیا تو انہوں نے جاسوسوں کے ذریعے اسے معلوم کرنے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں کینیڈا کی پولیس نے کئی آدمیوں کو گرفتار کیا ہے جنھوں نے راز کی باتیں روسی حکومت کو بتلائیں، اور اس کی وجہ سے روسیوں کی بڑی بدنامی ہوئی، اگرچہ روسیوں نے کوئی ایسی بات نہیں کی جو دوسرے نہیں کرتے ہیں۔ برطانیہ اور متحدہ ریاستوں میں روس کے مداح اب بھی بہت ہیں اور جرمنی کو شکست دینے میں روسیوں نے جو مدد کی اس کا احسان بھی مانا جاتا ہے لیکن اب دل صاف نہیں رہے ہیں اور بدگمانی اسی رفتار سے بڑھتی رہی جیسے کہ پچھلے چند مہینوں میں تو روس کا لحاظ کرنے کا جو رہا سہا میلان ہے وہ بھی جاتا رہے گا۔

امتحان کے بعد

زندگی میں کوئی ہلچل نہیں باقی اے دوست!
جیسے رُک جائے سمندر کوئی طوفان کے بعد

ہر قدم پر تھی تمناؤں کی دُنیا آباد
حوصلے آ کے مچلتے تھے ہمارے دل میں
دوڑ جاتی تھی پہنچنے کی خوشی کے ہمراہ
زندگی ولولہ آگیں تھی رہِ منزل میں

اب کوئی جوش نہیں کوئی حرارت ہی نہیں
یہ سکوں ہے کہ مری زیست کی بے کیفی ہے
لطف جو جد و جہد میں تھا کہاں ہے باقی؟
راحتیں کیا ملیں بے جان مری ہستی ہے

خلیل الرحمٰن اعظمی

ایسٹرن فیڈرل یونین انشورنس کمپنی لمیٹڈ

ہندوستان میں قائم شدہ

صدر دفتر ۹ کلایو اسٹریٹ۔ کلکتہ

سرپرست

عالی جناب ہز ہائنس نواب صاحب بھوپال — عالی جناب ہز ہائنس آغا خان صاحب

مجوزہ سرمایہ	۶۰ لاکھ روپئے	۶۰۰۰۰۰۰
جاری شدہ سرمایہ	۲۵ ″ ۲۴ ہزار ۶۰	۲۵۲۴۰۶۰
ادا شدہ سرمایہ	۱۲ ″ ۵۰ ہزار	۱۲۵۰۰۰۰

اپنے بیمے کے کاموں میں ہم سے مشورہ کیجئے۔ ایسٹرن فیڈرل آگ، زندگی، رسل ور موٹر، ہوائی جہاز کے خطرات، مزدوروں کا مالی معاوضہ، ضمانت اور عام حادثات کے ہر قسم

بیمے کا کام کرتی ہے

ہندوستان کے مشہور شہروں میں ایجنسیاں ہیں

اور

ہمارے نمائندے دنیا کے ہر ملک میں ہیں

مندرجہ ذیل شہروں میں ہماری کمپنی کی شاخیں قائم ہیں

لندن، لاہور، بمبئی، حیدرآباد دکن، احمد آباد، کانپور، پ

راجکوٹ، کراچی، سیلون اور فلسطین

دی مغل لائن لمیٹڈ

جنگ کے زمانے

عدن، جدہ، پورٹ سوڈان

مصر اور ماریشس

جانے والے ہمارے مسافر اور مال کے جہازوں کی آمد و رفت
ناگزیر حالات کی وجہ سے بے قاعدہ رہی۔

قیام امن کے بعد

ہمیں امید ہے کہ حالات عنقریب پہلے کی طرح ہو جائیں گے
اور بندرگاہوں کو سفر کرنے والوں اور مال بھیجنے والوں کے لئے
انشاءاللہ بہت جلد ہمارے جہازات پھر اسی مستعدی اور باقاعدگی
سے آنے جانے لگیں گے۔

دریافت طلب امور کے لئے

ٹرنر ماریسن اینڈ کمپنی لمیٹڈ

۱۶- بنک اسٹریٹ

بادشاہ

اٹلی کے مشہور سیاسی مفکر نکولو میکیاولی کی شہرۂ آفاق تصنیف پرنس کا اردو ترجمہ از بزبان ڈاکٹر محمود حسین خاں ایم۔ اے پی، ایچ، ڈی میکیاولی نے سیاسی اخلاق کا ایک نیا مجموعہ تیار کیا تھا جس کی بنیاد سیاسی مصلحت پر رکھی تھی۔ میکیاولی نے اس نئے اخلاق کے اصولوں کو ایک مستقل نظام میں منسلک کرنے کی کوشش کی؛ جہاں ریاست کی زندگی اور موت کا سوال ہو، اور عام اخلاقی اصولوں کو بالائے طاق رکھنے سے کام نکل سکتا ہو تو اس کے خیال میں اسے اختیار کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ یہی ایک اصول ہے جس کی پابندی فرض ہے۔

قیمت ۸؍

جامعہ

زیرِ ادارت:- پروفیسر محمد عاقل ایم اے

لد ۴۱ نمبر ۵ | بابت ماہ مئی ۱۹۴۶ء | سالانہ چندہ صر
فی پرچہ ۸ر

فہرستِ مضامین

اگر آپ

ہندوستان کی بہترین اُردو کتابوں کا مطالعہ
کرنا چاہتے ہوں تو مکتبہ جامعہ کی شائع کی
ہوئی فہرستیں اور اردو اکادمی
کے قواعد و ضوابط طلب

فرمائیے

مکتبہ جامعہ دہلی

پندرھویں صدی کا ایک بدنام سیاسی مفکر

نکولو میکیاویلی اب سے کوئی پانچ سو برس پہلے ۳ مئی ۱۴۶۹ء کو اطالیہ کے مشہور شہر فلورنس میں پیدا ہوا۔ اس کے باپ کا نام برنارڈو دی نکولو میکیاویلی تھا۔ باپ خاصا کامیاب وکیل تھا۔ بہت دولت مند نہ سہی عالی خاندان تھا۔ نکولو کی ماں بھی اشریف گھرانے سے تھی۔ نکولو اپنے ماں باپ کا منجھلا بیٹا تھا۔

میکیاویلی کے بچپن کے بارے میں معلومات بہت محدود ہیں۔ مگر یہ بات بالکل واضح ہے کہ ریاست فلورنس کا وہ عروج کا زمانہ تھا لورنزو جب برسر اقتدار تھا۔ اس کی حکومت کے زمانے میں فلورنس کی شہرت کو چار چاند لگے۔ میکیاولی نے تاریخ فلورنس میں ان نوجوانوں کا نقشہ کچھ اچھے الفاظ میں نہیں کھینچا ہے جو عالم نوجوانی میں اس کے ہم مشرب اور لنگوٹیا یار تھے۔

میکیاویلی کی عملی زندگی خاندان میدیچی کی حکومت کے خاتمہ کے بعد شروع ہوتی ہے۔ [illegible] میں میدیچی حکومت ختم ہوئی اور فلورنس میں جمہوری نظام قائم ہوا۔ یہ جمہوری دور [illegible] رہا۔ [illegible] میکیاویلی کو سرکاری ملازمت ملی۔ کچھ دنوں [illegible] سے [illegible] میں مجلس دہ [illegible] (جس کے ذمہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

۱۵۰۰ء میں اس نے فرانس کا سفر اختیار کیا۔ لوئیز دوازدہم سے پیسا کے خلاف جنگ جا
رکھنے کا فیصلہ حاصل کرنا مقصود تھا۔ اس بادشاہ کا ذکر میکیاویلی کی کتاب "بادشاہ" میں کئی جگہ
۱۵۰۲ء میں میکیاویلی سیزر بورژیا کے پاس بھیجا گیا۔ میکیاویلی کی سیاسی زندگی میں پاپا سکند
اور اس کے بیٹے سیزر بورژیا کو ایک طرح کی مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ ۱۵۰۲ء میں جب میکیاوی
کے پاس سفارت لے کر گیا ہے۔ اس وقت وہ فرانسیسی اور پاپائی فوجوں کی مدد سے روما
سرحدی علاقوں کو اپنے ماتحت لاکر متحد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسی زمانے کا واقعہ
جسے میکیاویلی کا چشم دید واقعہ کہنا بے جا نہ ہوگا، کہ جب کرائے کی فوجو
چار سردار بورژیا کا ساتھ چھوڑ گئے تو بورژیا نے جھوٹے سچے وعدے کر کے انھیں اپنے پا
بلایا اور جب وہ اس کے چنگل میں آ گئے تو انھیں ہڑپ کر گیا۔ بہرحال میکیاویلی پر بورژیا کی شخصیت
اثر ہوا اور "بادشاہ" میں اس نے غالباً بورژیا ہی کو نمونہ کے طور پر سامنے رکھا ہے مگر اس
مطلب نہیں کہ میکیاویلی اس کے ہر فعل کو سراہتا ہے یا اس کی ہر ادا کا دلدادہ ہے۔ "بادشاہ" میں
کو اس شخص کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے جس کا عروج اور زوال دوسروں کے عروج و زوال
وابستہ ہو، جس کا ہر فعل عاقلوں اور داناؤں جیسا ہو اور پھر بھی وہی ایک راستہ اختیار نہ کر سکے جس
اس کی نجات پنہاں ہو، جو ہر امکانی خطرہ کا پہلے سے کاٹ کر سکے سوائے اس خطرہ کے جو پیش آ
ہو اور جب اس کی ساری قابلیت کے باوجود اس کا بیڑا پار نہ ہو پائے تو وہ یوں پکار اٹھے کہ
کی ناکامی میں اس کی اپنی ذمہ داری کوئی نہیں، کسی ناگہانی آفت کو دخل ہے۔

جب ۱۵۰۳ء میں پائس سوم کا انتقال ہوا تو میکیاویلی کو روما اس غرض سے بھیجا گیا کہ پو
انتخاب کے موقع پر ہوا کا رخ دیکھے۔ یہاں پر اس نے [illegible] زبردست [illegible]
پائس دوم [illegible] حیثیت سے منتخب ہونا [illegible] کے لئے بہت ہی [illegible]
[illegible]
[illegible]

پھر ۱۵۰۶ء میں کمیاویلی جولیس دوم کے پاس فلورنس کی حکومت کا نامہ و پیام لے کر گیا۔ کمیاویلی پہنچا ہے تو جولیس نے بولونا پر دھاوا بولا ہی تھا جس میں اسے پوری کامیابی ہوئی! اسی طرح اور بھی بہت سی مہموں میں اسے فتح نصیب ہوئی۔ جولیس کی کامیابی کا راز اس کی تیزی و تندی اور اس کی پُرجوش طبیعت تھی۔ چنانچہ جہاں کمیاویلی قسمت اور عورت میں مناسبت بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ شجاع انسان نہ کہ ڈرپوک لوگ ان دونوں کو قابو میں لاسکتے ہیں، وہاں کمیاویلی در اصل جولیس دوم کی زندگی سے اخلاقی نتیجہ اخذ کر رہا ہے۔

اسی طرح کمیاویلی نے اور بھی کئی سفر کئے جن میں جرمنی کا سفر شامل ہے۔ ان سفارتوں سے کمیاویلی نے بہت کچھ سیکھا اور بعد میں اپنی تصانیف میں ان سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جس وقت تک جمہوری حکومت قائم رہی کمیاویلی کو فلورنس کی سیاست میں خاصی اہمیت حاصل رہی۔ کمیاویلی کی ملازمت کا سلسلہ ۱۵۱۲ء تک جاری رہا۔ ۱۵۱۲ء میں جمہوریت کا خاتمہ ہوا اور ہسپانیوں کی مدد سے میڈیچی پھر فلورنس کے مالک بنے۔ میڈیچی آئے، تو نہ صرف کمیاویلی کی ملازمت گئی۔ اسے چند ہفتے تک قید بھی بھگتنی پڑی۔ رہائی ہوئی تو کمیاویلی نے عملی سیاست کو خیرباد کہا۔

کمیاویلی اکثر اس مسئلہ پر غور کیا کرتا تھا کہ انسانی معاملات میں خود انسان کا کیا ہاتھ ہے، اور قسمت کو کتنا دخل ہے۔ یہ خیال کہ قسمت ہی پر انسانی ترقی اور عروج کا انحصار ہے کمیاویلی کو دو نہ بھاتا تھا لیکن اسے یہ بات بھی صاف نظر آتی تھی کہ بڑے سے بڑا سورما دنیا میں نہ تو کبھی نام پیدا نہیں کر سکتا اگر قسمت اس کا ساتھ نہ دے اور وہ گھڑی نہ آن پہنچے جب کہ وہ اپنے جوہر کو ظاہر کر سکے۔ اس مقالہ کی صحت خود کمیاویلی کی زندگی سے بھی عیاں ہے۔

اگر سیزر بورجیا کی ناکامی کے بعد کمیاویلی کو عملی سیاست سے کنارہ کشی اختیار نہ کرنی پڑتی تو شاید دنیا اس کی تصانیف سے محروم رہتی تاریخ کا ذکر اس کا نام بھی شاید [illegible] کمیاویلی کے لئے یہ خوش نصیبی کی بات تھی [illegible]

الکھم

لکھنے سے کیا ویلی کا جو مقصد تھا اسے خود میکیاویلی نے اپنے ایک خط میں جو اس نے دوست فرانسسکو ویتوری کے نام ہے اور ۱۰ دسمبر ۱۵۱۳ء کو لکھا گیا ہے، ان الفاظ میں بیان کیا:

"ادھر شام ہوئی اور میں گھر واپس آیا اور مطالعہ کے کمرہ میں داخل ہو گیا۔ داخل ہونے سے پہلے میں گرد و غبار سے اَٹے ہوئے دہقانی کپڑے اتار ڈالتا ہوں اور شریفانہ درباری لباس پہن لیتا ہوں۔ جب اس طرح مناسب لباس پہن کر قدیم درباروں میں حاضری دیتا تو یہاں لوگ مجھ سے اخلاق سے پیش آتے ہیں اور مجھے وہ غذا نصیب ہوتی ہے جو مجھے بہت مرغوب ہے ہیں ان سے اپنے دل کی باتیں کہنے سے ذرا نہیں جھجکتا۔ انھوں نے اپنی زندگیوں میں جو کچھ کیا اس کا ان سے سبب دریافت کرتا ہوں۔ اور وہ مجھ پر کچھ ایسے مہربان ہیں کہ مجھے سب بتا دیتے ہیں۔ اس طرح چار گھنٹے گذر جاتے ہیں اور تکان ہے کہ مجھے چھو نہیں جاتا۔ اتنی دیر کے لئے اپنی ساری مصیبتیں بھول جاتا ہوں، افلاس کا خیال مجھے پریشان نہیں کرتا۔ موت کے خیال سے ذرا دہشت نہیں ہوتی۔ اتنی دیر بس ان عظیم الشان شخصیتوں کا دھیان میرے ذہن پر پوری طرح چھایا ہوا ہوتا ہے۔ دانتے نے کیا خوب کہا ہے: "علم کا انحصار ان معلومات پر ہے جو انسان اپنے ذہن میں محفوظ رکھ سکے۔ باقی فضول ہیں۔" چنانچہ ان عالی مرتبت اشخاص کے ساتھ مکالمہ سے مجھے جو حاصل ہوا وہ میں نے سپرد قلم کر ڈالا ہے اور اس طرح ریاستوں پر ایک تصنیف تیار کی ہے۔ اس کتاب میں میں نے موضوع کے ہر پہلو سے بحث کی ہے۔ ریاست کیا ہے، اس کی کتنی اقسام ہیں، کس طرح حاصل کی جاتی ہے اور کس طرح برقرار رکھی جا سکتی ہے، وہ کیونکر ضایع ہوتی ہے اور اس سے پہلے کبھی بھی تم نے میرے خیالات کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہوگا تو یقین ہے کہ یہ کتاب تمہیں پسند آئے گی۔ سب سے بہتر یہ ہے کہ بادشاہ اسے قبول کرے۔ بادشاہ تو انھیں تو اس کتاب کا خیر مقدم کرنا چاہیے۔ چونکہ میں نے اسے ژولیانو کے نام سے معنون کر رہا ہوں ...... اس مختصر سی کتاب کے

[illegible]

علوم ہوگا کہ یہ پندرہ برس جو میں نے آئین جہان بانی کے مطالعہ میں صرف کئے وہ رائیگاں
گئے۔ میں نے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا (بادشاہوں کے) خدام وہی بھلے جنہوں نے دوسروں
کی مہنگی سے سبق حاصل کیا ہو۔ رہی میری وفاداری تو اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں جس شخص نے
وفائی ہو وہ کیونکر دغا دے سکتا ہے۔ میری طرح وفادار اور ایمان دار شخص بھلا اپنی فطرت
بدل سکتا ہے اور میرا افلاس میری ایمانداری کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔"

کتاب مکمل ہونے سے پہلے اس میں بہت کچھ رد و بدل ہوتا رہا۔ جس زمانہ میں کتاب زیر تصنیف
س وقت مختلف اثرات کارفرما تھے۔ چنانچہ اس کا نام بدلا، انتساب میں تبدیلی ہوئی اور آخر
لورنزو دی میڈیچی کے نام معنون ہوئی کتاب منسوب تو کر دی گئی مگر یقین کے ساتھ نہیں کہا
تا کہ لورنزو کی خدمت میں باقاعدہ طور پر پیش کی گئی یا نہیں اور اس کی نظر سے گذری بھی کہ نہیں۔
ات اتنی ہے کہ مکیاویلی کو اس کا کچھ صلہ نہ ملا۔ سرکاری ملازمت پہ مکیاویلی جان دیتا تھا، مگر وہ
س نہ ملی۔ کتاب مکیاویلی کی زندگی میں شائع بھی نہ ہو پائی گو لوگوں کو اس کا علم ضرور تھا اور مکیاویلی
دگی میں اس سے سرقہ بھی کیا گیا۔ اس کی اصل عبارت کے متعلق آج تک اختلاف کا سلسلہ جاری
کتاب پہلی مرتبہ ۱۵۳۲ء میں مکیاویلی کی موت کے پانچ برس بعد شائع ہوئی۔

مکیاویلی کی اور بھی تصانیف ہیں۔ ان میں سے خاص طور پر قابل ذکر اس کے "مقالات"
DISCOURSES ہیں۔ اس کتاب کا مطالعہ "بادشاہ" کے ساتھ ضروری ہے۔ مکیاویلی کے متعلق
ی غلط فہمیاں جو "بادشاہ" کے پڑھنے سے پیدا ہوتی ہیں وہ "مقالات" کے مطالعے سے دور
تی ہیں۔ یہ کتاب ۱۵۱۹ء میں مکمل ہوئی۔ اس کے ذریعہ مکیاویلی نے جمہوریتوں کی وہی خدمت
م دی جو "بادشاہ" کے ذریعہ بادشاہوں کی۔ کتاب کیا ہے جمہوریتوں کے لئے
[illegible] کے عروج اور ترقی کے اسباب
[illegible]

[illegible]

معلومات نہیں ہیں جو بادشاہ میں پہلے سے موجود نہ ہوں۔

• تاریخ فلورنس بھی کیاویلی کی تصانیف میں خاصی اہم ہے۔ یہ ۱۵۲۵ء میں مکمل ہوئی۔ چوتھا حصہ پندرھویں صدی کی تاریخ سے متعلق ہے وہ خاص طور پر دلچسپ ہے۔ کیاویلی۔ رسالہ فرانس اور جرمنی کی سفارت سے متعلق بھی لکھا ہے۔ اس کے علاوہ ناول لکھے ہیں۔ مزاحیہ لکھے ہیں اور نظم میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔

یہ تمام تصانیف اس زمانہ میں تیار ہوئیں جب میڈیچی فلورنس کے دوبارہ مالک ہو اور کیاویلی راندہ درگاہ تھا۔ میڈیچی حکومت کا سلسلہ ۱۵۱۲ء سے لے کر تقریباً پندرہ سال قایم رہا۔ ۱۵۲۷ء میں وہ دوبارہ فلورنس سے نکالے گئے۔ اس زمانے میں کیاویلی بطور سیاسی مفکر کے غیر معمولی شہرت حاصل کر چکا تھا۔ اور اگر اس کی عمر وفا کرتی تو شاید میڈیچی زوال کے بعد اس کے دن پھرتے۔ گو یقینی نہیں مگر بہت ممکن تھا کہ وہ پھر مجلس دوسری مقرر ہو جاتا یا کسی اور اہم عہدہ پر فائز ہو جاتا اور اس کی دلی مراد بر آتی۔ مگر میڈیچی کو رخصت چند ہفتے بھی نہ ہونے پائے تھے کہ کیاویلی اس دنیا سے سدھار گیا (۲۲ جون ۱۵۲۷ء) کے وقت کیاویلی کی عمر ۵۸ سال کی تھی۔ دوبارہ سیاست میں قدم رکھنے کی جو آرزو تھی دل ہی میں رہی۔

کیاویلی "بادشاہ" کے مصنف کی حیثیت سے صدیوں سے مورد لعن وطعن وشنام رہا ہے۔ یہاں تک کہ یورپی زبانوں میں لفظ "کیاویلیت" میکیولینٹ کا مرادف کسی کو کیاویلی یا اس کا پیرو کہنا گویا اسے گالی دینا ہے۔ خود کیاویلی کی زندگی میں اس پر شروع ہو گئی تھی اور اس کی موت کے بعد بادشاہ کے متعدد جواب لکھے گئے۔ شاہ

ANTI-MACHIAVELLI اعظم نے اپنی نوجوانی کے زمانے میں "رد کیاویلی"

کے بادشاہ کا جو جواب لکھا وہ خاص طور پر مشہور ہوا۔ [illegible]

[illegible]

کیاولی کا فلسفہ اگرچہ تاریخ میں ہے کہ اطالیہ کے ایک معمولی سے فرماں روا کی جانب سے [illegible] کو اپنے سامنے بطور نمونہ کے رکھتا۔ بہرحال میکیاولی پر یہ دور آج تک جاری ہے چنانچہ اسلامی ہند کے سب سے بڑے شاعر نے بھی اسی انداز میں کچھ کہا ہے:-

آن فلارنسائی باطل پرست — سرمۂ او دیدۂ مردم شکست
فطرت او سوئے ظلمت برد رخت — در گل ما دانۂ پیکار کشت
مملکت را دین او معبود ساخت — فکر او مذموم را محمود ساخت
بوسہ تا بر پائے این معبود زد — نقد حق را بر عیار سود زد
باطل از تعلیم او بالیدہ است — حیلہ اندازی فنے گردیدہ است

لیکن انیسویں صدی آئی تو میکیاولی کو خاص طور پر اطالیہ میں ایک نئے نقطۂ نظر سے دیکھا جانے لگا۔ اطالیہ میں اتحاد اور آزادی کی تحریک اٹھی تو اس کے ابتدائی علمبرداروں میں میکیاولی کا نام بھی شمار ہونا شروع ہوا اور میکیاولی قومی ہیرو کے طور پر پیش کیا جانے لگا۔ اس زمانہ میں جرمنی بھی اطالیہ کی طرح ایک خاص سیاسی دور سے گزر رہا تھا میکیاولی کے مداح پیدا ہوئے اور اس طرح اس کی تعلیمات کی جو اب تک ذلیل و خوار سمجھی جاتی تھیں نئی نئی تعبیریں ہونے لگیں مصرع
شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیرہا۔

یا میکیاولی دنیا کے لئے ایک معما بن کر رہ گیا۔ گزشتہ سو سوا سو سال میں میکیاولی پر خاص طور پر اس کی کتاب پر [illegible] لوگوں نے جو تبصرے کئے ہیں [illegible] اگر [illegible] کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کسی نے میکیاولی کی شخصیت کا مجسمہ سمجھا کسی نے ایک پرجوش محب وطن [illegible] کہا ہے کہ اس کی کتاب دنیا پر شاہی جبروت و ظلم کو [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

جس نے مذہب کو سیاست سے جدا کر کے علم سیاسیات کی رو سے [illegible]
کی تعلیمات کو سرے سے نجی نہایت معرفت مسائل اور شرارت پہ مبنی قرار دیتا ہے۔ [illegible]
کی خرافت کا قائل ہے اور اس کی نجی اور سیاسی زندگی کا علاج اور ایک اس کا دل کھوٹا اس
دماغ ٹیڑھا اور اس کی روح خبیث بتاتا ہے اور ثبوت کے طور پر کہتا ہے کہ ایسا نہ ہوتا تو
وہ سیزر بورشیا کو جس کے ہاتھ ایسی بری طرح خون آلودہ تھے کیونکر اپنے سامنے نمونے کے
طور پر رکھتا۔

کیاولی کے بارے میں اتنا شدید اختلاف رائے بظاہر بہت عجیب معلوم ہوتا ہے
لیکن غور سے دیکھا جائے تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ کیاولی کی شخصیت واقعی بڑی پیچیدہ
شخصیت ہے اور یہ اس لئے کہ اس کا زمانہ خود بڑا پیچیدہ زمانہ ہے۔ یہ زمانہ بڑی مشکلات اختلافات
اور تضادات کا زمانہ ہے۔ یوں یہ سمجھ میں آنے کی بات نہیں کہ جو مصنف ایک صفحہ پہ آزادی اور
حب وطن کے گیت الاپتا ہے۔ وہ دوسرے صفحہ پہ دغا اور فریب کی کیونکر تعلیم دے سکتا ہے
جس شخص کا مقصد المالیہ کو متحد کرنا ہو وہ کیونکر قتل و غارتگری کو سراہ سکتا ہے جس کے مقاصد
ایسے اعلیٰ ہوں وہ ایسے ادنیٰ ذرائع کو کام میں لانے کی کیونکر تلقین کر سکتا ہے۔ مگر یہ سب کچھ آسانی
سے سمجھ میں آجائے گا اگر ان حالات سے بخوبی واقفیت ہو جن میں کیاولی کی زندگی گزری۔ کیاولی
اپنے زمانے کا صحیح نمائندہ ہے۔ اس کی تعلیمات کو پندرھویں اور سولھویں صدی کی اطالوی تاریخ
سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس زمانے کی تاریخ کو سمجھے بغیر کیاولی کو سمجھنا ممکن نہیں۔ اس مختصر
حصہ میں اس کی گنجائش نہیں کہ تاریخی حالات مفصل بیان کئے جائیں [illegible] کی طرف
اشارہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

[illegible]
[illegible]
[illegible]

ختم تھا جو ملت پانچ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ میلان۔ وینس۔ فلورنس۔ ریاستہائے پاپائی و نیپلس۔ ان ریاستوں میں آپس میں غضب کی چشمک رہتی تھی۔ اس صورت میں آزادی کیونکر برقرار رہ سکتی تھی۔ ان پانچوں میں سے ایک بھی ریاست اس قابل نہ تھی کہ دوسروں کو نیچا دکھا کر ملک کو ایک جھنڈے تلے جمع کر سکتی پھر آپس میں رقابت اس بلا کی تھی کہ وفاقی یا اس قسم کا کوئی دوسرا دستور اختیار کرنے کا کسی کو خیال بھی نہ آسکتا تھا غرض قومی مفاد خطرہ میں تھا۔ اور ان پانچ ریاستوں کے سوا جو بے گنتی چھوٹی موٹی ریاستیں تھیں وہ ہمیشہ سازشوں میں مبتلا رہتی تھیں کبھی ایک ریاست کے ساتھ ساز باز کبھی دوسری کے ساتھ۔ دھوکے اور دغا پر بین الاقوامی تعلقات کی بنیاد تھی۔ اور اسی کا نتیجہ تھا کہ بیرونی بادشاہ اطالیہ کو قسمت آزمائی کے لئے ایسی آسانی سے منتخب کر لیتے تھے۔ اطالیہ دوسری اقوام کے حملوں کا شکار بنا ہوا تھا۔ اپنی مدافعت ان ریاستوں کے لئے کیسے ممکن تھی جس شکل میں تمام اطالوی ریاستوں نے اپنی حفاظت کرائے کے سپاہیوں کے سپرد کر رکھی تھی پھر کیوں نہ ہسپانوی فرانسیسی جرمن اور سوستانی فوجیں ملک کو تاراج کرتیں۔ ان ریاستوں میں سے کسی میں یہ قابل بوتا نہ تھا کہ فرانس یا ہسپانیہ کی روک تھام کر سکے۔ کرائے کے ٹٹوؤں سے کہیں ملکوں کی مدافعت ہوئی ہے! پھر باہمی نفاق، ایسی حالتیں میں ایسی نااتفاقی سے ہم میں اطالیہ کا قومی وجود ختم ہو چکا تھا اور اطالیہ محض ایک جغرافیائی اصطلاح ہو کر رہ گیا تھا۔ حب وطن کا جذبہ مفقود ہو چکا تھا۔ اور لوگ نفسی نفسی میں مبتلا تھے۔ مقصد اطالیہ کی عظمت نہیں کسی طرح اپنی جان بچانا تھا۔

[illegible] کی نظر میں اطالیہ [illegible] کیسے [illegible] [illegible] اطالوی ریاستوں کے آپس کے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

چونکہ اس نے ونیس کی مدد چھوڑ دی۔ فلورنس میں چارلس خود داخل ہوا اور وہاں سے نکالا گیا۔
پاپائے روما جو اب تک نیپلس کو ہر طرح کی مدد دیتا رہا تھا گھبرا گیا اور چارلس سے بہت کچھ دے
دلا کر صلح کر لیا۔ اب نیپلس کی باری آئی۔ اور جس طرح اب تک چارلس کو کامیابی ہوتی رہی تھی وہ
نیپلس میں بھی ہوئی۔ تب جا کر بعض اطالوی ریاستوں کی آنکھیں کھلیں اور ونیس کی ایک لیگ قائم ہوئی
جس میں میلان، ونیس اور پوپ سب شامل تھے۔ چارلس کی فتوحات کچھ زیادہ دیرپا ثابت نہ ہوئیں
اور جب ۱۴۹۶ء میں وہ اطالیہ سے واپس ہوا تو اس کی فتوحات بھی غائب ہو گئیں۔ ۱۴۹۸ء میں
چارلس ہشتم کا انتقال ہو گیا۔ مگر اس کے انتقال کے بعد بھی اطالیہ پر حملوں کا سلسلہ ختم نہ ہوا
اس کے جانشین لوئی دوازدہم نے میلان پر حملہ کا فیصلہ کیا۔ پاپائے روما (الکزانڈر) اور ریاست
ونیس "ونیشین لیگ" سے کنارہ کشی اختیار کی اور فرانس کے ساتھی بنے۔ ریاست میلان کیونکر اکیلے
مقابلہ کر سکتی تھی۔ لودوویکو نے بہت ہاتھ پاؤں مارے، پر ایک بنائے نہ بنی۔ اور اگست ۱۴۹۹ء
میں فرانسیسی اطالیہ میں داخل ہو گئے۔ ادھر ونیس نے بھی حملہ کر دیا۔ لودوویکو کو راہ فرار اختیار کرنی
پڑی۔ اور میلان پر فرانسیسیوں اور اہل ونیس کا قبضہ ہو گیا۔ مگر کچھ ہی دنوں میں نئے حاکم بہت
بدنام و نامقبول ہو گئے اور اس سے فائدہ اٹھا کر لودوویکو نے فرانسیسیوں کو شکست دی
مگر آخری جیت فرانسیسیوں ہی کی رہی۔ میلان پر قبضہ جمانے کے بعد فرانس اور سپانیہ نے
نیپلس کے بارے میں آپس میں سمجھوتہ کر لیا اور یہ دونوں حکومتیں نیپلس سے ۱۵۰۱ء میں برسرپیکار
ہوئیں اور ۱۵۰۰ء کے صلح نامہ کی رو سے نیپلس سپانیہ اور فرانس میں تقسیم ہو گیا۔ مگر یہ صلح نامہ جس
[illegible] فرانس [illegible] جنگ چھڑ گئی اور فرانس کو نیچا
دیکھنا پڑا۔ [illegible]
[illegible]
[illegible] دوسری
[illegible]

بعض دوسری چھوٹی چھوٹی اطالوی ریاستیں آپس میں مل گئیں اور روش پر دھاوا بول دیا تھا
یہ پندرھویں صدی کے اخیر اور سولھویں کے شروع میں بری طرح آپس کی خانہ جنگی اور بیرونی
مداخلت کا شکار تھا۔ اس انتشار و تفرقہ کا مکیاویلی پر ایک خاص اثر ہوا۔

ان حالات پر غور کرنے سے مکیاویلی اس نتیجے پر پہنچا کہ اطالیہ کی نجات اسی میں پوشیدہ
ہے کہ ملک کو ایک بڑی ریاست میں متحد کیا جائے اور ایک قومی فوج تیار کی جائے جس میں
غیر ملکیوں کو اطالیہ سے نکال باہر کرنے کی صلاحیت ہو۔ اگر ایک طرف "بادشاہ" کو لورنزو کے
نام منسوب کرنے سے مکیاویلی کا یہ مقصد تھا کہ میدیچی کو اپنی طرف مائل کرے اور ان کی ہمدردی
حاصل کرے تو دوسری طرف وہ لورنزو کے سامنے ایک ایسا پروگرام بھی پیش کرنا چاہتا تھا جس
کی مدد سے ملک کو بیرونی حکومت اور اندرونی کشمکش سے نجات دلائی جا سکے۔ اس مقصد کے نیک
اور اعلیٰ ہونے میں کسی قسم کی گنجائش نہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مکیاویلی اس کے حصول کے
لئے ایسے رکیک اور ادنیٰ ذرائع کیوں تجویز کرتا ہے۔ آسانی سے سمجھ میں نہیں آتا کہ جس شخص کا مقصد خود
قوم و وطن ہو وہ کیونکر چالبازی، دغا اور فریب کو اس کے حصول کا ذریعہ بنا سکتا ہے۔ مگر یہ گتھی بھی مکیاویلی
کے زمانے کے سیاسی اخلاق پر نظر دوڑانے سے کھل جاتی ہے۔

مکیاویلی کے زمانے کی معاشرتی حالت کو دیکھنے سے خاص طور پر دو باتوں کا پتہ چلتا ہے ایک
قوم پر آزادی کے چھن جانے اور آپس کی نااتفاقیوں کا بہت ہی برا اثر پڑا تھا۔ دوسرے تعیش
پسندی اور عیش و عشرت کی زندگی نے اخلاق کو بگاڑ دیا تھا۔ عہد وسطیٰ ختم ہوا تو اس دور کے تمام ادارے اور روش
زندگی کی قدریں ختم ہو چکی تھیں مگر ابھی ان کی جگہ نئے نظام کی تعمیر بھی نہیں ہونے پائی تھی۔ دور جدید کے شروع
[illegible] کے [illegible] کی بجائے [illegible] لوگوں نے اپنا [illegible]
[illegible] اخلاق کا [illegible] تھا۔ ہر شخص اسی [illegible]
[illegible] سے [illegible]
[illegible]

[illegible] سیاسی مہم جوئی کے حالات میں تضاد [illegible] بنا لیا گیا تھا [illegible] کی سیاسی زندگی میں ایک بڑا فرق پیدا ہو گیا تھا۔ پھر اس تضاد کے علاوہ جو مختلف طبقوں کی زندگیوں میں پایا جاتا تھا خود ایک طبقے کی زندگی میں تضاد موجود تھا۔ نجی زندگی اور باہمی تعلقات اب بھی کسی حد تک مسیحی اخلاقیات کے زیر اثر تھے مگر سیاسی زندگی میں ان اصولوں کو بالائے طاق رکھ دیا گیا تھا۔ فلورنس میں جہاں سیاسی اختلافات حد سے بڑھ چکے تھے آپس کے تعلقات بدگمانی، حسد اور نفرت جیسے جذبات کے زیر تحت تھے۔ ایمانداری، وفا اور بے لوث محبت کا اس زمانے کی سیاست میں کام نہ تھا۔ حاکم یا تو اخلاق کے اصولوں کو عزیز رکھ سکتے تھے یا ریاست کو۔ میلان اور نیپلس میں جہاں سیاسی آزادی کا نام کو باقی نہ رہی تھی مظلوموں کے پاس بس وہی ہتھیار تھے جو غاصب اور ظالم حکام یا فرماں رواؤں سے انہوں نے حاصل کئے تھے یعنی سازش اور خفیہ قتل۔ چھوٹی ریاستوں میں حالات اور بھی ناگفتہ بہ تھے۔ اس صورت میں طاقت حاصل کرنا بجائے ایک مقصد ہو گیا تھا۔ ذرائع میں اچھے برے کی تمیز اٹھ گئی تھی۔ سیاست میں ریاست کو بچانے کی خاطر اخلاق کو اکثر خیرباد کہا جاتا تھا۔

مختصر طور پر یہ تھا وہ سیاسی، اخلاقی اور ذہنی ماحول جس کا عکس ہم کیاویلی کے خیالات میں پاتے ہیں۔ مگر ان خیالات کا اصل سبب دریافت کرنا ایک چیز ہے اور انہیں صحیح تسلیم کرنا اور بات ہے۔

کیاویلی کی تعلیمات انسانی فطرت کے بہت ہی پست تصور پر مبنی ہیں۔ انسان شاید ایک حد تک ایسا ہی ہے جیسا کہ کیاویلی کو وہ نظر آتا ہے "ناشکرا، کذاب، دھوکے باز، ڈرپوک اور حریص" مگر کیاویلی کو بھی اس کا اعتراف ہے کہ سب انسان ایسے نہیں [illegible] تھا کہ جو انسان [illegible] اور سخاوت کے [illegible]

[illegible]

کے اصولوں کو سیاسی زندگی میں کوئی جگہ نہیں مگر اس نے یہ بتایا کہ جس سیاست کی بنیاد دغا اور فریب پر ہوگی وہ کبھی پنپنے والی نہیں، ایسی سیاست کی بنیادیں بالکل کھوکھلی ہوں گی جو شخص اور دغا سے صرف اسی وقت تک سیاست میں کام لیا جا سکتا ہے جب تک وہ پردۂ راز میں رہیں یا راز کھلنے کا کام خراب ہوا۔

گڑ کی بات یہ ہے کہ اگر میکیاویلی صرف یہ کہتا کہ سیاست میں چال بازی دغا اور فریب سب سے کام لیا جاتا ہے تو کسی کو اس سے پرخاش نہ ہوتی۔ دنیا میں یہ ہوتا ہی چلا آیا ہے اور شاید ہمیشہ ہوتا رہے گا مگر غضب تو یہ ہے کہ اس نے کہہ دیا کہ سیاست میں ان ہتھیاروں سے کام لینا چاہئے بس یہی زیادتی کی اس نے۔

اس طرح میکیاویلی نے سیاسی اخلاق کا ایک نیا مجموعہ تیار کیا جس کی بنیاد سیاسی مصلحت پر رکھی۔ انگریزی میں اسے REASON OF STATE کہا جاتا ہے۔ میکیاویلی کو اس کا بانی کہنا صحیح نہ ہوگا اس لئے کہ نہ صرف سیاستدانوں کا اس اصول پر ہمیشہ سے عمل رہا ہے بلکہ بعض مفکروں نے بھی اس کا پہلے ذکر کیا تھا۔ مگر میکیاویلی نے اس نئے اخلاق کے اصولوں کو ایک مستقل نظام میں منسلک کرنے کی کوشش کی۔ جہاں ریاست کی زندگی اور موت کا سوال ہو اور عام اخلاقی اصولوں کو بالائے طاق رکھنے سے کام نکل سکتا ہو تو میکیاویلی کے خیال میں اسے اختیار کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ یہی ایک اصول ہے جس کی پابندی فرض ہے۔

[illegible]

ضلع سہارنپور کے زمیندار اور کاشتکار

ضلع سہارنپور کے زمیندار ملک کے دوسرے حصوں کی طرح سہارنپور کی بھی زیادہ تر آبادی
ذریعہ معاش زمینداری اور کاشتکاری ہے۔ اس لئے سہارنپور
کی معاشی حالت کا جائزہ لیتے وقت یہ معلوم کرنا ضروری تھا کہ مسلمانوں کی نمائندگی ان پیشوں میں کس طرح
پر ہے اور گذشتہ سالوں میں اس میں کس طرح کی تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ اس تحقیقات کے لئے شائع
اعداد وشمار سرکار کی بندوبست رپورٹوں میں ملتے ہیں۔ سہارنپور میں آخری بندوبست ۱۹۲۰ء میں
ہوا تھا اس لئے مجبوراً اسی کے اعداد پر بھروسہ کرنا پڑا۔

ضلع سہارنپور میں مختلف ذاتوں کے مالکان زمین کا تناسب اور اس میں گذشتہ بندوبست ۱۸۹۰ء کے مقابلہ میں کمی بیشی

نام ذات	مجموعی رقبہ ایکڑوں میں	تناسب فی صدی	تبدیلی کا تناسب
۱۔ مہاجن (ہندو)	۳۱۷،۴۸۳	۲۷.۲	اضافہ ۱۲.۹
۲۔ گوجر اس میں مسلمان اور ہندو شامل ہیں	۲۰۰،۴۸۷	۱۷.۰۹	کمی ۱۱.۱
۳۔ راجپوت (" " " " ")	۱،۸۹،۱۸۸	۱۹.۲	....
۴۔ شیخ اور شیخ زادے (مسلم)	۵۶،۱۴۴	۴.۸	اضافہ ۴.۳
[illegible]	[illegible]	[illegible]	اضافہ [illegible]

پٹھان، مغل اور پیرزادہ (مسلم)	۳۹،۵۱۴	۳،۴۲	کمی ۱،۲۹
برہمن (ہندو)	۳۷،۰۷۶	۳،۲	اضافہ ۱۰،۴
گاڈا (مسلم)	[illegible]،۸۸۷	۳،۰	″ ۲۱،۷
جاٹ (ہندو)	۳۱،۵۰۸	۲،۷	کمی ۱۰،۰
یورپین (عیسائی)	۲۳،۷۰۴	۲،۰	کمی ۲۰،۰
سید (مسلم)	۱۶،۹۹۷	۱،۵	کمی ۱۱،۸
فقیر، جوگی گوسائیں (ہندو)	۱۹،۰۳۵	۱،۷	اضافہ ۴۷،۶
چمار (ہندو)	۱۵،۲۰۹	۱،۳	اضافہ ۱۸،۴
کولی (ہندو)	۸،۸۷۰	،۸	اضافہ ۳۳،۳
کھتری (ہندو)	۸،۱۶۹	۰،۷	کمی ۳۰،۰
اہیر (ہندو)	۷،۷۵۲	۰،۷	اضافہ ۱۶،۷
سینی مالی (اس میں مسلمان ہندو دونوں شامل ہیں)	۸،۱۰۱	۰،۷	کمی ۲۲،۲
روڑھ (ہندو)	۷،۸۹۰	،۷	کمی ۱۲،۵
سادھ (ہندو)	۶،۹۴۵	،۶	کمی ۱۴،۳
جھوجھا (مسلم)	۶،۸۱۸	،۶	اضافہ ۲۰،۰
دیگر	۳۶،۹۴۲	..	..
سرکاری ملکیت	۲۲،۴۷۸	۱،۹	اضافہ ۳۵،۷
میزان	۱۱،۶۵،۵۰۴	۱۰۰	

سہارنپور گزیٹیر مطبوعہ ۱۹۳۰ء میں ۱۸۹۰ء کی بندوبست رپورٹ کی بنیاد پر ضلع سہارنپور کے زمینداروں کے بارے میں حسب ذیل باتیں لکھی گئی ہیں:

[illegible] کے زیادہ تر علاقے کے الگ حیثیت سے چھوٹے زمیندار چلے آرہے ہیں اور [illegible]

جاگیرداروں کی تعداد یہاں محدود ہے اگرچہ حال کے سالوں میں ساہوکار پیشہ طبقوں کے قبضہ کی وجہ سے اس میں نمایاں ترقی ہو گئی ہے۔ ان طبقوں کے پاس اب مجموعی رقبہ کا تقریباً ایک ثلث حصہ پہنچ چکا ہے اور ان کی ملکیت میں سب سے زیادہ زمینیں جوالی کے علاقہ میں ہیں جہاں انہوں نے سرکاری جنگلات کے اکثر قطعات کو خرید لیا ہے۔ ان کے بعد گوجروں کا نمبر ہے اور اس میں لنڈھورا کی بڑی ریاست بھی شامل ہے۔ ان کے بعد راجپوتوں کا نمبر ہے جس میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل ہیں۔ ان کی خاص بستی اس علاقہ میں ہے جسے کٹھا کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ضلع کے دوسرے حصوں میں بھی خصوصاً پہاڑ کے دامن کے ساتھ ساتھ ان کی کئی طاقتور اگرچہ زوال زدہ جمعیتیں ہیں اور ان میں اور کٹھا کی برادری میں یہ فرق ہے کہ یہ لوگ اپنے ذات کے قاعدوں کی پابندی زیادہ سختی کے ساتھ کرتے ہیں اور ہل کو ہاتھ لگانے سے جہاں تک ہو سکتا ہے گریز کرتے ہیں دوسری قومیں نسبتاً کم ہیں۔ تازہ ترین اعداد آخری بندوبست کے ہیں۔ ان کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مہاجنوں کی ملکیت میں ۲۲،۳ فی صدی زمین ہے۔ گوجروں کے پاس ۲۰،۷ فی صدی راجپوتوں کے پاس ۱۶،۴ فی صدی شیخوں کے پاس ۱۴،۴ فی صدی تگوں کے پاس ۴،۳ فی صدی پٹھانوں کے پاس ۳،۲ فی صدی جاٹوں کے پاس ۳،۱ فی صدی برہمنوں کے پاس ۳،۱۱ فی صدی یورپینوں کے پاس جن کی نمائندگی پاول کا خاندان کرتا ہے ۳،۰۲ فی صدی گاڑوں کے پاس ۲،۸ فی صدی سیدوں کے پاس ۲،۴ فی صدی چماروں، کھتریوں، کلوروں، گوسائیوں اور سینیوں میں سے ہر ایک کے پاس دس دس ہزار ایکڑ سے زیادہ رقبہ تھا اور ان کے بعد کولیوں، روڑوں، کائستھوں، بیرلدوں، ہیروں، جوجیوں اور فقیروں کا نمبر تھا اور ان میں سے ہر ایک کے پاس پانچ پانچ ہزار ایکڑ سے زیادہ رقبہ تھا........"

جب ان اعداد کا مقابلہ [illegible] کے اعداد سے کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ بیس سال کے دوران میں مہاجنوں نے ۹۵ ہزار [illegible] ایکڑ اور شیخوں نے [illegible] ۲۹ ایکڑ زائد رقبہ پر اپنی ملکیت قائم کی۔ کسی دوسری ذات نے [illegible] دوسری ذاتوں

...کے قبضہ میں بہت حقیر رقبہ ہے۔ ان کے مساوی تناسب سے اپنی زمینداری زمین [illegible]
سے زیادہ نقصان راجپوتوں اور گوجروں کو پہنچا جن کی جائداد میں علی الترتیب ۲۴ ہزار ۹۳۰
۲ ہزار ۹۹۵ ایکڑ کی کمی ہوگئی۔ ان کے علاوہ نسبتی لحاظ سے زیادہ کمی روڑوں، تگوں [illegible]
اور سینیوں کی زمینداری میں بھی ہوئی۔"

ذیل میں سہارنپور کے چند بڑے بڑے زمینداروں کے بارے میں کچھ تفصیلی حالات سہارنپور [illegible] سے درج کئے جاتے ہیں تاکہ اس بات کا اندازہ کیا جاسکے کہ یہاں کے زمینداروں سے [illegible] مسلمانوں کی نمائندگی کتنی اور کس طرح کی ہے۔

ریاست لنڈھورا۔ گوجروں کی اس ریاست کے پاس سابق رقبہ کا صرف ایک حصہ ہے لیکن اب بھی یہ ضلع کی سب سے بڑی جائداد ہے۔ اس ضلع میں اس ریاست کے ۹۴ [illegible] مواضعات ہیں اور ۱۲ مواضعات میں اس کے قبضہ میں جزوی حصے ہیں اور یہ سوائے [illegible] کے باقی ہر پرگنہ میں ہیں۔ ان کا مجموعی رقبہ ۳۹ ہزار ۵۰۳ ایکڑ ہوتا ہے جس کی مالگزاری [illegible] ۷۰۰۹ روپیہ ہے۔ ضلع سہارنپور کے علاوہ اس ریاست میں ضلع میرٹھ کی زمینیں جن کی مالگزاری [illegible] ار ۱۴۲ روپیہ ہے۔ ضلع بجنور کی زمینیں جن کی مالگزاری دس ہزار ۸۲۳ روپیہ ہے۔ مظفرنگر [illegible] جن کی مالگزاری ۱ ہزار ۹۴۵ روپیہ ہے اور بلند شہر کی زمینیں جن کی مالگزاری دو ہزار [illegible] ہے شامل ہیں۔

جینی زمیندار:- سب سے اہم زمینداروں میں کئی ایک گروہ اس برادری کے جینی فرقے [illegible] رکھتے ہیں سب سے دولت مند خاندان وہ ہے جس کے نمائندے آج کل حسب ذیل ہیں۔

[illegible]	یہ سب سہارنپور میں رہتے ہیں لیکن ان کی [illegible] اور منتظمانہ [illegible] کی وجہ سے جو [illegible] کے [illegible] ان میں [illegible] شہرت پیدا ہوگئی ہے

لالہ جیو پرشاد کی ملکیت میں اس ضلع میں بیس پورے گاؤں ہیں اور ۸۶ گاؤں میں ان کا حصہ ہے۔ ان کے پاس کل رقبہ ۱۲ ہزار [illegible] ہے جس کی مالگزاری ۲۵ ہزار ۱۱۱ ہوتی ہے اس کے علاوہ مظفرنگر میں یہ ایک ہزار تین روپئے کی مالگزاری ادا کرتے ہیں۔

لالہ آتما پرشاد کے پاس ضلع کے مختلف علاقوں میں ۲۲ حصے ہیں جن کا کل رقبہ ۳ ہزار ایکڑ اور مالگزاری ۴ ہزار ۲۰ روپئے ہوتی ہے

لالہ گومتی کنور کے پاس آٹھ پورے گاؤں ہیں اور ۲۰ حصے ہیں۔ جن کا کل رقبہ ۶ ہزار ۳ ایکڑ اور مالگزاری ۹ ہزار ۳۷ روپئے ہوتی ہے۔

لالہ روپ چند کے پاس پانچ پورے گاؤں ہیں اور تیس حصے ہیں جن کا کل رقبہ ۷ ہزار ۶۱۸ اور مالگزاری ۹ ہزار ۶۶۶ روپئے ہوتی ہے۔

۲۔ جینیوں کا دوسرا مشہور خاندان وہ ہے جس کے نمائندے بدری داس اور جنیشور پسران لالہ پارس داس ہیں۔ یہ سہارنپور میں ایک ممتاز شخصیت رکھتے تھے۔ میرٹھ اور شملے میں سرکاری خزانچی اور آنریری مجسٹریٹ تھے۔ ان دونوں کے پاس مجموعی طور پر دو سالم گاؤں اور ۱۹ حصے جن کا رقبہ ۳ ہزار ۱۶۱ ایکڑ اور مالگزاری ۵ ہزار ۴۷ روپئے ہے۔

۳۔ جینی زمینداروں میں لالہ آتما رام متبنیٰ لالہ دیپ چند بھی شامل کئے جاسکتے ہیں جن کے دو سالم موضعے ہیں اور ۱۹ حصے ہیں جن کا مجموعی رقبہ ۳ ہزار چھ سو ایکڑ اور مالگزاری چار ہزار ۳۱ ہوتی ہے۔

ان کے علاوہ حسب ذیل جینی زمیندار ہیں:۔

۴۔ رائے [illegible] سہارنپوری۔ دو سالم گاؤں ایک حصہ مالگزاری ۲ ہزار چھ سو روپئے۔

۵۔ رائے [illegible] چند [illegible] دو سالم گاؤں [illegible] مالگزاری ۲ ہز

۷۔ کونت رائے اور شنکر پال رائے نگڑ والے۔ ایک سالم گاؤں اور ۹ حصے مالگذاری ۰ ہزار ۲۴۲ روپے۔

بنئے زمیندار۔ سہارنپور کے زمینداروں میں ویشوں یا بنیا گروہوں کی حیثیت بھی بہت ممتاز ہے۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور لالہ جوتی پرشاد پسر لالہ نبی لال جگادھری ضلع انبالہ والے ہیں۔ یہ انبالہ، سہارنپور، رڑکی، میرٹھ اور کسولی میں سرکاری خزانچی ہیں اور ان کے بھائیوں کے پاس یہاں اور پنجاب میں بڑی جائدادیں ہیں۔ اس ضلع میں ان کی جائدادیں ۰ ہزار ۳ ۱۳۶ ایکڑ رقبہ ہے جس کی مالگذاری ۱۲ ہزار ۱۳ ۱۴ روپیہ ہے اور اس میں ۱۴ سالم گاؤں اور ۱۲ حصے شامل ہیں۔

۲۔ لالہ مرلی لال پسر لالہ گنپتی لال بھگت سہارنپور والے جو اپنی نیکی اور فیاضی کے لئے اتنے ہی مشہور تھے جتنے اپنی دولت کے لئے تھے۔ یہ پیشے کے اعتبار سے ساہوکار ہیں اور آنریری مجسٹریٹ ہیں اور میونسپل اور ڈسٹرکٹ دونوں بورڈوں کے ممبر ہیں۔ ان کی جائدادیں پانچ سالم گاؤں اور ۱۱ حصے شامل ہیں جن کا مجموعی رقبہ ۸ ہزار ۷۰ ایکڑ اور مالگذاری ۹ ہزار ۲۸۰ روپے ہوتی ہے۔

۳۔ پرگنہ ہرورا میں کوٹہ خاندان کے نمائندے اس وقت لالہ بارو مل پسر جیان مل ہیں جو ایک بڑے ساہوکار اور غلے کے تاجر ہیں۔ ان کے پاس دس سالم گاؤں اور ۳۲ حصے ہیں جن کا مجموعی رقبہ ۵ ہزار ۱۵۴ ایکڑ اور مالگذاری ۸ ہزار ۲۲۹ روپے ہوتی ہے۔

۴۔ لالہ شمبھو ناتھ پسر سرت لال سہارنپور والے آنریری مجسٹریٹ اور میونسپلٹی کے ممبر ہیں۔ ان کے پاس ۸ سالم گاؤں اور دس حصے ہیں جن کا مجموعی رقبہ ۶ ہزار ۹۰۷ ایکڑ اور مالگذاری ۴ ہزار ۱۸۸ روپیہ ہوتی ہے۔

۵۔ دیوبند کے لالہ ... سنگھ بیٹے لالہ ... رام ہیں۔ یہ آنریری مجسٹریٹ ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبر اور دیوبند میونسپل بورڈ کے ممبر ہیں۔ ان کی جائدادیں تین گاؤں اور ۲۲ حصے شامل ہیں جن کا مجموعی رقبہ ... مالگذاری ... روپے ہوتی ہے۔

[illegible]

اور پانچ حصے ہیں جن کا رقبہ ۱ ہزار ۳۰۰ ایکڑ اور مالگذاری دو ہزار ۹۲۰ روپے ہوتی ہے۔

۵۔ [illegible] بیگو انہور میں [illegible] ان کے پاس ۱۰ حصے ہیں جن کی مالگذاری دو ہزار ۸۱۰ روپے ہوتی ہے۔

۶۔ لالہ جی لال ابی کیڑہ والے کے پاس ۱۲ حصے ہیں جن کی مالگذاری ۲ ہزار ۶۸۰ روپے ہوتی ہے
۷۔ لالہ کندن لال نندھورے والے کے پاس ۱ سالم گاؤں اور ۹ حصے ہیں جن کا مجموعی رقبہ ۲ ہزار ۸۲۰ ایکڑ اور مالگذاری ۲ ہزار ۳۶۳ روپے ہوتی ہے۔ ان کے پاس ضلع مظفر نگر میں بھی دو ہزار روپے کی مالگذاری کی زمینیں ہیں۔

مسلمان زمیندار: مسلمان زمینداروں میں سب سے اول نمبر پر خان صاحب نعیم خاں کیلاس پور والے ہیں۔ یہ گڑزئی پٹھان ہیں۔ ان کے بزرگوں میں شہباز خاں شاہجہاں کے زمانہ حکومت میں قندھار سے آئے تھے اور اس علاقے میں بس گئے تھے۔ موجودہ رئیس کے دادا محمد عثمان خاں نے غدر کے زمانے میں سرکار کی خدمت کی اور اس کے انعام میں تین ہزار ۵۰۰ روپے مالگذاری کے تین سالم گاؤں دئے گئے اور اول الذکر کو اعزازی تلوار بھی عطا کی گئی۔ محمد نعیم خاں آنریری مجسٹریٹ ہیں۔ گاؤں کے منصف ہیں اور سہارنپور کے میونسپل اور ڈسٹرکٹ دونوں بورڈوں کے ممبر ہیں۔ ان کو [illegible] میں دہلی دربار کے موقع پر خانصاحب کا خطاب دیا گیا۔ ان کی جائداد میں ۱۴ سالم گاؤں اور ۲۹ حصے شامل ہیں جن کا رقبہ ۶ ہزار ۳۰۰ ایکڑ اور مالگذاری دس ہزار ۲۰۲ روپے ہوتی ہے۔ ان کے پاس ضلع مظفر نگر میں بھی تھوڑی سی جائداد ہے۔

۲۔ ایک دوسرے پٹھان زمیندار کنج پورہ ضلع کرنال کے ابراہیم علی خاں ہیں۔ یہ سہارنپور میں نہیں رہتے لیکن ان کے پاس تحصیل سہارنپور میں [illegible] سالم گاؤں ہیں جن کا رقبہ ۲ ہزار ۱۱۳ ایکڑ اور مالگذاری ۱ ہزار [illegible] روپے ہوتی ہے۔

۳۔ [illegible] کے بڑا [illegible] [illegible] ہونے کی [illegible]
[illegible] ۲۲ معافی کے

گاؤں تھے جنہیں ان کے مورث خان محمد ناظر کو محمد شاہ نے عطا کیا تھا لیکن [illegible] میں ان [illegible] بندوبست میں شامل کر دیا گیا اور ان پر مال گزاری لگا دی گئی۔

۴۔ پیرزادوں کا ایک دوسرا خاندان بہٹ پرگنہ [illegible] آباد میں رہتا ہے۔ یہ لوگ بہاء الدین زکریا ملتانی کی اولاد میں سے ہیں اور ان کے مورث کو جو بہٹ میں بہلول لودی کے زمانے میں بس گئے تھے کئی گاؤں کا عطیہ ملا تھا۔ ان کے وارثوں نے کاشتکار کی حیثیت سے بہت سی زمینیں حاصل کیں لیکن ان میں سے بہت سی ضائع ہو گئیں، اگرچہ اس خاندان کے خاص افراد یعنی شاہ غلام صابر اور شاہ زاہد حسین کا گرد و نواح میں بہت اثر ہے۔ ہر دو کے پاس ساڑھے بارہ حصے ہیں۔ اول الذکر کے پاس تین ہزار ۳۱۰ ایکڑ رقبہ ہے جس کی مال گزاری ۵ ہزار ۲۱۰ روپئے ہے اور موخر الذکر کے پاس تین ہزار ۵۰۰ ایکڑ رقبہ ہے جس کی مال گزاری ۴ ہزار ۱۴۱ ۹ روپئے ہے۔

۵۔ لکھنوتی کے ترکمانوں کے پاس ایک زمانے میں بڑی جائداد تھی لیکن اب ان کی کوئی اہمیت نہیں رہی ہے اور ان کے قبضے میں بہت تھوڑی زمین ہے

۶۔ یہی بات پٹھیر پرگنہ سلطانپور کے پٹھانوں کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے جن کا تعلق خضر زئی روہیلوں سے ہے۔ ان کے نمائندے آج کل فضل الرحمٰن خاں ہیں جو ایک ہزار ایک سو روپئے کی مال گزاری سہارنپور میں اور دو سو روپئے کی انبالہ میں ادا کرتے ہیں۔

۷۔ راجپور کے شیخ زادے بھی بہت گھٹ گئے ہیں۔ ان کے مکھیا برکت علی خاں مشہور شیخ کلن کے بھتیجے ہیں۔ یہ بھوپال میں بندوبست افسر تھے اور اب راجپور میں رہتے ہیں، جہاں ان کی کچھ زمینداری ہے۔

۸۔ دوسرے خاندان جو نسبتاً زیادہ حال میں پیدا ہوئے ہیں۔

سید آغا حیدر سہارنپور والے بیرسٹر [illegible] سرکاری وکیل تھے ان کے پاس [illegible] رقبہ ۲ ہزار ۲۰۰ ایکڑ [illegible] مال گزاری [illegible]

[illegible]

باعث آدمی ہیں۔ یہ آنریری مجسٹریٹ اور میونسپل بورڈ کے ممبر ہیں۔ ان کے والد خواجہ احمد حسن تھے اور ان کے بھائی خواجہ طاہر حسن بھی اس عہدے پر ہیں۔ ان کے پاس سات حصے ہیں جن کی مال گزاری ۱ ہزار ۱۷۱ روپئے ہے۔

۱۰۔ فضل الرحمن اور محمد عسکری سہارنپور کے شیخ۔ ان کے پاس دو سالم گاؤں اور حصے ہیں جن کا رقبہ ۴ ہزار ۲۵۰ ایکڑ اور مال گزاری تین ہزار ۴۰۰ روپئے ہوتی ہے۔

۱۱۔ حکیم محمد یوسف سہارنپور والے۔ ان کے پاس دو سالم گاؤں اور ۱۹ حصے ہیں مجموعی رقبہ دو ہزار ۳۵۷ ایکڑ اور مال گزاری ۳ ہزار ۰۸۰ روپئے ہوتی ہے۔

۱۲۔ سکرودہ اور کھیڑی کے راؤ مسلمان پنڈیروں کی اولاد ہیں جنہوں نے رڑکی بھگوان پور کے پرگنوں میں بہت جائداد پیدا کر لی تھی۔ لیکن اس کا زیادہ تر حصہ منضبط میں شامل کر کے جنگلات کے قطعوں کی شکل دے دی گئی تھی۔ ان کی جائداد کی اب کوئی اہمیت باقی نہیں رہی ہے۔

سکرودہ کے راؤ محمد علی خاں کا انتقال ۱۸۸۱ء میں ہوا۔ ان کے کوئی اولاد پسر نہیں تھی۔ ان کی جائداد ان کی لڑکی، بیواؤں اور بہنوں کو ملی۔ بدانتظامی کی وجہ سے قرضہ ہوا اور زیادہ تر زمین فروخت کر دی گئی۔ اگرچہ کچھ حصہ ان کے داماد راؤ فتح محمد خاں اور بھتیجے معصوم علی خاں کے پاس اب بھی باقی ہے۔

کھیڑی کے نمائندہ راؤ فرزند علی خاں ہیں جن کے مایوس کن حد تک مقروض ہونے کی وجہ سے جائداد تقریباً بالکل غائب ہو گئی ہے۔

ان کے علاوہ غیر مسلموں میں پاول کی یورپین جائداد اور ہندوؤں کی دوسری کئی چند زمینداریاں ہیں جن کو طوالت کے خوف سے نظر انداز کیا جاتا ہے۔

لوگوں کی عام حالت کے عنوان کے ماتحت گزیٹیر میں زمینداروں کے سلسلے میں ذیل عبارت درج کی گئی ہے۔

"زمینداروں کی عام حالت اچھی ہے، اگرچہ خانگی فضول خرچی۔ یا پیش مصارف مقدمہ بازی یا وجہ سے کئی جائدادیں نیلام پر چڑھ گئی ہیں اور اس طرح ساہوکاروں کی ملکیت میں اضافہ ہو گیا ہے مسلمان چند مستثنے مثالوں کو چھوڑ کر عام طور پر ہندوؤں کے مقابلے میں کم خوش حال ہیں خصوصاً نانوتہ، گنگوہ، منگلور اور جلال آباد جیسے دور کے قصبات میں جہاں عمدہ گھروں کے کھنڈرات زبان حال سے ان کی دولت و ثروت کے زوال کی شہادت دیتے ہیں اور یہ زوال ناگزیر نتیجہ ہے مسلمانوں کے قوانین وراثت کا، تعدد ازدواج کا، تجارتی اہلیت کی کمی کا اور فضول خرچی کے ناقابل اصلاح رجحان کا"

اوپر کے ان بیانات سے مسلمانوں اور ہندوؤں کی زمینداریوں کا موازنہ کیا جا سکتا ہے۔ افسوس ہے کہ ان زمینداریوں اور جائدادوں کے موجودہ وارثوں اور ان کے موجودہ قرضوں اور ان کی عام حالت کے بارے میں کچھ معلومات اکٹھی نہیں کی جا سکیں۔ لیکن عام شہرت ہی ہے کہ مسلمانوں میں دو ایک کے سوا جن میں بہٹ کے شاہ زاہد حسن صاحب مرحوم کا سلیقہ اور خوش انتظامی ممتاز حیثیت رکھتی تھی باقی تمام زمیندار قرض سے خالی نہیں ہیں اور بعض بڑی جائدادیں تو بڑی طرح قرض کے بار میں دبی ہوئی ہیں۔

۲- ضلع سہارنپور کے کاشتکار

سہارنپور کے گزیٹیر میں یہاں کے کاشتکار پیشہ ذاتوں کے بارے میں حسب ذیل باتیں درج کی گئی ہیں۔

"دیوبند کے سوا، جہاں راجپوتوں کی تعداد گوجروں سے کچھ زیادہ ہے باقی ہر تحصیل میں گوجروں کو کاشتکاری میں غلبہ حاصل ہے بحیثیت جماعت یہ لوگ اچھے کاشتکار نہیں ہوتے لیکن بہت سے حالات سے ان کی محنت ترقی پر ہے اور ان کے بہت سے گاؤں میں عمدہ کاشت کا مثالیں نظر آتی ہیں۔ یہی بات ہندو اور مسلم دونوں طرح کے راجپوتوں کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے اگرچہ ان لوگوں کی برہمنوں کی طرح مصیبت یہ ہے کہ جماعت میں اونچا درجہ رکھنے کی وجہ سے انہیں ان کے ہل چلانے سے منع کیا گیا ہے۔ ان کے بعد تعداد کے لحاظ سے

اڑوں اور سینیوں کا نمبر ہے جو بہت اعلیٰ قسم کے کاشتکار ہوتے ہیں۔ اوّل الذکر نہایت نمایاں طور پر محنتی اور با مہارت ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان کا مقدمہ بازی کا شوق بہت سے زمینداروں کی نگاہ میں انھیں ناپسندیدہ بنا دیتا ہے۔ [illegible] بھی ان کے برابر محنتی ہوتے ہیں لیکن ان میں مہارت کم ہوتی ہے۔ اس کے بعد چماروں کا نمبر ہے جو کسان سے زیادہ زراعتی مزدور کہلائے جانے کے مستحق ہیں۔ جاٹوں کا شمار بھی اوّل درجہ کے کسانوں میں کیا جا سکتا ہے لیکن ان کی تعداد یہاں بہت محدود ہے۔ برہمن اکثر صورتوں میں محض نام کے لئے کاشتکار ہوتے ہیں۔ چوہان تمام تر ڑکی تحصیل تک محدود ہیں لیکن ان میں نمایاں طور پر اچھی کھیتی کرنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ جھوجے جو اسی تحصیل میں پائے جاتے ہیں بلا شبہ بہترین کاشتکار ہیں۔ دوسری ذاتیں شمار میں تو بہت زیادہ ہیں لیکن ان کی اہمیت نسبتاً کم ہے۔ ان میں سب سے کم نمائندگی پٹھانوں، کہاروں، وریوں، اہیروں، بنجاروں، تیلیوں، روڑوں اور کمبوہوں کی ہے۔"

سہارنپور کے لوگوں کی عام معاشی حالت کے بارے میں گزیٹیر میں حسب ذیل باتیں لکھی گئی ہیں جن سے کاشتکار پیشہ طبقہ کی حالت کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے:۔

"اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ضلع کے عام مرفہ الحالی میں حال کے سالوں میں بہت اضافہ ہوا ہے (انگریزی حکومت سے) الحاق کے وقت عام حالت بہت افسوس ناک تھی۔ اس کی کچھ وجہ دہرینوں کا استاجری کا طریقہ تھا اور کچھ وجہ سکھوں کے مسلسل اور غارت گرانہ حملے تھے۔ اس کے بعد بھاری مال گزاری اور مسلسل کساد بازاری کا دور شروع ہوا جس کی وجہ سے بہت سی زمینداریاں تباہ و برباد ہو گئیں۔ پھر با قاعدہ بندوبست کے ذریعہ جب اصلاح ہوئی تو اس کا فائدہ نصف صدی بعد سالیوں اور [illegible] کے غدر کی وجہ سے ظاہر نہ ہو سکا۔ لیکن اس کے بعد کے تیس سالوں میں نمایاں طور پر بہتری پیدا ہوئی۔ آرام کا معیار بڑھ گیا۔ مزدوروں کی اجرت میں اضافہ ہوا اور کفایت شعاری اور محنت میں واضح طور پر ترقی ہوئی [illegible] کے بندوبست کے بعد سے ترقی اور بھی زیادہ تیز تر ہو گئی۔ مزروعہ رقبہ میں [illegible] [illegible] ہوئی جس کی وجہ

اب اس ضلع کے بہت کم حصے ایسے باقی رہے ہیں جنھیں غیر محفوظ کہا جا سکتا ہے اور یہ بات محض نہروں کے نظام کی ترقی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس میں محکمہ زراعت کی ان کوششوں کو بھی بڑا دخل ہے جو وہ کنوؤں میں نل لگانے کے سلسلے میں کر رہی ہے۔ پانی کی نکاسی کا انتظام بھی بہت بہتر کر دیا گیا ہے اب ٹھہرے ہوئے پانی کی شکائتیں بہت کم سننے میں آتی ہیں اور ریلوے کے نظام کی ترقی سے بھی بے شمار فائدے پہنچے ہیں۔ سڑکوں کے معاملے میں ضلع ابھی تک کچھ پیچھے ہے۔ لیکن تعمیر کے بڑے مصارف کے باوجود خصوصاً شمال میں جہاں بہت سے پل بنانے کی ضرورت ہوتی ہے ترقی آہستہ آہستہ ہو رہی ہے اور کم از کم پیداوار کو ریلوں اور منڈی تک پہنچانے کے لئے کافی راستے موجود ہیں...... کاشتکاروں کے لگان میں جس نسبت سے اضافہ ہوا ہے قیمتوں میں اس سے زیادہ اضافہ اور آبپاشی میں اس سے زیادہ ترقی ہو گئی......... اور بصورت مجموعی کسان کو عام خوش حالی میں سے اس کا واجبی حصہ ملنے لگا ہے۔"

تحقیقات کے وقت کسانوں کی معاشی حالت کیا تھی۔ افسوس ہے اس کے بارے میں مجھے ذاتی تحقیقات سے اندازہ کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ البتہ ۱۹۳۱ء کی قیمتوں کے مطابق ایک نمونہ کے ایک ایکڑ کی خام پیداوار کی قیمت سہارنپور کی تازہ ترین رینٹ ریٹ، اور اسسمنٹ رپورٹوں میں تخمینہ کی گئی ہے وہ ذیل میں درج کی جاتی ہے (لگان اس کا ½ مقرر کیا جاتا ہے)

۱۔ نمونہ کے ایک ایکڑ کی خام پیداوار کی قیمت تحصیل سہارنپور میں ۳۸،۵ روپئے سے لے کر ۵۴ روپے تک (جہاں گنے کی کاشت زیادہ ہے وہاں خام پیداوار کی قیمت زیادہ ہے)

۲۔ نمونہ کے ایک ایکڑ کی خام پیداوار کی قیمت تحصیل رڑکی میں ۲۷،۴ روپے سے لے کر ۴۱ روپے تک (جہاں گنے کی کاشت زیادہ ہے وہاں خام پیداوار کی قیمت زیادہ ہے)

۳۔ نمونہ کے ایک ایکڑ کی خام پیداوار کی قیمت تحصیل نکوڑ میں ۳۱،۶ روپے سے لے کر ۵۶ روپے تک (جہاں گنے کی کاشت زیادہ ہے وہاں خام پیداوار کی قیمت زیادہ ہے)

۔ نمونہ کے ایک ایکڑ کی خام پیداوار کی قیمت تحصیل [illegible] میں ۴۹،۴ روپے سے لے کر ۲،۲...

یہ علاقہ (جہاں گنے کی کاشت زیادہ ہے وہاں خام پیداوار کی قیمت زیادہ ہے)

ذیل میں ایک نقشہ سنہ ۱۹۲۰ء کی بندوبست رپورٹ سے نقل کیا جاتا ہے۔

ضلع سہارنپور کے کاشتکاروں کی ذات و مذہب کا نقشہ

نمبر شمار	ذات و مذہب	نقد لگان: رقبہ ایکڑوں میں	نقد لگان: لگان روپیوں میں	نقد لگان: شرح فی ایکڑ	[illegible] رقبہ ایکڑوں میں	[illegible] رقبہ ایکڑوں میں	[illegible] رقبہ ایکڑوں میں	میزان رقبہ [illegible]
۱	گوجر (ہندو)	۷۳،۵۱۷	۲،۹۱،۸۱۳	۹ ۱۴	۵،۷۶۲	۷۱،۳۸۸	۳،۷۲۹	۱،۵۵،۳۹۴
	گوجر (مسلمان)	۲۰،۲۹۵	۱،۳۳،۷۲۳	۶ ۰۴	۴،۲۳۳	۱۱،۰۹۱	۱،۰۳۷	۶۳،۹۹۷
۲	راجپوت (ہندو)	۳۳،۰۴۴	۲،۱۳،۴۰۷	۶،۵۳	۶،۰۵۸	۵۳،۱۳۰	۲،۲۴۱	۹۹،۲۴۶
	راجپوت (مسلمان)	۱۳،۱۴۰	۷۸،۵۸۲	۵،۹	۱،۳۷۳	۱۶،۷۲۴	۱،۱۱۵	۳۳،۴۷۲
۳	مالی سینی (ہندو)	۶۰،۷۲۸	۳،۷۵،۵۱۵	۷،۲	۱۴،۷۹۳	۴،۱۹۹	۶۰۵	۸۰،۲۲۲
	مالی سینی (مسلمان)	۱،۸۷۴	۷،۶۸۱	۸،۱۸	۵۸	۲۱۹	۴۳	۱،۱۹۹
۴	گاڑا (مسلمان)	۵۲،۵۱۷	۳،۳۱،۱۷۵	۷،۱۴	۵،۳۶۱	۲۰،۹۳۷	۱،۱۷۳	۷۹،۹۸۸
۵	تگا (ہندو)	۱۴،۱۷۷	۱،۰۱،۹۷۴	۷،۱۳	۳۰۶	۲۸،۸۵۴	۹۵۹	۴۴،۳۳۱
	تگا (مسلمان)	۲۰،۸۳۵	۱،۱۹،۳۹	۶،۱۷	۲۴	۲،۰۳۷	۱۲۵	۵،۰۳۴
۶	چمار (ہندو)	۳۱،۳۵۷	۲،۲۳،۲۴۰	۸،۱۲	۹،۱۳۶	۱۱۲۹	۶۵۳	۴۱،۳۶۵
۷	جاٹ (ہندو)	۱۴،۸۲۴	۱،۱۰،۷۵۸	۷،۴	۱،۲۳۳	۱۵،۴۳۹	۷۸۵	۳۲،۲۸۱
۸	برہمن (ہندو)	۱۳،۹۴۴	۹۳،۸۸۲	۶،۷	۱،۸۰۵	۷،۹۵۸	۳،۱۳۳	۲۶،۸۴۸
۹	کولی (ہندو)	۷،۸۳۶	۳۹،۲۰۳	۵،۹	۹۰	۵،۲۹۲	۱۹۴	۱۳،۳۹۴
۱۰	جھوجھا (مسلمان)	[illegible]	۶۱،۹۳۰	۷،۹	۳۹۶	۲،۹۱۸	۴۲۵	۱۱،۹۳۳
۱۱	[illegible] (ہندو)	۳،۷۶۲	۲۷،۱۷۴	۷،۴	۲۸۴	[illegible]	۶۶۵	۹،۶۳۸
۱۲	دیگر	[illegible]	[illegible]	۶،۸۸	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
		[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

چوب فروشوں کی برادری

چوب فروشوں[1] کی برادری کی ایک انجمن ہے جس کا نام انجمن تنظیم القوم ہے۔ اس کی سالانہ روئداد بابت سال ۱۹۴۲-۴۳ء میں اس برادری کی تاریخ کے بارے میں کچھ حالات درج ہیں جنھیں ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:۔

"ہماری قوم کو متعدد جگہ کلال کہا جاتا ہے جو قطعاً بے بنیاد ہے اور غلط ہے۔ لہٰذا اصل شجرہ و نسب کی تلاش و تحقیق ضروری تھی۔ خصوصاً جب کہ یہ امر انجمن کے اغراض و مقاصد میں سے بھی ایک ہے۔ لہٰذا اس انجمن نے اس کے تلاش کی فکر کی جو کہ ہنوز جاری ہے۔ اس سلسلے میں خان بہادر شیخ قربان احمد صاحب نے جو کہ اس انجمن کے صدر تھے، نہایت سخت کاوش کے بعد تحقیقات کی۔ انھوں نے خود ایک اشتہار بعنوان "ہماری قوم" آپ لوگوں کی اطلاع و آراء کے لئے شائع کیا۔ اس میں انھوں نے یہ بتلایا کہ ہماری قوم کے جدامجد حضرت سید امیر کلال ؒ تھے جن کا سلسلہ نسب بدیل قریش سے جا کر ملتا ہے۔ ہمارے بزرگوں کو شیخ کا خطاب شاہان مغلیہ نے بوجہ ان کے تقدس اور اعلیٰ مدارج کے عطا کیا تھا اور خان بہادر موصوف نے یہ ثابت کر دیا کہ ہم قریشی سید ہیں اور ہماری قوم اپنے جد امجد کے نام پر کلالی ہے اور جس طرح شاہ جہاں و دیگر کثرت استعمال سے مسخ ہو کر بہار تھوڑ ہو گیا لفظ کلالی بھی اسی طرح کلال ہو گیا اور اکثر جاہلوں نے

---

[1] اس برادری کے متعلق شیخ قربان احمد صاحب کے ذریعہ معلوم ہوا ہے جو بہار میں چوب فروشوں کی برادری کے ایک تھا [illegible] انجمن تنظیم القوم [illegible]

لفظ قلال کو کلال کر دیا۔ کلال کے معنی اصطلاح عام میں فی زمانہ شراب بیچنے والے کے لئے جاتے ہیں حالانکہ یہ بھی غلط ہے۔ شراب بیچنے والے کو کلال نہیں بلکہ کلار کہتے ہیں۔ انھوں نے گورنمنٹ کی تحریر کردہ اور مصدقہ تاریخ میرٹھ کا حوالہ دے کر بتایا کہ اس میں تحریر ہے کہ کلال قوم باشندہ ملک غیر ہے اور لفظ کلال کے معنی محافظ دفتر یا محافظ مال کے ہیں۔ جو ترکی زبان کا لفظ ہے۔"

اسی سالانہ روئیداد کے صفحہ ۶۷ پر درج ہے کہ "ہماری قوم کے تقریباً دو لاکھ افراد بلکہ زائد ہندوستان میں دہلی، لکھنؤ، الہ آباد، میرٹھ، مراد آباد، آگرہ، مظفرنگر، علی گڑھ، شیرکوٹ، کرنال، پانی پت، ریاست حیدرآباد، بھوپال، رامپور اور دیگر جگہ ایک منتشر شیرازہ کی صورت میں موجود ہیں۔ لیکن انسانی الوالعزمی اور ترقی کے شعبوں میں تقریباً ناپید اور جماعتی حیثیت سے قطعاً مفقود"

اسی صفحے پر ایک دوسری جگہ درج ہے کہ "اگر ہم اپنی اس قوم پر نگاہ ڈالیں جس نے علی برادران و حافظ فضل حق اور شیخ خدابخش جیسی ہستیاں پیدا کیں"۔ جس سے معلوم ہوتا ہے علی برادران کا تعلق بھی ریاست رامپور کی اسی برادری سے تھا۔

روئیداد کے صفحہ ۱۸ پر شہر سہارنپور میں برادری کی کل آبادی ۱۰۱۹ افراد معہ قوم دو کلال بتلائی گئی ہے جس میں ذکور کی تعداد ۵۲۱ اور اناث کی تعداد ۴۹۸ ہے۔

روئیداد کے صفحہ ۴۳ پر برادری کے موجودہ افراد کو ان کے بزرگوں کے کارنامے یاد دلائے گئے ہیں تاکہ ان کے اندر حب قومی کا جذبہ پیدا ہو۔ اور بزرگوں کی مثال سے سبق حاصل کریں۔ لکھا گیا ہے کہ "وہ قوم جو عدل و انصاف، خلوص، قومی ہمدردی، خودداری و نیک نیتی میں اپنی نظیر آپ ہی تھی جس کے افراد نے اپنی ذاتی خواہشات کو برادرانہ مفاد پر قربان کر رکھا تھا۔ بلا امتیاز امیر و غریب، عزیز و غیر، امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر کاربند تھے ان کے دل حب قومی سے کہیں زیادہ وسعت حاصل کئے ہوئے حب ملی سے سرشار تھے جن کا ناقابل تردید ثبوت ان کی تعمیرات اور اس سے بھی زیادہ ان کے اوقاف ہیں جو بعضوں نے مذہب کے لئے کئے تھے ابھی تک موجود ہیں۔ مسجد علی والی محلہ کھالہ پار۔ مسجد ملانی۔ سرائے مسجد

تیلیوں والی، مسجد بہادران والی، محلہ مبارک شاہ، مسجد چھوٹی محلہ بند وستانیاں، مسجد معروف نیم تلے والی۔ مسجد املی تلے والی۔ مسجد معروف شیخ کلو والی محلہ چوب فروشان۔ مسجد متصل مزار شاہ ہارون چشتی صاحب نوراللہ مرقدہ۔ مسجد نیچہ بندان، مسجد چاہ نیل گراں، مسجد منور میاں، مسجد اندرون ٹولی حجامان۔ مسجد اندرون احاطہ دلّی والان، دو مساجد محلہ کوٹڑی ٹیلہ متصل دلی والان و مسجد اسلامیہ ہائی اسکول و نیز عیدگاہ کا غربی حصہ (شیخ خدا بخش مرحوم کا بنوایا ہوا ہے) جامع مسجد سہارنپور کی تعمیر میں بھی اس قوم نے زیادہ سے زیادہ پیش کش کی۔"

روئیداد کے ان اقتباسات کے بعد اب میں اپنی ذاتی تحقیقات کے نتائج کو پیش کرتا ہوں یہ معلومات زیادہ تر شیخ مہربان احمد صاحب کی فراہم کی ہوئی ہیں جو انجمن تنظیم القوم کے صدر ہیں۔ تعلیم کا اوسط لڑکے اور لڑکیوں میں ابتدائی تعلیم بیس فی صدی اور اعلیٰ تعلیم مغربی اور مذہبی دو فی صدی کے قریب ہے۔

اس برادری کے لوگ ملازمت میں بہت کم ہیں۔ تقریباً تمام تر تجارت اور دیگر آزاد پیشے اور مزدوری کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ ساٹھ فی صدی کا پیشہ لکڑی کا کاروبار ہے۔ جس میں چالیس فی صدی کا کاروبار بہت اچھا ہے۔ اور بیس فی صدی کا کاروبار معمولی ہے۔ پانچ فی صد دوسرے آزاد کاروبار مثلاً وکالت، سگریٹ کی ایجنسی وغیرہ کا کام کرتے ہیں جن [illegible] بھی ہیں (حاجی بہار احمد صاحب) بقیہ پینتیس فی صدی محنت مزدوری وغیرہ کرتے ہیں۔ حیثیت سب کی اچھی ہے۔ کوئی بھی شخص ایسا نہیں [illegible] جس کے گھر میں دو تین ہزار کا زیور نہ ہو۔ عام طور پر [illegible] نہیں ہیں بلکہ لوگ متمول طبقہ کے بُری عادتوں میں بھی پڑے ہوئے ہیں۔ پہلے بیاہ شادی [illegible] آپس [illegible] ہوتا تھا اب باہر کا بھی سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ لیکن اپنے کفو میں ہوتا ہے کفو والے سے [illegible] تعلقات منقطع کرلئے جاتے ہیں۔ انجمن تنظیم القوم کی [illegible] کی [illegible] مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ برادری سے باہر شادی کے مسئلے نے پچھلے دنوں برادری کے ان کے [illegible] میں بہت [illegible] اور تفریق پیدا کردی تھی جس کی [illegible]

انجمن کے اراکین میں برادری کے کئی ممتاز لوگ شامل نہ ہو سکے تھے۔ انجمن کے اغراض و مقاصد کی وضاحت یہ ہے کہ اپنی قوم کا غیر قوم کے ازدواجی تعلقات اور میل کے خلاف اس کو مذموم حرکت سمجھ کر ہر ممکن جد و جہد کرنا۔

برادری کا انتظام قایم ہے بلکہ اس میں ترقی بتلائی جاتی ہے۔ برادری کی ایک انجمن تنظیم القوم کے نام سے ہے جس کا ذکر آخر میں تفصیل سے کیا گیا ہے۔ برادری کے ممتاز لوگ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ دلی والوں کا خاندان ان کا تفصیل حال نیچے درج کیا گیا ہے۔

۲۔ شیخ عبدالرحیم صاحب۔ شیخ عبدالعزیز صاحب اور شیخ عبدالحکیم صاحب ان سے بڑا لکڑی کا کاروبار اس وقت سہارنپور میں کسی دوسرے کا نہیں ہے۔

۳۔ مولوی ظہور الحق صاحب بی۔اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ وکیل۔

۴۔ مولوی محمد ایوب صاحب۔ بی۔اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ وکیل۔

۵۔ شیخ منظور احمد صاحب۔ لکڑی کا کاروبار۔

۶۔ شیخ مختار احمد صاحب۔ رئیس میونسپل کمشنر۔

۷۔ شیخ رشید احمد صاحب۔ سب انسپکٹر (باہر ہیں)

۸۔ شیخ ممتاز احمد صاحب۔ ڈسٹرکٹ بورڈ میں ہیڈ ہیں۔

دلی والوں کا خاندان نہایت ممتاز اور مشہور رہ چکا ہے۔ اور ہے۔ اس خاندان کو شیخ علی محمد صاحب نے ترقی دی جنہوں نے دہرہ دون کے جنگلوں میں لکڑی کا ٹھیکہ لیا جس میں انہیں بہت کامیابی ہوئی اور اس کام کو ان کی اولاد نے بھی ترقی دی۔ اس کام میں انھوں نے بہت روپیہ کمایا۔ علی محمد صاحب کے موجودہ ورثا کا بیان ہے کہ ان کے بزرگوں اور [illegible] کمار [illegible] کے جنگل میں تعلقات بہت اچھے تھے [illegible] خریدے تھے۔ یہاں بھی [illegible] تھا۔ [illegible]

[illegible]

ن پر ایک سلیج گریکھا سنتری پہرہ دیتا اور گھڑیال بجاتا ہے۔ ان کی جائداد یک جا رہی۔ اس لئے ی کرلی رہی۔ ولی محمد صاحب کی تقسیم ہو گئی، اس لئے کم ہو گئی۔ الہ دہن کمار کے یہاں بھی اب زیادہ تر یندارا ہے، ساہوکارا کم رہ گیا ہے۔

شیخ ولی محمد صاحب کے خاندان کا سلسلہ حسب ذیل طریقہ پر پھیلا ہے

ولی محمد صاحب (تجارت ٹھیکہ کرڑی)

حاجی خدا بخش صاحب (تجارت اور زمینداری)

محمد یوسف صاحب (تجارت زمینداری، ٹھیکہ داری۔ تمام شہر کے نمبرداران کے وقت سے

مولوی گل محمد صاحب (تجارت اور زمینداری)

مولوی ظہور محمد صاحب (زمیندار، رئیس، اعیم عمر میں کا مجاہد کیا ایک صاحبزادی والدہ شیخ غالب رسول صاحب

برطانیہ کے درباری بنے اور گزیٹیڈ رئیس میں شمار ہوا)

قطب طفیل احمد صاحب (رئیس)

غالب رسول صاحب ایم۔ ایل۔ اے۔ میونسپل کمشنر (مسلم ساہیں سب سے بہتر حالت ہے۔ تجارت کا سلسلہ نہیں ہے)

خان بہادر شیخ سلطان احمد صاحب رئیس آنریری مجسٹریٹ میونسپل کمشنر

شیخ مہربان احمد صاحب۔ شیخ نوشیروان احمد صاحب۔ شیخ دلشاد احمد صاحب۔ خان بہادر شیخ قربان احمد صاحب

(رئیس و زمیندار) (رئیس و زمیندار) (رئیس و زمیندار) (اٹھارہ سال تک آنریری مجسٹریٹ رہے اب آنریری اسسٹنٹ کلکٹر اور چیرمین پنچ آنریری منصفان)

بلدہ شہر کے لوگوں میں دس لاکھ اور پچاس لاکھ کے درمیان حیثیت رکھنے والے لوگوں میں شیخ غالب رسول صاحب ہیں جن کی حیثیت تقریباً چندہ لاکھ ہو گی۔ ایک لاکھ اور دس لاکھ کے درمیان شیخ مہربان احمد صاحب، شیخ نوشیروان احمد صاحب اور حافظ ... حسن صاحب کی ہو گی ... میں

شیخ عبدالکریم صاحب کی ہوگی۔ اور دس ہزار اور پچاس ہزار کے درمیان بہت سے نکل آئیں گے۔

برادری میں دلّی والوں کا سرمایہ صرافی میں زیادہ اور سکنائی جائداد میں اس سے کم لگا ہوا ہے فیکٹریوں کارخانوں میں بالکل نہیں ہے، تجارتی کاروبار میں برادری کے ایک فرد جنرل مرچنٹ ہیں اور باقی اکثر لکڑی کا کاروبار کرتے ہیں۔ سرمایہ بلوں کے حصوں اور سرکاری قرضوں میں بالکل نہیں، البتہ آج کل وار بانڈس میں لگا ہوا ہے روپے کا سودی کاروبار بظاہر نہیں کرتے۔ شاید ایک دو چھپ کر کرتے ہوں گے، عورتوں کے کپڑوں اور زیوروں پر روپیہ بہت لگایا جاتا ہے اور اسی میں یہ قوم برباد ہے۔ نقد روپیہ بھی بعض لوگوں کے پاس ہے۔ ایسے بہت زیادہ ہوں گے، جن کے پاس دو تین ہزار ہوگا۔ اور ایسے بھی بہت سے ہوں گے جن کے پاس دس ہزار ہوگا اور ایک شخص کے پاس بہت زیادہ نقد روپیہ ہے۔ موٹر کار مولوی محمد ایوب صاحب وکیل، شیخ غالب رسول صاحب اور نوشیروان احمد صاحب کے پاس ہے۔ مکان کے ساز وسامان فرنیچر برتن وغیرہ کا شوق زیادہ نہیں ہے۔ مستورات کے کپڑے اور زیوروں پر خرچ زیادہ کیا جاتا ہے کھانے کا خرچ بھی زیادہ ہے۔ عام معاشرت پرانی ہے۔ چارپائی پر بیٹھتے ہیں، مکان کے ساز وسامان پر صرف ۲ فیصدی خرچ کرتے ہیں، دو ایک کے پاس گھوڑا گاڑی بھی ہے۔ بچوں کی تعلیم پر اب پہلے سے زیادہ خرچ کرنے لگے ہیں۔ تفریحی مشاغل کچھ نہیں ہیں۔ حافظ زندہ حسن صاحب کے صاحبزادے کو کسرت کا شوق ہے۔ گھر ہی میں کسرت کرتے ہیں، خیر خیرات قریب قریب سب ہی کرتے ہیں ندکوٰۃ نکالتے ہیں، محتاجوں کو پوشیدہ طور پر دیتے ہیں۔ قومی اداروں کو چندہ صرف چند آدمی دیتے ہیں۔ اور یہ خیراتی فنڈ سے نہیں دیا جاتا، برادری کا ایک مدرسہ چل رہا ہے، اس کے لئے بھی چندہ دیا جاتا ہے، خیراتی مد سے نہیں دیا جاتا۔ مدرسہ مظاہر العلوم وغیرہ کو بھی چندہ دیا جاتا ہے، مسلم لیگ اور ہر کام کرنے والی مجلس کو شیخ بہرام احمد صاحب چندہ دیتے رہتے ہیں۔ شیخ غالب رسول صاحب کے یہاں اس کے لئے ایک علیحدہ وقف موجود ہے۔ مساجد کو بھی چندہ دیا جاتا ہے چند دنوں کا سلسلہ بھی چلتا رہتا ہے کا ...ری لوگوں کے یہاں ... کا ...سلسلہ ہے

بھی آتے رہتے ہیں۔ حج کا شوق زیادہ ہے کلیر شریف بھی جاتے ہیں۔ اگرچہ کچھ لوگ عرس کے دوران میں جانا پسند نہیں کرتے۔ پیدائش سے موت کے خرچ ابھی بہت زیادہ ہیں لیکن اصلاحی کوششیں ہو رہی ہیں جن کا ذکر انجمن تنظیم القوم کے عنوان کے ماتحت آخر میں کیا گیا ہے، ہر ریاست کے ساتھ ملازم ہیں، دوسرے لوگوں کے یہاں زیادہ نہیں ہیں۔ علاج اب زیادہ تر ڈاکٹری کیا جانے لگا ہے، بیماری کے سلسلے میں اور تبدیلی آب و ہوا کے لئے پہاڑ پر جانے کا رواج شروع نہیں ہوا ہے، شیخ مہربان علی صاحب کو شکار کا شوق ہے۔ اور شیخ قربان علی صاحب کو بھی تھا۔ چار پانچ آدمی ایسے بھی ہیں جن کے پاس ایک مختصر سا کتب خانہ ہے، رسائل و اخبار بھی بہت سے لوگ خریدتے رہتے ہیں، تعمیر مساجد کا بھی شوق ہے، ولی والوں اور کوچہ ولی والوں کی مسجد ولی محمد صاحب نے بنوائی تھیں۔ اسلامیہ اسکول کی مسجد اور اسی طرح اور دوسری مسجدیں جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے، برادری کے لوگوں نے بنوائی ہیں، قبر پرستی زیادہ نہیں ہے۔ لوگ علماء کے معتقد ہیں، کچھ لوگ مولانا اشرف علی صاحب کے مرید ہیں اور کچھ مولانا حسین احمد صاحب کے، لیکن مرید کم اور معتقد زیادہ ہیں۔

برادری کے اعلیٰ طبقہ میں تجارت نہ ہونے کی وجہ سے بظاہر ترقی نہیں ہے، لیکن اب لوگ بیدار ہوتے جا رہے ہیں اور کسی قدر آمدنی میں اضافہ ہو رہا ہے، جو لوگ تجارت کرتے ہیں ان کی حالت ظاہرا طور پر ترقی کی طرف مائل ہے۔ نیچے کا طبقہ اٹھتا جا رہا ہے، آج جو لوگ تجارت میں متوسط الحال نظر آ رہے ہیں، انہوں نے پچھلے بیس سالوں میں ترقی کی ہے، اور دوسرے لوگ بھی آگے بڑھ رہے ہیں۔ آج کل جنگی مدافعت کے سلسلے میں لکڑی کا مال جا رہا ہے اس سے کچھ نفع کی صورتیں نکل آئی ہیں، اس کے علاوہ کوئی اور نیا کام برادری کے لوگوں کے ہاتھ میں نہیں آ رہا ہے۔ لکڑی کی تجارت میں اب چند دولت مند داخل ہو رہے ہیں، لیکن ابھی تک اور کوئی نیا کام شروع نہیں ہوا ہے۔ ان کو سال آ گئے تین ہزار روپے خرچ کرنا پڑ گئے تھے، اور برادری کے لوگ [illegible] اخبار [illegible] سے آ گئے تھے لیکن خیال ہے [illegible] چند سال تک

یہ لوگ اس تجارت میں ایک چوتھائی ضرور گھس جائیں گے۔ ان لوگوں کو اب اس کام کا ذوق ہو گیا ہے، ہردوار میں ہندوؤں کا دس دس بیس بیس لاکھ کا ٹمبر کا کاروبار ہے۔ وہاں جو لوگ ملازم ہو گئے ہیں وہی دوسرے لوگوں کو سہارنپور میں بھی سکھاتے ہیں، ابھی تک برادری نے لوگوں کو کاروبار چلانے کے لئے سرمایہ کی امداد کی ضرورت پیش نہیں آئی ہے۔ خود ہی اپنا کام چلاتے رہتے ہیں لیکن انجمن تنظیم القوم کے مقاصد میں کاروبار کا تحفظ کرنا بھی شامل ہے۔ کاروبار میں جو روپیہ لگایا جاتا ہے۔ وہ آپس ہی کے لوگوں کا ہوتا ہے۔ بنیوں سے قرض نہیں لیا جاتا۔

ٹمبر کی بڑی تھوک آڑھت دہرہ دون میں ہے، جہاں اس کام کو مسلمان چلا رہے زیادہ لگے ہیں۔

سہارنپور کی تھوک آڑھت شیخ عبدالصمد صاحب کے پاس ہے، جن سے لوگ یہیں آ کر مال لے جاتے ہیں، ان کے آدمی باہر نہیں ہیں، کچھ لوگ برادری کے ایسے بھی ہیں جو دلال کا کام کرتے ہیں، اور باہر کے آدمیوں کو مال خریدنے میں امداد دیتے ہیں۔ برادری کے غریب آدمی بھی تھوڑی لکڑی باہر سے خرید کر اور شہر میں لا کر فروخت کر کے دو تین روپے پیدا کر لیتے ہیں۔ لکڑی کا اسٹاک بھی جمع رہتا ہے۔

شیخ عبدالعزیز صاحب بڑے اسٹاک رکھنے والے لوگوں میں سے ہیں۔

برادری میں مقروض لوگ نہیں ہیں۔

ایسی مثالیں بہت کم ہیں جن میں جائداد نکل کر بنیوں کے پاس پہنچ گئی ہو۔

چوب فروشان کی اصلاح کے لئے انجمن تنظیم القوم نے حسب ذیل کام انجام دئے ہیں:

ا۔ تعلیم۔ ناشر العلوم، ایک ادارہ قائم کیا جس کے زیر اہتمام ایک مدرسہ کوئی ڈیڑھ سال سے چلایا جا رہا ہے۔ اس میں ابتداءً تین طالب علم تھے لیکن اب ۹۰ طالب علم ہیں۔ نصاب میں اردو، فارسی اور حفظ کلام مجید تجوید وغیرہ، حساب، عربی کی ابتدائی کتابیں داخل ہیں۔ مدرسہ بندی نہیں ہے۔ ایک حافظ صاحب ہیں، ایک مولانا ہیں، جو فارسی و حافظ صاحب ...

ہیں۔ اس مدرسہ کو شادی بیاہ کے موقع پر برادری کے افراد عطیات دیتے ہیں جس سے مدرسہ کا ایک فنڈ جمع ہو گیا ہے۔ اس مدرسہ کے نصاب کے سلسلے میں تجویز یہ تھی کہ اس میں فی الحال ایک درجہ علام مجید اور دینیات کا ہو گا۔ ایک اردو حساب کتاب کا اور ایک درجہ صنعت و حرفت کا، لیکن ابھی طلبا کی تعداد کی کمی کی وجہ سے کام پوری طرح شروع نہیں کیا جا سکا۔

۲۔ قبرستان کمیٹی :۔ اس سال سے مجلس شوریٰ اس کو قایم کرنے کا ارادہ رکھتی ہے

۳۔ تقریب کمیٹی :۔ اس کا پروگرام اصلاح رسوم کے لئے حسب ذیل ہے :۔

موجودہ صورت	مجوزہ اصلاحات
۱۔ منگنی :۔	۱۔ منگنی
کئی خوان مٹھائی کے اور ایک دو زیور دئے جاتے ہیں۔ اور عورتیں اکٹھی ہوتی ہیں	مٹھائی پانچ سیر صرف
۲۔ درمیانی تہواروں کے موقع پر لڑکے والے کی طرف سے مہندی چوڑی جاتی تھی۔	۲۔ درمیانی تہواروں میں لڑکے والے کی طرف سے سب موقوف، البتہ لڑکی والے کی طرف سے پانچ سیر مٹھائی اور پانچ روپے تک بھیجے جا سکتے ہیں۔
۳۔ تاریخ مقرر کرنے کی مٹھائی جاتی تھی لوگ اکٹھا ہوتے تھے۔	۳۔ موقوف۔
۴۔ بری [illegible] جاتی تھیں۔ ۱۴ جوڑے وغیرہ ہوتا تھا اور زیورات۔	۴۔ سب موقوف محض سات جوڑے اور زیورات بدستور
۵۔ نکاح [illegible] ہوتا تھا،	۵۔ اب صرف عزیزوں کے درمیان نکاح [illegible]
۶۔ [illegible] کے بتاشے ہوتے تھے۔	۶۔ موقوف۔
۷۔ [illegible]	۷۔ اب لڑکے والوں کی [illegible]

تقسیم کرے گا۔

۸۔ صندوق کا طباق ۔ نکاح کے بعد مٹھائی وغیرہ رکھی جاتی تھی۔	۸۔ موقوف
۹۔ دولہا کے رشتہ داروں کے جوڑے	۹۔ موقوف محض دولہا کا ایک جوڑا۔
۱۰۔ زیورات۔	۱۰۔ بدستور
۱۱۔ برتنوں کی تعداد پہلے کئی سو تک پہنچتی تھی۔	۱۱۔ اب محض ۵۱۔
۱۲۔ پتے کا خرچ لڑکے والا لڑکی کے کمینوں کو دیتا تھا۔	۱۲۔ کو بجڑے اور بھٹیارے کو دولوں نصف نصف دیں گے ، باقی خرچ کمینوں کا فریق خود اپنے اپنوں کو دیں گے۔
۱۳۔ بکھیر۔	۱۳۔ موقوف۔ اس کی بجائے فقرا کو دیا۔
۱۴۔ کھانا رخصت کا ایک لڑکی والے کے ذمتہ ہوتا تھا۔	۱۴۔ یہ لازمی کر دیا گیا۔ کل برادری کو د[illegible] چاہے زیورات اور دوسری چیزیں [illegible] کر دی جائیں۔
۱۵۔ ولیمہ۔	۱۵۔ یہ بھی لازمی کر دیا گیا۔ تمام براد[illegible]
۱۶۔ مکلاوا۔	۱۶۔ موقوف۔

انجمن تنظیم الاقوام کے اغراض و مقاصد حسب ذیل مقرر کئے گئے تھے :۔

(۱) ان مسرات کا جو کہ شہر شہارنپور میں اہل برادری کے ہیں ، ایک رجسٹر مردم شمار مرتب کرنا ، و نیز پیدایش و اموات کا اس میں اندراج۔

(۲) اپنی قوم کے شجرہ نسب کی تحقیق کرنا اور مہیا ہو جانے پر طبع کرا کر اس کا ریکار[illegible]

[illegible] قوم کے [illegible] حرکت

ہر ممکن جدوجہد کرنا۔

(۴) برادری کی اشیاء منقولہ وغیر منقولہ کی حفاظت اور نگہداشت کرنا۔

(۵) برادری کے قبرستان کی صفائی وغیرہ کا معقول انتظام کرنا۔

(۶) سابقہ کاغذات ورجسٹران متعلقہ قوم وقومی روپیہ کی وصول یابی اور اس کا حساب۔

(۷) قومی غربا، یتامیٰ و بیواؤں کے ساتھ ہمدردی اور ان کی امداد و نگہداشت کرنا۔

(۸) شرعی نقطۂ نگاہ کو مدنظر رکھتے ہوئے مروجہ رسومات قبیحہ ومنکرات کی برادری میں سے بیخ کنی کرنا۔

(۹) برادری میں باہمی نفاق وخلفشار کو دور کرنے اور اتفاق واتحاد پیدا کرنے کی کوشش نیز برادری کے کسی فرد کی خوشی اور غمی میں کثیر تعداد میں شرکت کرنا۔

(۱۰) کسی امر کی اطلاع کے لئے کوئی اشتہار و نیز سالانہ یا کسی عرصہ کی روئداد شایع کرنا اور وقت آنے پر حسب استطاعت کسی قومی رسالہ کا اجراء اور اس کے کاموں کو فی الحال شہر بہار پور تک محدود رکھنا۔

ہم نے چوب فروشوں کی برادری کی انجمن تنظیم القوم کے حالات کو بیان کرنے میں قصداً فیروزی لت سے کام لیا ہے۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ خود برادری کے اندر جو اصلاحی تحریکیں اٹھ رہی ہیں ان کی نوعیت اور اہمیت کو نمایاں کیا جائے۔ اس ضمن میں ایک اور بات کی طرف بھی توجہ دلانا ضروری ہے کہ انجمن کی متذکرہ بالا سالانہ روئداد کو چھبیس صفحوں میں شایع کیا گیا ہے لیکن اس کا تقریباً نصف حصہ اس جھگڑے کے تذکرے کے لئے وقف کر دیا گیا ہے، جو برادری کے ایک فرد کے تصور سے پیدا ہوا تھا کہ اس نے اپنی لڑکی کی شادی غیر کفو میں کر دی تھی۔ برادری کے کچھ حضرات کے نزدیک [illegible] اس لئے برادری نے حقہ بندی کی صورت اختیار کی [illegible] تینوں کو انجمن تنظیم القوم سے [illegible]

[illegible]

ترکی جمہوریت کی اصلاح و ترقی کے تیئیس سال (۲)

سرزمین ترکی کی یہ ایک بڑی بدنصیبی ہے کہ اس ملک میں سیاحت کے لئے جو غیر ملکی آتے ہیں جب یہاں سے لوٹتے ہیں اور واپسی پر اپنے ہم وطنوں کو ترکی کے چشم دید حالات سناتے ہیں ان کے بیان کرنے میں توازن اور بے تعصبی کو قایم نہیں رکھ سکتے۔ ترکی کی مبالغہ آمیز تعریف اور مذمت کا یہ سلسلہ گلیڈاسٹن اور ڈزرئیلی کے زمانے سے چل رہا ہے، جو کام اپنے وقت یہ دونوں سیاسی حلیف انجام دیا کرتے تھے اب وہی کام ایسی کتابیں، مقالے اور دیگر تصنیفیں انجام دے رہی ہیں جن کی بیشتر تعداد کھلے طور پر موافقت یا مخالفت کرنے کے لئے شایع کی جاتی۔ جنگ عظیم اول اور جنگ عظیم ثانی کے درمیانی سالوں میں ترکی کے مداحوں کو غلبہ حاصل رہا اور انقلاب کی کامگاریوں کی اتنی مدح سرائی کی گئی کہ وہ مضحکہ خیز بن گئی۔ چنانچہ ترکی کی تعریف میں یہ گیا کہ وہ ایک لبرل جمہوری اور صنعتی ملک بن گیا ہے۔ مشرق وسطیٰ میں اس کی وہی حیثیت ہو گئی جو شمالی یورپ میں سوئڈن اور ناروے کی ہے۔ دوسری طرف کچھ ایسی تصنیفیں بھی شایع ہوئی جن میں کہا گیا کہ ترکی نے ظاہری لباس تو ضرور تبدیل کر لیا ہے لیکن باطن میں نئی جمہوریت کی تہ نیچے ترکی کی [illegible] بددیانتی اور نااہلیت اپنے محکوم علاقوں اور قوموں پر حکومت کے معاملے میں بالکل ویسی ہی ہے جیسی مرکزی ایشیا کے کسی خانہ بدوش قبیلے سے توقع کی جا سکتی ہے۔ چند برسوں سے ان دونوں متضاد تصویروں [illegible] کچھ سیاسی سنگ آمیزی [illegible] نظر آنے لگی۔ اب ایک طرف ترکی کو ایک [illegible] جمہوریت [illegible] سے موسوم کیا [illegible] جاتا ہے۔

ہوئی ہے تو دوسری طرف اُسے فاشستی ڈکٹیٹرشپ سے بھی نامزد کیا جاتا ہے۔ اسے کہا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ تو نازی جرمنی کی پوشیدہ طور پر حلیف رہ چکی ہے۔ مملکت متحدہ روس کے خلاف جو سازشیں گوئبلز اور ربن ٹراپ کر رہے تھے۔ ان کی تمام روایات اور طریقہ کار کا سارا ترکہ تو اسی ترکی کو ملا ہے۔

یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ سب تصویریں یکساں طور پر غلط اور تعصب پر مبنی ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جمہوریت ترکی نے سماجی اور معاشی اصلاح کے سلسلے میں بڑا زبردست کام کیا ہے لیکن پھر بھی ترکی کی ترقی ابھی اس مرتبہ تک نہیں پہنچ سکی ہے کہ اُسے مشرق کے سوئٹزرلینڈ کا نام دیا جا سکے۔ نہ اسی طرح یہ کہنا صحیح ہے کہ ترکی میں چنگیزی حکومت نئے انتظام کے ساتھ چلائی جا رہی ہے۔ ترکی میں پارلیمانی ڈیماکریسی اس مفہوم کے ساتھ جو مغربی یورپ میں اس کا سمجھا جاتا ہے موجود نہیں ہے اگرچہ اب کچھ دنوں سے مغربی یورپ میں بھی ڈیماکریسی کی تعریف کرنا بہت دشوار کام ہو گیا ہے۔ ذیل میں ترکی میں جو صورت حال واقعی ہے اسے بیان کرنے کی کوشش کی جائے گی اور اس میں ترکی کے خارجی تعلقات کے مسائل سے جن کی وجہ سے بہت سے مشاہدہ کرنے والوں کی رائے پر اثر پڑتا ہے کوئی سروکار نہیں رکھا جائے گا۔ یہی وہ طریقہ ہے جسے اختیار کر کے ترکی کے جمہوری دورِ حکومت کے تیئیس سالہ وجود کی کامیابیوں اور ناکامیوں کا معقول طریقہ پر جائزہ لیا جا سکتا ہے۔

ترکی کی جمہوریت جب ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو قائم ہوئی تو ملک کی حالت بہت افسوسناک تھی۔ اس کی معاشی و [illegible] زندگی دس سال سے زیادہ کی جنگ، خانہ جنگی، غیرملکی قبضہ اور اقتدار کی وجہ سے کلی طور پر [illegible] ہو چکی تھی۔ ترکی میں تباہی اور افلاس کا دور دورہ تھا۔ محنت کرنے والے [illegible] مسائل [illegible] ختم ہو گئے تھے۔ جو تھوڑی بہت صنعت و تجارت ملک میں تھی [illegible] کے ہاتھ میں تھی۔ سماجی اور تہذیبی [illegible] تھی [illegible] کے [illegible] حال تھی۔

[illegible] سے ۱۰ نومبر ۱۹۳۸ء تک جب مصطفےٰ کمال اتاترک کی موت واقع ہوئی، ملک کی رہنمائی ان ہی کے مضبوط ہاتھوں میں رہی، کیونکہ یہی انقلاب کے بانی اور جمہوریت کے صدر اول تھے جس طریقۂ حکومت کو انھوں نے قایم کیا اس کی ظاہری شکل تو جمہوریت کی سی تھی لیکن عملاً اس میں مطلق العنانی پائی جاتی تھی۔ اس بات پر اکثر مشاہدہ کرنے والوں کا اتفاق ہے کہ شروع کے اس زمانے میں اس طریقۂ حکومت کے علاوہ ملک میں کوئی دوسرا طریقہ ممکن ہی نہیں تھا۔ ان سالوں میں اصلاح کی نہایت زبردست کوششیں کی گئیں۔ عورتوں کی آزادی (یعنی پردے اور تعدد ازدواج کا خاتمہ، اور عورتوں کا بہت سے پیشوں اور ملازمتوں میں داخلہ) سرکاری اور تمدنی زندگی میں دین کی جگہ دنیا کا غلبہ و استیلا، رومن رسم خط کا رواج، حکومت کے انتظام میں قومی بنک کاری اور قومی صنعت کی ترقی۔ یہ چند وہ کارنامے ہیں جن کا سہرا کمالی دور حکومت کے سر ہے۔ اتاترک کی قایم کی ہوئی بنیادوں کے مضبوط ہونے کا سب سے بڑا ثبوت شاید یہ ہے کہ اتاترک کے انتقال کے بعد بھی جمہوریت کو قایم رکھا جا سکا اور ملک میں وہ بدنظمی اور انتشار رونما نہیں ہوا جو ایک طاقتور آدمی کے مرنے کے بعد عام طور پر ہوتا ہے۔ اتاترک کے بعد عصمت انونو کو جمہوریت کا صدر بنایا گیا اور یہ ابھی تک اس عہدے پر فائز ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ حکومت کی اس تبدیلی سے کوئی فوری تبدیلی نہیں ہوئی لیکن پھر بھی کئی سال گزر جانے کے بعد اب ان باتوں کا پتہ لگایا جا سکتا ہے جن میں عصمت انونو کی پالیسی مصطفےٰ کمال سے مختلف رہی

پچاس لاکھ آدمی بے زمین ہیں

ترکی میں ابھی تک زراعت کے پیشے کو غلبہ حاصل ہے۔ ترکی کی حکومت کی طرف سے جو اعداد شایع کیے گئے ہیں ان کے مطابق تقریباً اسی فی صدی آبادی کا ذریعہ معاش زراعت ہے۔ ملکیت آراضی کا انتظام کچھ اس طرح کا ہے، اور ایک بڑا حصہ کے قبضہ میں جو رقبہ ہوتا ہے وہ اکثر ایسے قطعات پر مشتمل ہوتا ہے جن [illegible] کاشتکار [illegible] ہے۔ [illegible] یا دینا پڑتا ہے [illegible] حاصل کرتا ہے

[illegible] حاجت [illegible] کی [illegible] حل؟

اسے بیان نہیں کیا جا سکتا لیکن ترکی اخبار سے جو حسب ذیل اعداد دیئے گئے ہیں انہیں خاصا قابل اعتماد سمجھا جا سکتا ہے۔ ترکی کے مزرعوں کو تین عنوانوں کے ماتحت رکھا جا سکتا ہے:۔

(الف) چھوٹے مالکوں کے مزرعے: یہ ایک سو پچیس ایکڑ تک کے ہوتے ہیں ان کا اوسط رقبہ چالیس ایکڑ سمجھنا چاہئے لیکن ملک کے بعض حصوں میں یہ پانچ ایکڑ تک کے بھی ہیں۔ چھوٹے مالکوں کے یہ مزرعے کل تعداد کا ستانوے فی صدی ہیں۔

(ب) درمیانی مزرعے:۔ یہ ایک سو پچیس سے ایک ہزار دو سو پچیس ایکڑ تک کے ہوتے ہیں ان کی کل تعداد پانچ ہزار سات سو ہے اور یہ کل کا صرف ۲،۲ فی صدی ہیں۔

(ج) بڑے مزرعے:۔ یہ وہ مزرعے ہیں جن کا اوسط رقبہ پونے چار ہزار ایکڑ ہے اور یہ پانچ لاکھ ایکڑ پر مشتمل ہیں۔ ان مزرعوں کے مالک عام طور پر گاؤں میں نہیں رہتے۔ یہ یا تو اپنے کارندوں اور اجرت پر کام کرنے والے مزدوروں سے اپنا کام کراتے ہیں یا پھر اپنی زمینوں کو چھوٹے رقبوں میں بانٹ دیتے ہیں اور پھر کسان ان کی جٹائی بٹائی پر کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ موخر الذکر طریقہ بہت عام ہے۔

ان تین خاص عنوانوں کے علاوہ مذہبی اور سرکاری زمینیں بھی ہیں اور یہ بھی عام طور پر بٹائی پر کسانوں سے کاشت کرائی جاتی ہیں اور کچھ سرکاری مزرعے بھی ہیں۔ یہ عام طور پر یا تو سانڈھوں کے فارم ہیں یا نمونے کے فارم یا زراعتی اسٹیشن یا پودوں کے انتخاب کے اسٹیشن وغیرہ۔

ترکی کی کاشت کا عام معیار بہت پست ہے ترکی کے کسانوں کا ایک بڑا حصہ بے زمین ہے چھوٹے قبضے قطعات اتنے مختصر ہوتے ہیں کہ ان کے قابض چاہے وہ مالک ہوں یا [illegible] مجبور ہوتے ہیں کہ زندگی کے کم ترین وسائل فراہم کرنے کے لئے پنجوں کے کسی ہنر سے [illegible] [illegible] [illegible] یا پاس کے شہر میں کسی فیکٹری کا کام کریں۔ ترکی کی حکومت کی طرف سے [illegible] [illegible] ان میں کسانوں کے بے زمین خاندانوں کی تعداد ایک [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ان خاندانوں کو [illegible] کرنے کی [illegible]

جن کی مقبوضہ زمین اتنی کم ہے کہ وہ محض اس کی آمدنی پر گزر نہیں کرسکتے۔ ان دونوں کی مجموعی تعداد پچاس لاکھ ہوتی ہے یعنی ترکی کی مجموعی دیہی آبادی کا تقریباً ایک تہائی۔

حکومت کی طرف سے اگرچہ بہت سی کوششیں کی گئی ہیں لیکن پھر بھی ترکی کی زراعت کے طریقے ابھی تک بہت ابتدائی ہیں اور گاؤں میں سماجی اور حفظانِ صحت کی سہولتوں کا تو قطعی فقدان ہے۔ اس کے اسباب یہ ہیں کہ رقبہ وسیع ہے، ذرائع نقل و حمل خراب ہیں اور ملک کی آبادی ضرورت سے کم ہے۔ محاصل کا بوجھ بھی ترکی کسان کی کمر پر بہت بڑھ گیا ہے۔ ایک طویل زمانے سے اس بات کی کوششیں کی جارہی ہیں کہ ترکی کے دیہاتوں میں جدید طریقے رائج کئے جائیں۔ ترقی کی رفتار گو سست ہے لیکن پھر بھی ترقی کے وجود سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

اصلاحِ زمین کا قانون

زراعت کے میدان میں سب سے زیادہ انقلابی قدم اصلاحِ زمین کا قانون ہے۔ اس کے مسودے کو طویل بحث و مباحثہ کے بعد ترکی پارلیمنٹ نے منظور کرلیا اور ۱۱ر جون ۱۹۴۵ء کو یہ قانون بن گیا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ترکی کی سرزمین کو آزاد چھوٹے زمینداروں کا مسکن بنادیا جائے اس میں تجویز کی گئی ہے کہ زمین کسانوں کے ان خاندانوں کو عطا کی جائے جن کے پاس اب بالکل نہیں ہے یا بہت کم ہے اور ان نئے زمینداروں کو بے سود قرض اس غرض سے دیا جائے کہ وہ اصل کو ترقی دے سکیں اور سامان اور مویشی وغیرہ کو فراہم کرسکیں۔

توقع یہ کی جاتی ہے کہ اس اسکیم کے ماتحت ۵ لاکھ آدمیوں کو فائدہ پہنچے گا۔ اس سے ملک کا مزروعہ رقبہ بڑھ جائے گا، کارکردگی اور پیداوار میں اضافہ ہوگا اور زندگی کا معیار بلند ہوجائے گا اس کام کے لئے سرکاری غیر مستقل اسنجی اداروں کی زمین، گاؤں کی زائد زمین، میونسپلٹیوں کی زیر معلوم مالکوں کی زمین، بافتادہ زمین اور بڑی مزروعہ سے حاصل کی ہوئی زمینیں استعمال کی جائیں گی بعض صورتوں سے بڑے مالکوں کی زمینیں معاوضہ دے کر دخل کرلیا جائے گا۔ جن زمینداروں کی ملکیت [illegible] مجموعی رقبہ کے مطابق [illegible]

جائے گا اور یہ معاوضہ چار فی صدی کے سرکاری تمسکات کی صورت میں دیا جائے گا جنھیں
ں سالانہ قسطوں میں جاری کیا جائے گا۔ جن لوگوں کو اس قانون سے فائدہ پہنچے گا وہ علی الترتیب
سب ذیل ہوں گے۔

(۱) پٹہ دار اور بٹائی پر کاشت کرنے والے جو اس وقت زمین کے مالک نہیں ہیں۔
(۲) ایسے چھوٹے قابضان آراضی جن کے پاس ناکافی زمین ہے۔
(۳) پرانے زراعتی مزدور جن کے پاس زمین نہیں ہے۔
(۴) خانہ بدوش اور راجع بہ وطن مہاجر۔
(۵) زراعتی مدرسوں کے گریجویٹ جن کے پاس یا تو زمین نہیں ہے یا کم ہے۔
(۶) وہ دوسرے آدمی جنھیں زراعت کی وزارت موزوں سمجھے۔

فائدہ اٹھانے والے سب آدمیوں کے لئے ترک ہونا اور سب کا خود کاشت کرنا لازمی ہوگا
اس تجویز پر پارلیمنٹ اور پریس میں خوب گرما گرم بحث ہوئی۔ بائیں بازو نے کہا کہ یہ نازی
صولوں پر مبنی ہے اور اس کی وجہ سے ملک کی پیداوار کم ہو جائے گی۔ دائیں بازو نے اس کی
فت یہ کہہ کر کی کہ اس میں کمیونزم کا رنگ ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اگر اس قانون پر حسب منشا عمل درآمد کیا گیا تو اس کی وجہ سے ترکی
ں بڑا زبردست انقلاب رونما ہو جائے گا۔ اس کی کامیابی کا انحصار حسب ذیل باتوں پر ہوگا۔ اول تو
کسانوں کے جوابی عمل اور تاثر پر دوسرے اس ایمانداری اور مستعدی پر جس کے ساتھ سرکاری
عہدار اپنے اس عظیم الشان فریضہ کو انجام دیں گے، اور تیسرے ان ذرائع نقل و حمل نئی طرز کو
فت کے انتظامات وغیرہ کی فراہمی پر جس کے بغیر ترکی کی زراعتی ترقی کی تمام اسکیمیں ازنا کام ثابت
ں گی۔

[illegible] کے بارے میں کچھ زیادہ لکھنے کی گنجائش نہیں ہے یہ دونوں
دت اور [illegible]
[illegible] فی صدی سے زیادہ آبادی کے لئے ذریعہ معاش فراہم کرتی

انقلاب کے وقت صنعت کا تو کوئی وجود ہی نہیں تھا اور تجارت تقریباً تمام یا تو غیر ملکیوں کے ہاتھ میں تھی یا غیر ملکی دیسی اقلیتوں کے ہاتھ میں۔ تمام ماہر مزدور، منتظمین اور کاروباری آدمیوں کا تعلق بھی انہی طبقوں سے تھا۔

سنہ ۱۹۲۳ء کے بعد سے ترکی کی حکومت نے صنعتی ترقی میں سب سے زیادہ حصہ لیا ہے مختلف بنکوں کے ذریعہ اور حکومت کی نگرانی میں ڈائرکٹریٹ قائم کر کے اس نے ایک پروگرام شروع کیا جس میں ریلوں کی تعمیر، سوتی کپڑوں کی صنعت کی ترقی اور لوہے اور فولاد کا کارخانہ جسے ستمبر ۱۹۳۹ء میں کارابک میں قائم کیا گیا شامل تھے۔ اس کے علاوہ دوسری صنعتوں (مثلاً کاغذ، گتے، سیلولوس، معدنیات ریشم وغیرہ) کو بھی ترقی دی جا رہی ہے اور نجی انتظام میں چلنے والے کارخانوں کا بھی آغاز ہو گیا ہے ترکی کی تجارت میں اقلیتوں کا حصہ ابھی تک زیادہ ہے لیکن اسے آہستہ آہستہ ایک طرف تو سرکاری شاخوں کو قائم کر کے اور دوسرے امتیازی قوانین بنا کر کم کیا جا رہا ہے۔

ترکی کی معاشی زندگی پر جنگ کا اثر بہت نقصان رساں ثابت ہوا ہے۔ ملک کے وسائل کو کئی سال تک جنگ کی تیاری کے لئے وقف کئے رہنے اور جنگ کے زمانے کے تجارتی حالات اور تجارت خارجہ کی پالیسی میں دو رخہ حساب کے نظام کا جس پر ترکی عملدرآمد کرتی رہی ہے نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ملک کی معیشت میں سخت ابتری رونما ہو گئی ہے قیمتیں ایسی بلندی پر پرواز کر رہی ہیں جس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ ایک طرف ترکی کی برآمد میں رکاوٹ پیدا ہوئی دوسری طرف ملک کے اندر افراط زر کی وجہ سے پیچیدہ معاشی اور سماجی مسئلے پیدا ہو گئے ہیں۔ راشننگ اور نگرانی قیمت کے جو طریقے جاری کئے گئے وہ بہت محدود رہے ہیں اور اکثر بے اثر ثابت ہوئے ہیں۔ ترکی کی حکومت اب افراط زر کے مسئلے کو حل کرنے اور ترکی کی قیمتوں کو دنیا کی منڈیوں کی قیمتوں کے برابر کرنے کی ایک اور کوشش کر رہی ہے مگر اس میں اسے کامیابی ہوئی تو اس سے [illegible] اور رشوت ستانی اور بے اطمینانی میں بہت کمی ہو جائے گی جس نے جنگ کے [illegible] ترکی کی اندرونی صحت کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔

سی منظر

ترکی جمہوریت کے جس دستور کو مصطفےٰ کمال نے قائم کیا تھا وہ پارلیمانی اور ڈیماکریٹک
طرز کا تھا اور اس میں ایک منتخب شدہ مقننہ اور عام جمہوری سہولتوں کا اہتمام کیا گیا تھا
لیکن عملی طور پر ترکی ایک ہی سیاسی جماعت کی آمرانہ حکومت تھی اور اس میں صرف ایک سرکاری
ہوری عوام کی جماعت" کو کام کرنے کی اجازت تھی جس مصطفےٰ کمال اتاترک کے ارادوں کے جمہوری
نے میں شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے اور یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ ۱۹۲۴ء میں
وں نے کئی مرتبہ مخالف پارٹی کو آزادی سے کام کرنے کی اجازت دینے کی کوشش کی لیکن ملک
سی پس ماندہ اور غیر مستحکم حالت تھی اس میں یہ چیز چل نہیں سکی اور ۱۹۳۰ء میں مصطفےٰ کمال اتاترک نے
دستوری مخالف جماعت کو پیدا کرنے کی کوشش کو ترک کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس کے بعد سے ڈیماکریسی سے بالواسطہ اور تدریجی لگاؤ رہا۔ کتابوں اور رسالوں کو آزادی رائے
بہت خاصی اجازت حاصل رہی لیکن روزنامہ اخباروں پر وزارت داخلہ کے محکمہ تحفظ کی سخت نگرانی
کی گئی۔ جمہوری عوام کی جماعت" کے اندر ایک مختصر مخالف جماعت کو سرکاری سرپرستی میں سیفٹی
و کے طریقے پر پیدا کیا گیا اور اسے پارلیمنٹ میں ایک مقررہ تعداد حاصل کرنے کی اجازت دی
نشستیں تک پہنچ گئی۔ انتخابات میں صرف سرکاری امیدواروں کو کھڑے ہونے کی اجازت دی جاتی
لیکن بعض وقت ایسا ہوتا تھا کہ سرکاری امیدواروں کی تعداد نشستوں سے زیادہ رکھی جاتی تھی
اس طرح انتخاب کنندگان کو سیاسی انتخاب کا تو نہیں لیکن شخصی انتخاب کا موقع مل جاتا تھا۔ "جمہوری
عوام کی جماعت" کے دونوں بازوؤں اور پارلیمنٹ کی کارروائیاں راز میں رکھی جاتی تھیں کسی منظم سیاسی
مخالفت کی اجازت نہیں تھی اور آزادی خیال کی جو محدود اجازت تھی اُسے بھی اس حد تک نہ بڑھنے
دیا جاتا تھا کہ وہ نظام حکومت کے لئے ایک خطرہ بن جائے۔ مثال کے طور پر مارکسیت ادبیات
چھاپنے اور فروخت کرنے کی اجازت تھی لیکن کمیونسٹوں کو گروہ بندی کی ممانعت تھی۔ اس نظام
عملی تائید میں یہ بات عرض کی جا سکتی ہے کہ سیاسی مخالفوں پر کوئی مقدمہ نہیں چلایا جاتا تھا
نظم کا انسان [illegible] پڑھے لکھے لوگوں کو وسطی یا مشرقی اناطولیہ کے دیہاتوں

دوسرے علاقوں میں منتقل کر دیا جاتا تھا یا انہیں غیر ملکوں کو روانہ کر دیا جاتا تھا لیکن اس سے زیادہ سختی بہت کم کی جاتی تھی لیکن کمالی دور کی نہایت اہم خصوصیت شاید یہ تھی کہ حقیقتاً اس کی کوئی واقعی مخالفت تھی ہی نہیں، جب قدیم رجعت پسندوں کو جن کا واحد مقصد سلطنت عثمانیہ اور خلافت کو دوبارہ قایم کرنا تھا ختم کر دیا گیا تو کمال پسندوں کے مقابلہ میں کوئی ایسی حریف منظم جماعت باقی ہی نہیں رہی جو اس قسم کی پوشیدہ مخالفت کرتی جیسی کہ مستبد حکومتوں کے خلاف کی جاتی ہے۔ اس اقلیت کے علاوہ جو سلطان کو دوبارہ تخت خلافت پر بحال کرنا چاہتی تھی اور جس کی تعداد تیزی سے گھٹتی جا رہی تھی۔ اس بات کو ماننا پڑے گا کہ ترکوں کی وہ غالب اکثریت جو کچھ سیاسی فکر و شعور رکھتی تھی، کمالی دور حکومت کی پالیسیوں اور طریقوں سے بڑی حد تک مطمئن تھی۔

مصطفےٰ کمال اتاترک کی جگہ جب انونو نے لی تو اس کی وجہ سے کوئی فوری تبدیلی رونما نہیں ہوئی بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جنگ کے آغاز کے بعد جب ہنگامی صورت حال رونما ہوئی تو ترکی میں حکومت کی مطلق العنان خصوصیات اور زیادہ بڑھ گئیں۔

لیکن تقریباً ۱۹۴۲ء کے بعد سے پالیسی میں ایک نمایاں تبدیلی نظر آنے لگی۔ اس وقت سے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے، ترکی آزادی اور ڈیماکریسی کی طرف زیادہ بڑھتی جا رہی ہے۔ اس میلان کو متعدد راہوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ غالباً ان میں سب سے زیادہ نمایاں روزانہ اخباروں کی اظہار خیال کی آزادی ہے۔ ترکی اخبارات میں اب رائے کے اختلاف میں ایسی وسعت پیدا ہوگئی ہے جیسی پہلے کبھی نہیں تھی۔ اب یہ حکومت پر تنقید کر سکتی ہے اور کرتی ہے اور بعض موقعوں پر انہوں نے حکومت سے استعفے کا بھی مطالبہ کیا ہے (اس کا ایک دلچسپ شاخسانہ اعتراضوں کی اس بوچھار کو بھی سمجھنا چاہئے جو حال کے مہینوں میں اخباروں کی آزادی کی کمی کے خلاف جاری ہے) پارلیمنٹ کی کارروائی کی رپورٹ اب اخباروں میں چھپنے لگی ہے اصحاب منتخب شدہ نمائندوں کو حکومت کے اراکین اور ان کی پالیسیوں پر اعتراض کرنے کی پوری آزادی حاصل ہو گئی ہے ۱۹۴۲ء کے موسم خزاں میں بہت ... سے ... پالیسی کی ...

[illegible] ہوا تھا لیکن بعد میں اس نے اس پر سخت تنقید کی۔ اس تنقید کا لب ولہجہ اتنا سخت تھا جتنا بہت عرصے سے نہیں سنا گیا تھا اور اس کی اہمیت اس لئے زیادہ تھی کہ تنقید کرنے والا شخص ایک ممتاز اور وسیع حیثیت کا مالک تھا۔ پروفیسر کا جمہوری عوامی جماعت سے اخراج کر دیا گیا اور اس بات کے لئے یہ عذر پیش کیا گیا جو نامعقول نہیں تھا کہ ان کے خیالات ایسے ہیں جو رکنیت کے منافی ہیں۔ اس کے علاوہ ان کو کسی طرح نشانہ ظلم نہیں بنایا گیا اور نہ ان کی تحریروں اور تقریروں کو ضبط کیا گیا۔

اس بات سے یہ مبالغہ آمیز نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہوگا کہ ترکی میں اظہار رائے کی پوری آزادی ہے۔ اخباروں کو اب بھی وقتاً فوقتاً معطل کر دیا جاتا ہے اور ناگوار باتوں کو شائع کرنے کی پاداش میں ایڈیٹروں پر جرمانے کئے جاتے ہیں لیکن پھر بھی اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ واضح آزادی کی طرف ایک میلان پایا جاتا ہے اور اس جانب خاصی ترقی کی جا چکی ہے۔

ترکی میں کمیونسٹ، فاشسٹ اور لبرل

زمانے کے نئے رجحان کی ایک اور نشانی یہ ہے کہ حکومت کے خلاف ایک ہی مخالف جماعت بلکہ متعدد مخالف جماعتیں بن رہی ہیں۔ ان میں سے ایک کمیونسٹ ہے یا کمیونسٹ قریب بائیں خیال کی جماعت ہے۔ ظاہر ہے یہ ابھی تک سیاسی جماعت تو نہیں بن سکی ہے لیکن ایک مکتب خیال کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کے پیرو تعلیم یافتہ طبقوں اور طالب علموں میں ملتے ہیں۔ ان میں صباح الدین علی جو ترکی کا مشہور ناول نویس اور افسانہ نگار ہے اور ناظم حکمت ایک ممتاز شاعر جس کا نوجوانوں پر بہت اثر ہے [illegible] روزنامہ اخبار [illegible] اسی مکتب کی ترجمانی کرتا ہے۔

کمیونسٹوں کی ایک انتہا پسند [illegible] کے بالمقابل دوسری انتہا پر اتحاد تورانیان [illegible] ہے جس کو فاشسٹ جماعت سمجھنا چاہئے۔ یہ جماعت انتہا پسند قوم پرستوں کی ہے اور اس [illegible] [illegible]

سنہ ۱۹۴۴ء کے آخری حصے میں حکومت نے اتحاد تورانیان کی تحریک کو اہمیت دینا شروع کر دی اور بیس آدمیوں پر جن میں اس تحریک کے رہنما بھی شامل تھے۔ ایک فوجی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا اسی زمانے میں کمیونسٹ کے خلاف بھی کارروائی کی گئی

تعلیم یافتہ ترکی نوجوانوں میں اتحاد تورانیان اور کمیونسٹ تحریک کی ترقی سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اب خالص قومیت کا پروگرام سیاسی طور پر باشعور نئی نسل کو مطمئن کرنے کے لئے کافی نہیں رہا ہے، کیونکہ روایتی قومیت کے جتنے مقاصد ہو سکتے ہیں وہ ترکی میں حاصل کئے جا چکے ہیں۔ شاید موجودہ ترکی کے سامنے سب سے اہم مسئلہ یہی ہے کہ نئی نسل کے سیاسی خیالات کی سمت کیا ہوگی۔

ان دو انتہا پسند فرقوں کے علاوہ جن کی ترقی ابھی تک بہت محدود ہے۔ لبرل، ڈیماکریٹک مخالفت کی ترقی کو بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ تحریک متوسط عمر کی اس نسل میں پائی جاتی ہے جس کی تعلیم مغربی خیالات اور اداروں کے اثر کے ماتحت ہوئی ہے۔ کچھ عرصہ سے اس قسم کی افواہ گرم تھی کہ ایک نئی جماعت تعمیر کی جانے والی ہے اور اس سلسلے جلال بایر سابق وزیر اعظم اور رستو اراس سابق وزیر خارجہ اور لندن کے سفیر کے نام پیش کئے جاتے تھے۔ جنوری سنہ ۱۹۴۶ء میں بایر کی رہنمائی میں ایک ڈیماکریٹک پارٹی کے قیام کا اعلان کیا گیا اور ترکی میں صرف ایک سیاسی جماعت کی حکومت ختم ہو گئی۔ لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ ابھی اس بات کا اندازہ کرنا بہت قبل از وقت ہے کہ دو جماعتوں کا نظام ترکی میں کس طرح کام کرے گا۔

سیاسی منظر سے نگاہ ہٹانے سے پہلے ایک اور سوال کا جواب دینا بھی ضروری ہے

قومی اقلیتیں ۔ یعنی اقلیتوں کا مسئلہ کیا ہے؟ پہلی جنگ عظیم کے بعد جب غیر ترکی علاقے حوالے کر دئے گئے تو ترکی تقریباً یک جنس ملک ہو گئی تھی لیکن پھر بھی کچھ اقلیتیں ترکی میں باقی رہ گئی تھیں اور انھیں معاہدوں کے تحت رکھا جا سکتا ہے۔ ان میں سے اول تو کرد ہیں یہ [illegible] آبادی ہیں [illegible] کے قریب ہے اور یہ اناطولیہ کے جنوب مشرقی صوبوں میں آباد ہیں۔ ترکی کی [illegible]

دی ہے۔ کردوں کی بغاوتیں ۱۹۲۵ء، ۱۹۲۹ء اور ۱۹۳۶ء میں دبائی گئیں اور بہت سالوں سے شرقی
فوجی انتظام کے ماتحت ہیں اور انھیں سرحد کی طرف سے بھی خطرہ لگا ہوا ہے۔ سرحد کے پار ایرانی
ستان کا جو رقبہ روسیوں کے قبضہ میں ہے وہاں کردوں کے قومی رجحانات کی حوصلہ افزائی کی جا رہی
ن کے اثرات ترکی کے کردوں تک بھی ضرور پہنچیں گے اور مستقبل قریب میں ہو سکتا ہے کہ اس سے
ت کا ایک پیچیدہ مسئلہ پیدا ہو جائے۔

دوسرے عنوان کے ماتحت سوا لاکھ یونانیوں، ۸۰ ہزار یہودیوں اور پچاس ہزار آرمینوں کو رکھا
لتا ہے۔ ان میں سے اکثر استنبول اور دوسرے بڑے شہروں میں رہتے ہیں۔

ترکی جمہوریت کا رویہ ان اقلیتوں کی طرف بصورت مجموعی اچھا رہا ہے۔ جولائی ۱۹۳۴ء میں
ایک مرتبہ مشرقی تھریس میں یہودیوں کے خلاف فساد ہوا تھا جسے مصطفےٰ کمال نے بہت تیزی اور
ن کے ساتھ دبا دیا تھا۔

اتاترک کے انتقال کے بعد سے اقلیتوں کے ساتھ ترکوں کے رویہ میں کچھ خرابی رونما ہوگئی
۔ نظری طور پر تو تمام اقلیتیں قانون کی نگاہ میں مساوی ہیں۔ لیکن عملاً غیر مسلموں کے ساتھ امتیازی سلوک
یا جاتا ہے۔ مثلاً فوجی عہدوں سے انھیں تقریباً محروم کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح اکثر سرکاری عہدے ان
یں دیے جاتے۔ غالباً نسلی اور مذہبی تعصب کی بدترین مثال ۱۹۴۲-۴۳ء کے محصول سرمایہ کو سمجھنا چاہئے
بکہ یونانیوں، یہودیوں اور آرمینیوں کی جائداد پر غیر منصفانہ محاصل تشخیص کئے گئے اور ان میں سے بہت
وہ لوگ جو محصول ادا نہیں کر سکے انھیں اناطولیہ کی سڑکوں پر جبریہ محنت کرنے کے لئے روانہ کر دیا گیا
ول سرمایہ کا حقیقی مقصد دراصل یہ تھا کہ اقلیتوں کو تجارت و صنعت سے خارج کر کے مسلم ترکوں
منتقل کر دی جائے۔ جب ملک کے اندر اور باہر اس کے خلاف سخت احتجاج کیا گیا تو یہ بیگم بتدریج
کر دی گئی ۱۹۴۳ء کے آخر اور ۱۹۴۴ء کے شروع میں جلاوطن کئے ہوئے لوگوں کو آزاد کیا گیا اور
یول شدہ محاصل معاف کر دئے گئے۔

[illegible] تمام تر [illegible] بات ظاہر ہوتی ہے کہ ترکی اس وقت ایک ایسے دور سے گزر رہا ہے

ابھی تک بہت سی باتوں میں وہ اپنی مشرقی خصوصیات پر قائم ہے۔ اس کی آبادی میں پس ماندہ زرعی طبقہ کی اکثریت ہے۔ مزدور سبھائیں آزادانہ اور باہمی امداد کی انجمنیں اور اسی طرح کی دوسری تحریکیں جو مغرب میں بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہیں یہاں سرے سے غائب ہیں۔ آبادی ابھی تک بڑی حد تک ناخواندہ، یا کم سے کم نیم تعلیم یافتہ ہے۔ ایک نیم استبدادی طرز حکومت ہے نسلی اور مذہبی منافرت کی خطرناک علامتیں موجود ہیں لیکن ان سب کے باوجود اس کے اندر آگے کی طرف حرکت کرنے کی اہم صلاحیت موجود ہے۔

ترکی کی جمہوری تحریک خطروں سے خالی نہیں ہے۔ مطلق العنانی میں جو محدودگی کی گئی اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ لوگوں کی لگام ڈھیلی ہو گئی ہے اور انہوں نے اس قسم کی رشوت ستانی اور دوست پروری شروع کر دی جو عثمانی حکومت کی خصوصیت تھی اور جسے کمالی حکومت نے تقریباً ختم کر دیا تھا لیکن یہ باتیں بڑی حد تک جنگ کے غیر معمولی حالات کی وجہ سے بھی رونما ہوئی ہیں اور ہمیں امید رکھنی چاہیے کہ جب معاشی حالات معمول پر آئیں گے تو ان کو آسانی سے دور کیا جا سکے گا۔

رفتار عالم

[illegible] میں روس پر معاہدے کی خلاف ورزی اور ایک کمزور قوم کے ساتھ زبردستی کرنے کا الزام مجلس تحفظ کے جلسے اور دنیا کے تمام اخباروں میں لگایا گیا۔ روسی برابر کہتے رہے کہ یہ الزام غلط ہے لیکن جب ایرانی حکومت خود الزام لگانے میں شریک ہو گئی تو روسیوں کی بات کو کون مان سکتا تھا پھر روسی حکومت نے یکایک اعلان کیا کہ اس کی فوجیں شمالی ایران کو خالی کر رہی ہیں، اور شمال شرقی ایران سے، جہاں ان کی موجودگی سیاست اور تجارت کے لئے کچھ ضروری نہ تھی، وہ ہٹ بھی آئیں معلوم ہوتا تھا کہ برطانیہ اور متحدہ ریاستوں کی مخالفت کا کچھ اثر ہوا ہے اور روس نے زبان سے نہیں تو اپنے عمل سے اپنی غلطی تسلیم کر لی ہے لیکن اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد خبر آئی کہ روس اور ایران کے درمیان معاہدہ ہو گیا ہے، روس کو شمالی ایران میں پچاس برس تک تیل نکالنے کا حق ہوگا، اور اس کاروبار میں پچیس برس تک ۴۹ فی صدی کا ایران اور ۵۱ فی صدی کا روس حصہ دار ہوگا پچیس برس کے بعد روس کا حصہ ۴۹ فی صدی ہو جائے گا ایران کا ۵۱ فی صدی، روسی فوجیں چھ ہفتے کے اندر ایران کو بالکل خالی کر دیں گی تاکہ نئی مجلس کا انتخاب ہو سکے (ایرانی دستور کی رو سے مجلس کا انتخاب عمل میں نہیں آسکتا جب تک کسی غیر قوم کی فوجیں ایرانی سرزمین پر ہوں) اور یہ نئی مجلس چھ ہفتے کے اندر معاہدے کو منظور رد کرے گی۔ ایرانی حکومت نے اس کا بھی وعدہ کیا کہ وہ آذر بائیجان کی اس حکومت سے جو روس کی سرپرستی میں [illegible] ہے مصالحت کرے گی کہ آذر بائیجان کی صوبائی خود مختاری محفوظ رہے۔ [illegible] ایرانی سے کیا [illegible] ؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایران اس وقت برطانیہ [illegible] ہے۔ برطانیہ اور متحدہ ریاستوں کا مطالبہ تھا کہ اس معاملہ [illegible] نقصان [illegible]

دیں گے اس لئے کہ ان کے پاس نقد روپئے کی کمی ہے، اور انگریز اور امریکن دے دلا کر اپنا مطلب حاصل کر لیں گے۔ اس لئے انھوں نے اپنی فوجوں کی موجودگی کو کاروبار کا اثاثہ بنا لیا، یہ سمجھ کر کہ ایرانی حکومت اسی سے معاملہ کرے گی جو زیادہ سے زیادہ دباؤ ڈال سکے۔ اس خیال کی تصدیق برطانوی پارلیمنٹ کے ان اراکین نے کی ہے جو اپنے طور پر تحقیق کرنے کے لئے اسی زمانے میں ایران گئے تھے۔ ان کی رائے ہے کہ ایرانی حکومت اس بات پر مجبور ہے کہ روس اور متحدہ ریاستوں اور برطانیہ کے درمیان مسلسل مقابلہ کراتی رہے، اس لئے کہ وہ خارجی اثرات کی کشش کی بدولت ہی قائم رہ سکتی ہے۔ ایرانی مجلس تحفظ کا سہارا نہ لیتے تو روسی سیاست انھیں اپنی رَو میں بہا لے جاتی، اور آئندہ بھی ایران کی دوستی اور بے اتفاقی کا مقصد توازن قائم کرنا ہوگا۔ مگر برطانوی پارلیمنٹ کے اراکین کا یہ بھی خیال ہے کہ روس نے اپنا مطلب حاصل کرنے کے لئے نامناسب طریقے اختیار کئے، اور انھوں نے ایرانی حکومت پر الزام لگایا ہے کہ وہ فرائض سے بے پروا ہے، اور ہر طرح کی بے عنوانی کو گوارا کرتی ہے۔ سیاست میں ایسے الزام بہت لگائے جاتے ہیں اور دوسروں کے عیب جس خلوص اور نیک نیتی سے برطانوی مدبر بیان کرتے ہیں اس کا جواب کہیں نہیں ملتا۔ لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ اس وقت ایرانی حکومت کمزور ہے، اور وہ طبقے جو اس کے رویّہ یا کارگذاری سے مطمئن نہیں ہیں تھوڑی سی قوت بھی پیدا کر لیں تو اس استقلال کو خطرے میں ڈال سکتے ہیں۔ آذربائجان "تودہ" پارٹی کا مرکز بن گیا ہے جس نے صوبجاتی خود مختاری کے نام سے اپنی مورچہ بندی کر لی ہے، اور اب اس کی کوشش کر رہی ہے کہ آذربائجان کے باہر بھی ان تمام عناصر کو متحد کر لے جو موجودہ سیاسی اور معاشی نظام کی مخالفت پر آمادہ کئے جا سکتے ہیں۔ یہ پارٹی اس وقت وجود میں آئی جب روس کا شمالی ایران پر تسلط تھا، اور مخالف خیال کے لوگوں نے بارہا کہا ہے کہ روس کی سرپرستی حاصل کر رہا ہے، جب کہ برطانیہ اور متحدہ ریاستوں میں کمیونسٹ پارٹیاں جو ... خصوصیت ... روسی حکومت کی ہدایتوں پر عمل کرتی ہیں تو کوئی تعجب نہیں کہ ایران میں [illegible] ایک پارٹی قائم ہو گئی [illegible] روس کی معا [illegible] سے فا

نظیم کر لی ہو اور رفتہ رفتہ روس کے اثر سے آزاد ہو کر اپنی قومی زندگی میں نئی جان ڈال دیں
یران میں روسیوں نے جو کچھ کیا اس سے دنیا میں ان کی عزت نہیں بڑھی لیکن برطانوی سامراج
حال بگڑ گیا۔ انڈونیشیا میں صورت بالکل مختلف تھی اور وہاں ڈچ اور برطانوی سامراجیت خاموشی
سے اپنا کام کرتی رہی ہے۔ کہا یہ گیا تھا کہ برطانوی فوج انڈونیشیا میں اس لئے ہے کہ جاپانیوں
معطل کرے اور ڈچ اور برطانوی قیدیوں کو چھڑائے۔ یہ دونوں کام بھی ایک حد تک کئے
ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ برطانیہ کا اصل مقصد انڈونیشیا پر دوبارہ تسلط حاصل کرنا
ی فوج نے جاپانیوں کے فوجی سامان پر قبضہ بے شک کیا۔ مگر اسی سلسلے میں انڈونیشی انتہا
سے بھی لڑتی رہی۔ اس پر اعتراض کیا گیا تو برطانوی فوج ہٹائی جانے لگی۔ مگر اس کے ساتھ ڈچ
وہاں اتاری جانے لگیں، اور چونکہ ان کی تعداد اور قوت فی الحال ناکافی ہے۔ اس لئے جاپانی
دوبارہ ہتھیار دے کر انڈونیشیا میں امن قائم کیا جا رہا ہے۔ برطانوی پارلیمنٹ میں جرح
جنگ کو اس کا اقبال کرنا پڑا کہ انڈونیشیا کی اتحادی فوج کا قریب ایک تہائی حصہ جاپانی ہے اور
اور ہندوستانی فوج کے پہلو بہ پہلو انڈونیشیا کے "انتہا پسندوں" اور "دہشت انگیزوں" سے لڑ رہا
، اور ڈچ حکومتیں ایک طرف انڈونیشیا کی جمہوری حکومت سے گفتگو کر رہی تھیں اور دوسری
فوجیں آہستہ آہستہ اپنا کام کر رہی تھیں۔ جاوا کے کئی شہروں پر "اتحادیوں" کا قبضہ ہو گیا ہے
ہروں پر قبضہ کرنے اور میدانوں کو فتح کرنے کا فخر جاپانیوں کو حاصل ہوا ہے۔ برطانیہ
ے اخبار "نیوز کرانیکل" کے نامہ نگار نے لکھا ہے "کیا ایسے شرمناک کام برطانوی قوم
لئے جاتے رہیں گے اور کوئی آواز احتجاج کی سنائی نہ دے گی؟ کیا ہم وہی جرم کرتے
رہے جو دشمنوں نے کئے ہیں۔ دنیا کی نظروں میں اپنی عزت کو خاک میں ملتے دیکھنا اور اپنے
[illegible] بیٹھے رہیں گے"؟ لیکن ڈچ حکومت کا انداز گفتگو اب بدل گیا ہے۔ انڈونیشیا کا وفد
[illegible] ہے۔ اب جاوا [illegible] معاملات کی [illegible] [illegible]
[illegible]

اخلاقی بحث کے لئے موقع بھی اسی وقت ہوتا ہے جب کوئی حریف ہنگامی ہو۔ مدت سے یونان اور انڈونیشیا کے سلسلے میں اخلاق کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ ان میں اسے محض اپنے کام سے مطلب رہا۔ اسی طرح برطانیہ اور متحدہ ریاستیں یونان اور ملایا کے معاملات کو اخلاق کی عینک لگا کر دیکھتے ہیں، اور مسائل میں عام طور پر اس کی ضرورت نہیں پڑتی۔ فلسطین کے مسئلے کی کوئی اخلاقی حیثیت نہیں ہے۔ اسے برطانیہ کا ایک فوجی بحری اور ہوائی مرکز بنانے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ اب مصر کو خالی کرنا ضروری ہو گیا ہے لیکن ظاہر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرف یہودیوں اور دوسری طرف عربوں کی انتہا پسندی برطانیہ کو اپنا رویہ بدلنے پر مجبور کر رہی ہے۔ ۱۹۳۹ء کے شاہی کمیشن کی رپورٹ کی بنا پر یہ طے کیا گیا تھا کہ پانچ سال تک یہودیوں کی ایک مقررہ تعداد کو فلسطین میں آکر آباد ہونے کی اجازت دی جائے اور اس کے بعد یہ سلسلہ بند کر دیا جائے۔ زمین کی خریداری پر پابندیاں لگا دی گئیں تھیں تاکہ یہودی ساری زمین کے مالک نہ بن جائیں۔ اس فیصلے پر یہودی بہت برافروختہ ہوئے تھے۔ جب ۱۹۴۵ء میں فلسطین میں جا کر آباد ہونے کی ممانعت کر دی گئی تو انہوں نے ایک طرح کی تخریبی جنگ شروع کر دی۔ اسی کے ساتھ امریکہ کے یہودیوں نے اپنی حکومت پر دباؤ ڈالا کہ وہ اس معاملے میں دخل دے، اور دونوں طرف کی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک برطانوی امریکی کمیشن فلسطین کے مسئلے پر غور کرنے کے لئے مقرر کیا گیا۔ اس کمیشن کی رپورٹ پہلی مئی کو شائع ہوئی۔ اس میں سفارش کی گئی ہے کہ عربوں کے ذہن نشین کر دیا جائے کہ فلسطین میں ان میں سے کسی ایک کی حکومت نہ ہوگی اور کسی ایک کے لئے فلسطین کا کوئی حصہ مخصوص کر دیا جائے گا۔ فی الحال وہاں برطانیہ کی عملداری رہنا چاہئے جب تک کہ متحدہ اقوام کی مجلس تولیت کی ذمہ داری قبول کرنے پر تیار نہ ہو۔ کمیشن نے یورپ کے یہودیوں کی مصیبتیں بیان کی ہیں اور یہ کہہ کر یورپ کے مسلسلے یہودی جو کہ نازی استبداد [illegible] سے محروم کر دیا ہے فلسطین میں [illegible] یہ سفارش کی ہے کہ ایک لاکھ یہودیوں کو [illegible] آباد ہونے کی اجازت [illegible] زمینوں پر آباد [illegible] منتقل کی [illegible]

پابندیاں [illegible] میں لگائی گئی تھیں ہٹا لی جائیں۔ مطلب یہی ہے۔ لیکن پھر عرب کیا کریں گے؟
ن نے سفارش کی ہے کہ عربوں کو تعلیم دینے اور ان کے معیار زندگی کو بلند کرنے کی تدبیریں کی
سا۔ یہودیوں کے تعصب نے عربوں کو اپنی زندگی سے اس طرح خارج کر دیا تھا کہ بہت سے اداروں
پنے اوپر پابندی لگا دی تھی کہ وہ یہودیوں کے سوا کسی کو ملازم نہ رکھیں گے، اور کسی سے اُجرت پر
نہ کرائیں گے۔ کمیشن نے سفارش کی ہے کہ عربوں کو "لکڑی کاٹنے اور پانی بھرنے" کے ادنیٰ کاموں
محروم نہ کیا جائے، اور نسلی تعصب کی بنا پر جو قانون بنے ہیں وہ منسوخ کر دئے جائیں۔ کمیشن کی
رشوں پر عمل نہ کیا جا سکے گا۔ اگر یہودی اور عرب اپنے مطالبوں کو منظور کرانے کے لئے تشدد سے
م لیتے رہے، اس لئے کمیشن نے مشورہ دیا ہے کہ تشدد کی سختی کے ساتھ بیخ کنی کی جائے۔

فلسطین کے یہودی محسوس کرتے ہیں کہ کمیشن نے ایک حد تک ان کی مرضی اور مفاد کے مطابق فیصلے کئے
ا اور وہ قزاقانہ جنگ کو ملتوی کرنے پر تیار ہو جائیں گے اگر کمیشن کی سفارشوں پر مستعدی کے ساتھ عمل
یا لیکن اب عرب مقابلے کے لئے تیار ہو رہے ہیں۔ کوئی تعجب نہیں کہ مسٹر اٹیلی نے متحدہ ریاستوں
عوت دی ہے کہ برطانیہ کے ساتھ شریک ہو کر فلسطین میں نیا نظام زندگی قائم کرے اور اس کے
ضروری فوج اور سامان مہیا کرے۔ کہا جاتا ہے کہ فلسطین میں ایک لاکھ یہودیوں کو آباد کرانے کی
یمہ پریسیڈنٹ ٹرومین نے خود مسٹر اٹیلی کے سامنے پیش کی اور ان سے منظور کرا لی، مگر غالباً وہ اپنی
لو اس پر آمادہ نہ کر سکیں گے کہ ان یہودیوں کو آباد کرانے کے لئے روپے اور جانیں صرف کرے۔ امریکہ
دد کے بغیر برطانیہ بھی کوئی نئی پالیسی اختیار نہ کر سکے گا۔ اور فلسطین میں جو بے چینی اس وقت ہے وہ ایک
تک رہے گی۔

ایسٹرن فیڈرل یونین انشورنس کمپنی لمیٹڈ

ہندوستان میں قائم شدہ

صدر دفتر ۹ کلایو اسٹریٹ، کلکتہ

سرپرست

عالی جناب ہز ہائنس نواب صاحب بھوپال — عالی جناب ہز ہائنس آغا خان صاحب

مجوزہ سرمایہ	۶۰ لاکھ روپے	۶۰۰۰۰۰۰
جاری شدہ سرمایہ	۲۲ لاکھ ۳۴ ہزار ۶۰	۲۲۳۴۰۶۰
ادا شدہ سرمایہ	۱۲ " ۵۰ "	۱۲۵۰۰۰۰

اپنے بیمے کے کاموں میں ہم سے مشورہ کیجئے۔ ایسٹرن فیڈرل آگ، زندگی، رسل ورسائل، موٹر، ہوائی جہاز، خطرات، مزدوروں کا مالی معاوضہ، ضمانت اور عام حادثات کے ہر قسم کے بیمے کا کام کرتی ہے

ہندوستان کے مشہور شہروں میں ایجنسیاں ہیں۔

اور

ہمارے نمائندے دنیا کے ہر ملک میں ہیں۔

مندرجہ ذیل شہروں میں ہماری کمپنی کی شاخیں قائم ہیں

لندن، لاہور، بمبئی، حیدرآباد دکن، احمد آباد، کانپور، پشاور

راجکوٹ، کراچی، سیلون اور فلسطین

TETVM

دی مغل لائن لمیٹڈ

بحر احمر کی بندرگاہوں اور ماریشس

کو جانے والے ہمارے مسافر اور جہازوں کی آمد و رفت دوران جنگ میں
ناگزیر حالات کے باعث بے قاعدہ ہو گئی تھی
اب ہماری سروس پھر اُسی باقاعدگی اور حسن و خوبی سے جاری ہو گئی ہے
اور ہمارے جہاز بمبئی سے

عدن، پورٹ سوڈان، جدہ اور مصر

جانے آنے لگے ہیں۔ اور ہمیں اُمید ہے کہ ہم حسب طلب دوسری بندرگاہوں
کو بھی اپنے جہاز بھیج سکیں گے

مال اور مسافروں کی ٹکٹنگ کے بارے میں تفصیلات کے لئے لکھئے

ٹرنر ماریسن اینڈ کمپنی لمیٹڈ

۱۶ بنک سٹریٹ بمبئی۔

بادشاہ

اٹلی کے مشہور سیاسی مفکر میکیاولی کی شہرہ آفاق تصنیف پرنس کا اردو ترجمہ (مترجمہ ڈاکٹر محمود حسین خاں ایم اے پی ایچ ڈی) میکیاولی نے سیاسی مصلحت پر رکھی تھی۔ میکیاولی نے اس نئے اخلاق کے اصول کو ایک مستقل نظام میں منسلک کرنے کی کوشش کی ہے۔ قیمت عہ

انشاء کی تعلیم

حاصل کرنا چاہتے ہیں، تو اس کتاب کو پڑھیے (زیر طبع) از وقار عظیم صاحب۔ ایم۔ اے بی۔ ٹی۔

مدرسین کے لئے ایک بیش بہا کتاب ہمارے مدرسوں میں بچوں کو مضمون نویسی کی تعلیم جس طریقے سے دی جاتی ہے وہ ہمارے غلط اور بے نتیجہ ہے۔ صحیح طریقہ کیا ہے اس کا جواب اس کتاب میں ملے گا۔ قیمت [illegible]

عہد نبوی میں نظام حکمرا[نی]

اس کتاب میں فاضل مصنف نے بتایا۔
نبوی میں حکومت کا انتظام چلانے
کیا تدبیریں کی گئی تھیں مختلف اب
ماتحت اس موضوع پر سیر حاصل
گئی، اپنے انداز کی اردو میں پہلی
ہے۔ قیمت:- تین روپے۔

ہیّا ہیّا

سید مطلبی فریدآبادی صاحب نے ا
کو جمع کیا ہے، جو مزدور بوجھ اٹھا
کھینچتے وقت سرگرمی اور جوش پیدا
اور کاموں میں تیزی پیدا کرنے
مل کر گاتے ہیں، پھر سید صاحب کی
ہیں جن میں مزدور اور کسان
[illegible]
قیمت [illegible]

مکتبہ جامعہ دہلی

حجاز

زیرِ ادارت: پروفیسر محمد عاقل ایم اے

جلد ۱۳ نمبر ۶ | بابت ماہ جون سنہ ۱۹۴۶ء | سالانہ چندہ عہ
فی پرچہ ۲ر

فہرست مضامین

مولانا سید طفیل احمد مرحوم

مولانا سید طفیل احمد صاحب مرحوم نے ۲۶ مارچ سنہ ۴۶ء کو ستر برس کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ وہ سادگی، خلوص، انکسار، ہمدردی اور مروت کا ایک زندہ مجسمہ تھے۔ انھیں خاموشی سے کام کرنے کا بڑا ملکہ تھا۔ نمود، نمائش، جلوس، ہنگامہ، دھوم دھام کا، واہ واہ سے ان کو کبھی طبعی طور پر کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ وہ ایک گمنام گوشہ میں بیٹھ کر ٹھوس، دیرپا اور وسیع الاثر کام کرنا چاہتے تھے۔ ان میں وہ صفات تھیں جو سچے مبلغین میں پائی جاتی ہیں، اور جن کا ہماری قوم میں بہت کال ہے۔ وہ اپنے اندر ہندوستان کے مسلمانوں کی اصلاح و ترقی کا ایک بے پایاں درد رکھتے تھے۔ علیگڑھ تحریک سے ابتدائی عمر میں وابستہ ہو گئے تھے اور اس کے ساتھ ان کا یہ تعلق آخری دم تک باقی رہا۔ علی گڑھ تحریک کے جس پہلو اور جس روایت کی مولانا نمائندگی کرتے تھے اس کا سلسلہ سرسید کی ظاہری شان بندی کی جگہ ان کی قلبی دردمندی سے ملانا زیادہ موزوں ہوگا۔ اس میں عوام کی خدمت اور جمہور کی اصلاح و ترقی زیادہ غالب نظر آتی تھی۔ مولانا شبلی اور وقار الملک کے دلوں میں بھی شاید اسی قسم کا جذبہ تھا لیکن اس نے کوئی عملی صورت اختیار نہیں کی۔ در اصل علی گڑھ تحریک کے اس رخ کو علی گڑھ کے ارباب حل و عقد ہمیشہ خوش نما اور منظر فریب لیکن نہایت موٹے اور تاریک پردوں میں چھپائے رکھا۔ اس رخ سے پردہ ہٹا کر ہلکا سا ایک جلوہ دکھانے کا کام اگر کسی نے کچھ انجام دیا ہے تو وہ مولانا طفیل احمد مرحوم کی ذات گرامی صفات ہے۔ اس کام میں انھیں اپنے حلقۂ احباب یعنی جمعیۃ علماء [illegible] سے کافی مدد ملی لیکن در اصل سلسلے کا زیادہ تر کام خود مولانا مرحوم ہی کو انجام دینا پڑا۔

[illegible]

یونی ایڈیٹر ذوالقرنین، خان بہادر بشیر الدین صاحب ایڈیٹر البشیر، میر ولایت حسین صاحب، مولوی حبیب اللہ خان صاحب، میر محمد حسین صاحب مرحوم، میر نثار حسین صاحب مرحوم، سید جعفر حسین صاحب مرحوم اور انور احمد صاحب مرحوم شامل تھے۔ ڈاکٹر سر ضیاء الدین صاحب بھی اس میں شریک رہے لیکن غالباً برائے نام ہمتی شد و مد کے ساتھ اور جس قدر مستقل طریقہ پر اس حلقہ کے بعض ارکین نے ڈاکٹر ضیاء الدین کی مخالفت کی ہے اتنی کسی دوسرے نے نہیں کی ہو گی۔

علی گڈھ کی امارت پسندی کے مقابلے میں "جہل مرکب" کے حلقہ کو جمہوریت پسند قرار دیا جا سکتا ہے۔ ان کی نظر مسلمانوں کے زوال زدہ، کم حیثیت اور غریب طبقوں کی جانب تھی۔ یہ تعلیم کے فیض کو محدود رہنے کی جگہ عام کرنا چاہتا تھا۔ اس حلقے کے افراد علی گڈھ اور علیگیوں کی فضول خرچی اور عیش پسندی کے خلاف ایک چلتی پھرتی صدائے احتجاج تھے، وہ مسلمان نوجوانوں کو کفایت شعار اور عاقبت اندیش دیکھنا چاہتے تھے تاکہ ان کے اندر معاشی آزادی اور خود مختاری پیدا ہو لیکن علی گڈھ نے سوٹ بوٹ اور شیروانی اور ترکی ٹوپی سے آراستہ سرکاری ملازمت کے بھوکے بدست کھلنڈرو تھے "جہل مرکب" کے مصلحین کی تبلیغ کا حشر وہی ہوتا تھا جو نقار خانے میں طوطی کی آواز کا ہوتا ہے۔ میر محمد حسین صاحب مرحوم (نانی لارڈ) کی اصلاحی تقریریں تو خصوصیت کے ساتھ علی گڈھ کے بے فکروں کے لئے تفریح و تفنن کا سامان مہیا کرتی تھیں۔ دوسرے بزرگ بھی اپنے موٹے جھوٹے ڈھیلے ڈھالے کپڑوں میانوی داڑھیوں اور قدیم و جدید وضع کی بے تکی آمیزش کے ساتھ ایسے نظر آتے تھے جیسے اصحاب کہف اپنے غار سے نکل آئے ہوں۔ ان میں صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب سے بجا طور پر بہت سی توقعات وابستہ کی جا سکتی تھیں لیکن ان کے لئے حالات ناسازگار ثابت ہوئے اور وہ ناکامی اور مایوسی کے عالم میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔ دوسرے لوگ بھی علی گڈھ میں کچھ زیادہ اثر پیدا نہیں کر سکے اگرچہ چھپے چھپے مقامات پر تعلیمی ترقی اور قومی اصلاح کے کام ان حضرات کی انجام دیتے رہے لیکن [illegible] اپنی کڑوی بات کو وقار و تمکنت کے ساتھ شائستہ انداز سے

طرز تحریر کے ذریعہ دوستوں اور ہمدردوں ہی کا نہیں بلکہ حریفوں اور مخالفوں کی عزت کا ہمیشہ مستحق بنا رہا تو وہ مولانا موصوف ہی تھے۔

۱۸۷۵ء میں سرسید نے اپنے مدرسہ کی بنیاد ڈالی اور ابھی اسے جاری ہوئے چوتھا ہی سال تھا کہ مولوی طفیل احمد صاحب آٹھویں یعنی آج کل کی تیسری جماعت میں داخل ہوئے ۱۸۸۶ء میں انٹرنس پاس کیا۔ اور ۱۸۹۰ء میں ایف۔ اے کیا۔ اس کے بعد بی۔ اے کلاس میں داخل ہوئے۔ لیکن آنکھوں کی شکایت پیدا ہو گئی جس کی وجہ سے مجبوراً فوراً ہی تعلیم کو چھوڑنا پڑا۔

مولوی صاحب مرحوم کا علی گڈھ کے اسکول اور کالج میں بارہ سال قیام رہا۔ علی گڈھ میں طلبہ کے لئے جو عہدے اور اعزاز باعث امتیاز و افتخار سمجھے جاتے ہیں وہ سب مولانا نے حاصل کئے۔ طالب علم کے زمانے میں یونین کی کیبنٹ کے رکن اور سکریٹری ہوئے۔ انجمن الفرض (غریب طلباء کو مدد دینے والی انجمن) کے خادم بنائے گئے۔ اور مولانا شبلی مرحوم کی انجمن اخوان الصفا کے ابتدائی رکن رہے تقریر کرنے میں مہارت حاصل کی، البیرونی پر ایک مضمون لکھ کر ایک اشرفی انعام میں حاصل کی۔ اس بات کا بہت کم لوگ یقین کریں گے کہ سادگی اور مشرقی وضع کے پابند یہ مولوی صاحب چھ سال تک علی گڈھ کی کرکٹ ٹیم میں بھی رہے اور اس کے بہت ہی مشہور اور نامور وکٹ کیپر سمجھے جاتے تھے اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ مولوی صاحب اس زمانے کے کھلنڈروں کی جماعت "چلم پارٹی" کے سرگرم کارکن تھے۔

زمانہ طالب علمی کے بعد اولڈ بوائز کی رکنیت اختیار کی لیکن محض اس پر قناعت نہ کر کے انہوں نے ڈیوٹی شاپ کو چلایا تاکہ اس کے ذریعہ ملک میں مفید لٹریچر نشر کر سکیں اور اس کے نفع سے کالج کے غریب طلباء کی امداد بھی کر سکیں۔ اولڈ بوائز کی ایک ڈائرکٹری ۱۸۹۸ء سے ۱۹۰۳ء [illegible] کی مرتب کی جس میں تمام طلباء قدیم کے حالات [illegible]
[illegible] تھے اس ڈائرکٹری کا بعد میں [illegible]

تحصیل کلاس میں سب رجسٹرار مقرر ہوئے، بعد میں دوسرے مقامات پر تبدیل ہوتے رہے لیکن جہاں جاتے لوگوں کو علی گڈھ کالج کی تحریک سے قریب لانے کی کوشش کرتے۔ اپنے اور دوستوں کے اخبار کلب میں لے جاتے جہاں مختلف مسائل پر گفتگو ہوتی اور یہ کلب بعض جگہ مسلم لائبریری کی شکل اختیار کرتے اور کہیں ترقی کرتے کرتے مسلم اسکول تک پہنچ جاتے۔ مولانا علی گڈھ کے غیر رسمی سفیر تھے جہاں جاتے اس کے مقاصد کی تبلیغ کرتے اور مخالفین کو علی گڈھ کے بارے میں رائے بدلنے پر مجبور کرتے۔

علی گڈھ کی تحریک کو چلانے کے لئے ۱۸۸۶ء میں محمڈن ایجوکیشن کانفرنس قایم کی گئی تھی۔ مولانا شروع سے آخر عمر تک اس کانفرنس کے زبردست ستون بنے رہے۔ کانفرنس کو مسلمانوں میں مقبول بنانا، جگہ جگہ اس کی شاخیں کھولنا، اس کے اجلاس منعقد کرانا ان ہی کا کام تھا لیکن اس سے بڑھ کر اس کی مختلف کمیٹیوں کے لئے ٹھوس مواد اکٹھا کرنا اور مسلمانوں کی تعلیمی حالت کے نقشے اور اعداد و شمار تیار کرنا۔ یہ لوہے کے چنے بھی مولانا ہی کو چبانے پڑتے تھے۔

سب رجسٹراری کے زمانے میں مولانا نے مسلمانوں کی جائدادوں کی روز افزوں کمی اور قرض و قرض کی زیادتی کے دردناک مناظر دیکھے تھے، جس کا ان کے دل پر بہت اثر ہوا تھا اور وہ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ جب تک مسلمان روپے کو بچانا اور بڑھانا نہیں سیکھیں گے اس وقت تک ان کی حالت نہیں سدھرے گی۔ وہ کہتے تھے کہ اگر مسلمان سود دینا گوارا کرتے ہیں تو ان کو سود لینا بھی جائز سمجھنا چاہیئے۔ چنانچہ سود کے بارے میں انہوں نے ذاتی تحقیقات سے بہت کچھ مواد اکٹھا کیا اور علمائے کرام سے اس کے بارے میں فتوے حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ مسلمانوں کے معاشی زوال کی روک تھام کے لئے جگہ جگہ جلسے کئے۔ مظفر نگر کے جلسے میں خصوصیت کے ساتھ علمائے کرام کو [illegible] مسلمانوں کی تباہ حالی کا نقشہ ان کے سامنے رکھا۔ عام لوگوں کو اپنا ہم خیال بنانے کے لئے رسالہ سود [illegible] تک تنہا اس کو چلاتے رہے۔ اس رسالے کے [illegible]

[illegible]

(۱) افرادِ قوم کو ترغیب دینا کہ وہ سادہ اور غریبانہ زندگی بسر کر کے مسلمانوں کو افلاس و گداگری کی مصیبت سے نجات دلائیں۔

(۲) مسلمانوں کو آمادہ کرنا کہ وہ زیادہ سے زیادہ روپیہ انجمن ہائے امداد باہمی، قومی اور ملکی اور ہر قسم کے کاروبار میں لگائیں جس سے عام شرح سود گھٹ کر ملک سے ربا کو جو برباد کن اور حرام ہے مٹا دے۔

(۳) فضول اور برباد کن رسم و رواج کی اصلاح کرنا اور کفایت شعاری کے طریقے بتانا۔

(۴) مختلف مقامات کے مسلمانوں کی اقتصادی اور کاروباری حالت کے متعلق معلومات پیش کرنا اور مختلف کاروبار اور تجارتوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا۔

(۵) مسلمانوں کی صحتِ جسمانی و ذہنی ترقی اور عام بہبودی کے متعلق مضامین شائع کرنا۔

اس رسالہ کا اندازِ تحریر نہایت دلچسپ، دل نشین اور پُر از معلومات ہوتا تھا۔ رسالہ کی سات جلدوں میں سنہ ۱۹۲۵ء تا سنہ ۱۹۳۱ء مسلمانانِ ہند کی معاشی حالت کے بارے میں جس قدر مواد یکجا کیا اور اصلاح و ترقی کے لئے جو قیمتی مشورے دئے گئے۔ وہ کسی دوسری جگہ نہیں ملتے۔

سنہ ۱۹۲۲ء میں آپ نے ملازمت سے پنشن لے لی۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشن کانفرنس کے جوائنٹ سکریٹری کا عہدہ قبول کر لیا۔ سنہ ۱۹۲۶ء سے سنہ ۱۹۳۰ء تک صوبہ یو۔ پی کی کونسل کے ممبر رہے۔ ممبری کے زمانہ میں صوبہ کی عام خواندگی بڑھانے کا کام آپ نے خاص طور پر کیا۔ آپ نے سائمن کمیشن کی مخالفت اور اس وقت سے قوم پرور گروہ میں داخل ہو گئے۔ آپ نے مسلمانوں کی سیاست کے متعلق کئی کتابیں مخلوط انتخاب کی تائید میں آپ کا ایک رسالہ اردو اور انگریزی میں موجود ہے جس میں آپ نے ثابت کیا ہے کہ جداگانہ انتخاب مسلمانوں کی اور ملک کی ترقی میں حائل ہے۔

آپ کی سب سے زیادہ معرکۃ الآرا تصنیف مسلمانوں کا روشن مستقبل ہے جس میں آپ نے [illegible] کے مسلمانوں کو [illegible] [illegible] پیش [illegible]

[illegible]

جا سکتا ہے۔ اس کے بعد اور اس کے جواب یا نقل میں کئی اچھی کتابیں مسلمانان ہند کی تمدنی اور ی تاریخ پر دوسرے نقطہ ہائے نگاہ سے بھی لکھی گئی ہیں لیکن مسلم قوم پرستوں اور ترقی پسندوں کے ٔ نگاہ کی ترجمانی جس جوش اور یقین کے ساتھ اس کتاب میں کی گئی ہے وہ کسی دوسری کتاب میں ں ہے۔ اس کتاب کے پانچ ایڈیشن شایع ہو چکے ہیں، آخری ایڈیشن کی انہوں نے اپنی بیماری کے نے میں نظر ثانی کی تھی اور اسی حالت میں "روح روشن مستقبل" جو عام فہم زبان میں پہلی کتاب کا ضروری مہ ہے، اس وقت شایع کی تھی جب کہ جدید انتخابات ہو رہے تھے اور مسلمانوں کو قوم پرست مانوں کے نقطہ نگاہ سے واقف کرنے کی ضرورت درپیش تھی۔

مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے کام سے آپ کو بے انتہا شغف تھا۔ صوبہ متحدہ میں مشکل ہی سے کوئی ا درس گاہ ایسی ہوگی جس نے اپنی ترقی کی کسی نہ کسی منزل پر پہنچ کر مرحوم کی امداد اور رہنمائی سے دہ نہ اٹھایا ہو۔ شہر کے غریب طلباء کے لئے مسلم یونیورسٹی سٹی اسکول کو آپ ہی نے قایم کیا اور آخر وقت تک اس کے مہتمم رہے۔ مسلم یونیورسٹی کے آفتاب ہوسٹل کے قایم کرنے میں بھی آپ شریک رہے ن اپنی جمہوری خصوصیات کے لحاظ سے مسلم یونیورسٹی کے ہوسٹلوں میں ایک امتیازی درجہ رکھتا ہے نی مسلم ایجوکیشن کمیٹی کے آپ ایک مشہور رکن تھے۔ آپ نے اسلامیہ مکتبوں کے درجہ کو ترقی لئے بہت کچھ کام کیا اور اس بات کی کوشش کی کہ یہ مکاتب صوبہ کی درس گاہوں کا ایک مفید رہ جائیں۔

ایسے سچے، خاموش اور ٹھوس کام کرنے والوں کی مسلمانوں میں بہت کمی ہے لیکن قوموں جا ایسے ہی لوگوں کی کوششوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ہمیں مرحوم کے لئے مغفرت کی اور اپنے لئے ہدایت اور استقامت کی دعا کرنا چاہیے تاکہ جو کام مرحوم نے شروع کیا وہ وجہ تک ا اور قایم رکھا جا سکے۔

مولانا طفیل احمد مرحوم کا آخری پیغام

(۱) سب سے مقدم یہ ہے کہ اعلائے کلمۃ اللہ کو اپنا مقصد اوّل قرار دیا جائے۔ اپنے پاک مذہب کی اشاعت کی تبلیغ کرنا اور شریعت اسلامی کے قیام و اجرا کی ہر امکانی کوشش کرنا اپنا فرض قرار دیا جائے۔

(۲) ہندوستان میں کامل جمہوری حکومت قایم کرنے کے لئے اپنی پوری کوشش صرف کرنا تاکہ ملک کا سرمایہ جو عوام کی محنت و مشقت سے پیدا کیا جاتا ہے ملک سے باہر جانا بند ہو جائے۔ ملک کا سرمایہ جب باہر جانا بند ہو کر خود اس ملک میں صرف ہو سکے گا تو حسب ذیل کاموں کو ترقی دی جا سکے گی

(الف) زیادہ سے زیادہ روپیہ لوگوں کو خواندہ بنانے میں صرف ہوگا جبکہ دوسرے ملکوں میں خواندوں کی تعداد نوے سے سو فی صدی تک ہے۔ ہندوستان میں صرف دس فی صدی کے قریب ہے اور خواندگی کی ترقی کی جو موجودہ رفتار ہے اس سے ایک ہزار سال سے قبل کل ملک خواندہ ہو سکے گا۔ غیر ملکی حکومت اس میں کسی طرح زیادہ روپیہ نہیں لگا سکتی کیونکہ یہ اس کے مفاد کے خلاف ہے اور عوام کے پاس اتنا روپیہ کبھی نہیں ہوگا کہ وہ خود اپنی تعلیم کا انتظام کر سکیں۔

(ب) قومی حکومت کا فرض یہ ہو کہ ملک میں صنعت و حرفت عام طور پر جاری کرے اس لئے کہ جب تک ہندوستان صنعتی ملک نہیں بنایا جائے گا مقابلے میں ... یہ بھی صرف اسی وقت ہو سکے گا جب کہ کامل جمہوری حکومت قایم ہو سکے گی۔

(ج) ایسی تدابیر اختیار کی جائیں [illegible]

[illegible]

قوت پیدا ہو اور ملک کی صحت عامہ کو ترقی دینے کے لئے طبی کاموں پر کثیر رقم صرف کریں تاکہ دیہات تک میں امراض کے جراثیم کو ہلاک اور فنا کیا جا سکے۔ یہ کام بھی اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ ملک سے روپیہ جانا بند نہ ہو۔ موجودہ حالت میں تو ہندوستان میں روپیہ اور غلہ کی کمی نہیں مگر یہاں کی زرعی پیداوار سے اہل یورپ کی شکم پری کر کے ان کی صحت عامہ کو ترقی دی جاتی ہے اور ان کا معیار زندگی مسلسل بڑھایا جاتا ہے جب کہ خود اس ملک کے کروڑوں آدمی فاقہ کشی سے مر جاتے ہیں۔

(۷) سب سے آخر مگر اس اعتبار سے کہ اس کے بغیر مندرجہ بالا امور پر عمل کرنا مشکل ہے موجودہ طریقہ انتخاب کی تبدیلی اول ہے۔ انگلستان کے ایک مشہور لبرل خیال کے انگریز مسٹر ہیلس فورڈ نے ہندوستان کی کونسلوں اور اسمبلیوں کو دیکھ کر کہا تھا کہ یہاں تو وزیروں اور ممبروں کا کام یہ ہے کہ وہ عہدوں اور منافع کے کام کو آپس میں تقسیم کرتے رہتے ہیں۔ انھیں فرقہ وارانہ انتخاب نے نفع عامہ کے کاموں سے مستغنی اور بے پروا کر دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ موجودہ حالت میں ہندو امیدوار ممبری کو اس وقت زیادہ ووٹ ملتے ہیں جب وہ یہ ظاہر کرے کہ وہ ان کے مذہب اور کلچر کی حفاظت کے لئے مسلمانوں سے لڑے گا۔ اسی طرح مسلمان امیدوار کو یہ کہہ کر زیادہ ووٹ ملتے ہیں کہ ہندوؤں سے لڑے گا۔ یہ حالت اس قدر بڑھ گئی ہے کہ امیدواروں کی خوش قسمتی سے اگر انتخاب سے قریب کوئی ہندو مسلم فساد ہو جاتا ہے تو دونوں کا کام آسان ہو جاتا ہے۔ اس طریقہ سے دونوں فرقوں کے عوام کی توجہ مذہبی اختلافات اور فسادات کی طرف رہتی ہے اور دونوں قوموں کے نفع عامہ کے کاموں مثلاً کسانوں، مزدوروں اور غریبوں کی مالی حالت کی بہتری کی طرف کوئی توجہ نہیں ہوتی۔ اب رہی عوام کی مذہبی حفاظت وہ اس سے ظاہر ہے کہ مذہبی بلووں اور فسادات کی زیادتی سے دونوں قوموں کے مذہبی حقوق اور مراسم اور عبادت خانے جس قدر غیر محفوظ اب ہو گئے ہیں وہ کبھی نہیں ہوئے تھے۔ مختصر یہ کہ ووٹروں اور ممبروں کے درمیان فرقہ وارانہ یا جداگانہ طریق انتخاب [illegible] اس طرح [illegible] کے حصے میں [illegible] تعلقات کی

سرچوشنا اور عبادت خانوں کی توہین اور تذلیل ہے اور ممبروں کے حقے میں جو قسم کے ذہنی منافع آتے ہیں جو ہندو اور مسلم ممبران خوش دلی اور اتحاد عمل سے آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں۔ اب عوام کی حق تلفیوں کا علاج یہ تجویز کیا گیا ہے کہ ہندوستان کو کاٹ کر ہندو اور مسلمانوں کے ملک علیحدہ علیحدہ بنا دئے جائیں۔ اگر ایسا ہوا تو شمالی پاکستان میں چونکہ ۴۰ فی صدی اور مشرقی پاکستان میں یعنی بنگال میں ۴۶ فی صدی ہندو ہوں گے، ہندو بھی دو وجہ سرمایہ داری اور تعلیم کی وجہ سے زوردار ہوں گے اس لئے وہ کسی طرح وہاں کے مسلمانوں کو چین سے نہیں بیٹھنے دیں گے اور انھیں اس قابل نہ رکھیں گے کہ مسلم اقلیت کے صوبوں کے پندرہ بیس فی صدی مسلمانوں کو غیر مسلموں کے مظالم اور دست برد سے بچا سکیں۔ یہ جو کچھ کیا جا رہا ہے وہ محض انگریزوں کے زیر سایہ حکومت ملنے کے نشے کے خیال میں کیا جا رہا ہے۔

پس جہاں تک غور کیا جاتا ہے اس نازک حالت سے نکلنے کا علاج یہی ہے کہ معین نشستوں کے ساتھ مخلوط انتخاب جاری کرکے ووٹروں کو باعتبار حق کے ممبروں کے برابر کے درجہ پر لایا جائے۔ یہی وہ صورت ہوگی جس سے جملہ اقوام کے عوام الناس ہندو اور مسلمان ممبروں سے مطالبہ کر سکیں گے کہ انہوں نے کونسلوں اور اسمبلیوں میں کسانوں اور کاریگروں، مزدوروں اور غریبوں کی بھلائی کے کیا کام کئے ملکی مصنوعات کی ترقی کے لئے کیا ذرائع اختیار کئے —— کیا ملک کا سرمایہ باہر جانے سے روکا۔ عوام الناس کا معیار زندگی بلند کیا یا نہیں۔ عوام کی تعلیم اور صحت عامہ کی ترقی کا کیا انتظام کیا۔ جب صورت حالات یہ ہوگی اسی وقت ملک کی اصلی اور حقیقی ترقی ہو سکے گی اور پھر ایک بار ہندوستان دنیا میں اپنے اس بلند مرتبے پر پہنچ جائے جس پر کہ وہ ہزاروں سال سے رہ چکا ہے۔ آمین۔

دہلی کی قوم پنجابیان

[برا]دری کی تاریخ

اس برادری کے بارے میں مقررہ سوال نامہ کے مطابق محمد عمر الٰہی صاحب جامعی اور ان کے چھوٹے بھائی محمد عبدالالٰہی صاحب جامعی کے ذریعے حالات معلوم کئے [گئ]ے۔ یہ دونوں بھائی صدر بازار میں فضل الٰہی، محبوب الٰہی سوت والوں کی دوکان اور یو۔ اے فیمین [ہ]ینڈ کمپنی کے سوت گولے کے کارخانے کو نہایت کامیابی کے ساتھ چلا رہے ہیں۔ پنجابی برادری کی جب[یں]ی قومی تنظیم، انجمن وکیل قوم پنجابیان کے نہایت سرگرم عہدہ دار ہیں۔ یہ جائزہ اپریل ۶۳ء میں لیا گیا تھا۔

برادری کی تاریخ کے بارے میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ برادری ہندو سے مسلمان ہوئی [ا]س زمانہ میں مشرف باسلام ہوئی وہ اس کے بارے میں کچھ ٹھیک پتہ نہیں چلتا۔ کہا جاتا ہے کہ اس برادری کے آباؤ اجداد دہلی میں اورنگ زیب کے زمانے میں آئے۔ اس سے پہلے پنجاب میں ہندو تھے [اور] وہ ملتان سے آئے تھے اور ان کا تعلق کھتری ہندوؤں سے تھا۔ یہ لوگ گنگا جمنا کے راستے [ک]ے راستے سے آئے تھے۔ دہلی کے کسی بزرگ نے انہیں مسلمان کر لیا لیکن برادری کی کسی مستند تاریخ کا پتہ نہیں چلتا۔ اس کی تحقیقات ہمارا اصل موضوع ہے ہمارے لئے اس قدر کہنا کافی ہے کہ یہ خالص مسلم برادری ہے اور مذہب اسلام کے ساتھ دلی تعلق رکھتی ہے اور اس کی تہذیب و تمدن [illegible] [illegible] ہے۔

[illegible]

اس برادری کے افراد سب سے زیادہ دہلی میں [illegible] [illegible] مرکز کلکتہ ہے جہاں زیادہ تر دہلی کے [illegible]۔

لوگ تجارت کرنے گئے ہوئے ہیں۔ دوسرے صوبوں میں زیادہ آبادی یو۔پی میں ہے۔ جہاں یہ لوگ میرٹھ، بریلی، مرادآباد، ہاپڑ، امروہہ، سہارنپور، آگرہ، بنارس، علی گڈھ، کانپور اور لکھنؤ میں ہیں۔ آنولہ میں بھی بڑے بڑے لوگ ہیں۔ پنجاب میں انبالہ اور لدھیانہ میں ہیں۔ جہاں رہتے ہیں ان کے پنجابیوں سے تعلقات ہوتے ہیں۔ البتہ دہلی والوں کا ہاپڑ اور میرٹھ کے لوگوں سے تعلق ہے۔

دہلی کے مختلف محلوں میں تقسیم

دہلی میں ان کی کل آبادی تقریباً پندرہ ہزار ہے۔ کچھ محلے پورے کے پورے ان کے ہیں اور کچھ میں ان کی اکثریت ہے۔ غدر سے پہلے جھلوں والی گلی (موری گیٹ) میں رہتے تھے وہیں سے بعد میں ساری دہلی میں پھیل گئے جو محلے سارے کے سارے ان کے ہیں وہ یہ ہیں:۔ (۱) پھاٹک حبش خان (۲) حویلی حسام الدین حیدر۔ اور (۳) احاطہ کالے صاحب۔ پھاٹک حبش خان میں ان کے حسب ذیل دس ذیلی محلے ہیں:۔ (الف) گلی بیگا بیگ۔ (ب) دھوبیوں کا کٹرا (ج) رنگ محل (د) چوڑی والا خورد و کلاں (ہ) گلی زکریا والی (و) گلی باقر والی (ز) کٹرہ گھی (ح) بارہ دری نواب وزیر (ط) کٹرہ شفیع (ی) طوطا سیدہ (ک) کشن گنج (ل) بانچی اچھے جن محلوں میں ان کی اکثریت ہے وہ یہ ہیں:۔ ۱۔ شیش محل۔ ۲۔ نواب گنج۔ ۳۔ نیا محلہ۔ ۴۔ [illegible] ۵۔ باڑہ ہندو راؤ۔ ۶۔ [illegible] گنج۔

باڑہ ہندو راؤ میں ان کے حسب ذیل چھ محلے ہیں۔ الف۔ بانچی اچھے جی۔ (ب) بانچی الشوری [illegible] (ج) [illegible] (د) کوٹھی بیگم (ہ) چمن لال (و) احاطہ [illegible]

ان سب محلوں میں جن مکانات میں رہتے ہیں وہ یا تو ان کی اپنی ملکیت میں ہیں یا اپنے کسی دوسرے بھائی کے ہیں اور [illegible] رہتے ہیں کسی غیر برادری کے مکان میں [illegible] عقیدہ کے [illegible] سنی حنفی [illegible] کچھ اہل حدیث بھی ہیں۔

پیشے اور کام

[illegible] قوم ہے۔ اور شروع زمانے سے [illegible] ہے۔ اب [illegible] آگئے [illegible]

[illegible]

تھے لیکن اب ریٹائر ہو گئے ہیں۔ سکریٹریٹ میں سپیریئر اور انفیریئر دونوں سروسوں میں ہیں۔ ڈپٹی کمشنر کے دفتروں میں بھی ہیں اور میونسپلٹی میں بھی۔ جائداد کی آمدنی پر بھی بہت سے لوگ گذر کرتے ہیں۔ کچھ لوگ فوج میں بھی ممتاز عہدوں پر ہیں۔

تجارت کے کام میں لوگ حسب ذیل طریقے پر لگے ہوئے ہیں۔

۱۔ بساط خانہ کے کام میں۔ اس میں کنگھی کنگھا، ٹوتھ پیسٹ، ٹوتھ پاوڈر، ٹوتھ برش، چاقو، لہ، اسٹیشنری، خوشبوئیں، ویسلین کریم، سنگار کا دوسرا سامان، تاش، شیونگ کا سامان، بلیڈز، ہر قسم کے بٹن، ریل، سوئی، کروشیا، نٹنگ کی سلائیاں شامل ہیں۔ ان کے علاوہ جو چیز بھی فروخت کے قابل ہو جائے اسے بیچنا شروع کر دیتے ہیں۔ دہلی میں بساط خانہ کا جتنا کام ہوتا ہے اس کا پچھتر فی صدی حصہ اس برادری کے لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ اس سے پہلے سو فی صدی کام اس برادری کے ہاتھ میں تھا لیکن اب ہندوؤں اور دوسری برادریوں کے لوگوں کے ہاتھ میں بھی چلا گیا ہے۔

۲۔ ہوزری کے کام میں۔ اس میں موزہ، بنیان، رومال، دستانے اور چھتریاں شامل ہیں۔ یہ کام پچیس فی صدی اس برادری کے پاس ہے سوائے ایک ہوزری نٹنگ مل کے باقی تمام کارخانے چونکہ ہندوؤں کے ہاتھ میں ہیں اس لئے وہ اپنی ایجنسیاں ہندو دکانداروں کو دیتے ہیں یا خود قائم کر لیتے ہیں۔ اس کے باوجود دکانیں پچاس فی صدی مسلمانوں کی ہیں، لیکن اس تجارت میں ان کا تناسب بہ صورت موجودہ پچیس فی صدی ہی سمجھنا چاہئے۔ پہلے جب مال جاپان سے آتا تھا تو اس برادری کے لوگوں کا تناسب تجارت میں پچھتر فی صدی کے قریب تھا۔

۳۔ گلاس ویری کے کام میں۔ اس میں شیشہ، چینی، تام چینی کے برتن، چمچے، کانٹے، چھریاں، لالٹین، پیٹرومیکس لیمپ، اسٹوو، آئس کریم کی مشینیں اور دوسری گھریلو مشینیں شامل ہیں۔ یہ کام تقریباً سو فی صدی اسی برادری کے ہاتھ میں ہے اگرچہ دیسی مال کے کارخانے ہندوؤں کے ہیں۔ صرف ایک کارخانہ شیش محل ورکس کے نام سے اس برادری کے ہاتھ میں ہے۔

۴۔ [illegible] کے سامان کے کام میں۔ اس میں [illegible]

پیپر ویٹ فروٹ بھی، سگریٹ وغیرہ شامل ہیں۔ یہ کام پچہتر فی صدی اس برادری کے ہاتھ میں ہے کشمیری دروازے اور کناٹ پلیس کے ہندو دوکاندار بھی چلنے والی چیزیں صدر بازار ہی سے لیتے ہیں۔ یہ کام پہلے بھی پچہتر فی صدی اس برادری کے ہاتھ میں تھا۔ ایک فیکٹری، پیپر ڈائز اینڈ بسکٹ فیکٹری کے نام سے برادری کے ایک شخص کی ہے اور کاٹیج انڈسٹری کے طور پر جام جیلی وغیرہ کے بہت سے کارخانے ہیں۔

۵۔ سوت گولے کے کام میں، یعنی سوت کا ریل اور پیچک بنانا جسلائی کی مشین وغیرہ میں کام آتا ہے۔ اسی میں مرسرائزڈ کیا ہوا کڑھائی بنائی کا گولا بھی شامل ہے۔ یہ کام اس برادری کے پاس پچہتر فی صدی ہے۔ اس کام کے بارے میں ایک نہایت اچھا مضمون "دہلی کی سوت گولے کی صنعت" کے عنوان سے ماہنامہ پنجابی گزٹ دہلی بابت نومبر ۱۹۴۷ء میں محمد عمر الٰہی صاحب نے اپنی ذاتی واقفیت، تجربہ اور تحقیقات کی بنا پر شایع کیا ہے۔ اس مضمون میں انھوں نے بتلایا ہے کہ سوت کا گولا پہلے انگلستان سے آیا کرتا تھا۔ ہندوستان میں سوت گولا بنانے کا کام سب سے پہلے بیسویں صدی کے آغاز میں دہلی کی پنجابی مسلمان برادری نے شروع کیا اور جنگِ عظیم اوّل کے زمانے میں اس کام سے انھوں نے خوب نفع حاصل کیا۔ بعد میں ہندو برادرانِ وطن بھی اس صنعت میں شریک ہو گئے لیکن ابھی تک اس کا پچہتر فی صدی کام پنجابی برادری ہی کے ہاتھ میں ہے۔ یہ کام ابتداءً کاٹیج انڈسٹری کے طور پر شروع کیا گیا تھا لیکن جنگِ عظیم اوّل کے بعد سے اس نے اچھے خاصے کارخانوں کی شکل اختیار کر لی ہے۔ پہلے دہلی کے کارخانے والے موٹا سوت ہندوستان سے اور باریک سوت انگلستان سے حاصل کیا کرتے تھے لیکن ۱۹۳۵ء میں انگریزوں اور ہندوستانیوں کی مشترکہ کوششوں سے بمبئی کے قائم ہونے کے بعد باریک سوت بھی ہندوستان ہی سے حاصل کیا جانے لگا۔

[illegible] صاحب کا بیان ہے کہ انگلستان کے سوت گولے [illegible] کارخانوں [illegible] ۱۹۳۰ [illegible]

[illegible]

کپڑا جو دہلی کے کارخانے بنا رہے تھے کہا جاتا ہے کہ ان کارخانوں کے لئے چودہ لاکھ روپیہ مخصوص کیا گیا تھا جبکہ دہلی کے تمام چھوٹے بڑے کارخانوں کے کام میں آنے والا سرمایہ (ورکنگ کیپٹل) [illegible] جنگ بمشکل اس کے برابر تھا لیکن چونکہ اس [illegible] کی کارخانہ کا قیام ایک انتہائی انتشار کے دور میں ہوا تھا اس لئے دہلی کی صنعت پر یہ ابتدا میں اثر انداز نہ ہو سکا۔

[illegible] ۱۹۳۹ء کی جنگ عظیم ثانی نہ صرف دہلی کے بڑے بلکہ گرتے ہوئے متوسط درجے کے کارخانوں کے لئے امید اور زندگی کا پیغام لے کر آئی۔ سوت کی سپلائی کے سب سے بڑے مرکز کوہ نور مل کے مال کا بیشتر حصہ جنگی ضروریات کے لئے مخصوص ہو گیا۔ سوت بمشکل اور کمی کے ساتھ دستیاب ہونے لگا اس کمی کے سبب مسلسل قیمتیں بڑھتی گئیں۔ کمیابی کے اس دور میں جمنا تھریڈ مل کے انگریزی کارخانے نے جس کی شاخیں دہلی اور بمبئی میں قائم تھیں خوب ہاتھ پیر پھیلائے۔ اس نے اپنے خاص اثر و رسوخ سے کوہ نور مل سے زیادہ سے زیادہ سہولیت حاصل کی۔ سنا ہے کہ بمبئی کے ایک دوسرے مل کو بھی اپنے سرمایہ کی قوت پر اپنے لئے اچھے قسم کا سوت بنانے کے لئے تیار کیا اور اپنے کارخانے کی پیداوار بڑھاتا چلا گیا۔ دہلی کے سوت گولے کے کارخانہ دار اس بات پر مگن رہے کہ ان کی پیداوار کم ہو رہی ہے تو پرواہ نہیں منافع تو کافی ہو جاتا ہے۔ اس غفلت سے اس انگریزی کارخانے نے بڑا فائدہ اٹھایا اور نسبتاً ان سے کچھ کم نرخ پر ہندوستان کی ہر چھوٹی بڑی منڈی میں اپنا مال بھیجتا اور جھونکتا رہا۔ اسی عرصہ میں ایک تھریڈ مل لمیٹڈ کے نام سے بمبئی میں ایک اور انگریزی کارخانہ قائم ہوا اور [illegible] سے خود کوہ نور مل نے سوت کے ٹیوب ریل بنانا شروع کر دئے۔

سوت گولے کی صنعت میں ان تینوں خطرناک حریفوں کے داخلہ کی طرف توجہ دلانے کے بعد [illegible] صاحب نے اپیل کی ہے کہ آج دہلی کے بکھرے ہوئے سوت گولے کے چھوٹے چھوٹے کارخانوں کو اپنی [illegible] کا جائزہ لینا اور آنے والی کل کے لئے ان [illegible] جمنا تھریڈ مل [illegible] [illegible] کے متعلق نہ صرف [illegible] ہوتا ہے ......

[illegible]

سرمایہ بلکہ ہماری انفرادیت تک کو ایک ناقابل تلافی نقصان پہنچائے گی۔...... یہ ایک ناقابل
انکار حقیقت ہے کہ جنگ کے بعد سوت گوٹے کی صنعت چند ہزار روپے سے قایم نہیں رکھی جا
اس کے لئے مشترکہ سرمایہ سے بڑے بڑے ادارے قایم کرنے کی ضرورت ہے...... آج
کی صنعت اور آج کی تجارت سیاسی دماغ اور سیاسی چالوں سے قایم رکھی جا سکتی ہے۔ سوت گوٹے
کی صنعت میں منڈیوں کی جنگ شروع ہو چکی ہے...... آج ہم کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ سوت
والوں کو ایک ایک کر کے فنا کے گھاٹ اترنا ہے یا متحد ہو کر مشترکہ سرمایہ سے اپنی صنعت و تجارت
کو برقرار رکھنا ہے۔

غرض عمر الہی صاحب کے مندرجہ بالا بیان سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ ہر چند موجودہ جنگ
کے زمانے میں سوت گوٹے کے کام سے پنجابی برادری کے لوگوں نے خوب نفع کمایا ہے اور
ابھی تک ان کا حصہ اس کام میں پچھتر فی صدی کے قریب ہے۔ لیکن آیندہ کے لئے کچھ ایسے خطرناک حالات
پیدا ہو گئے ہیں جن کی طرف سے ڈر ہے کہ اگر یہ کام حسب سابق کم سرمایہ سے بکھرے ہوئے طریقہ پر
جاری رکھا گیا تو کہیں اس برادری کے لوگوں کو مقابلہ میں ناکام نہ ہونا پڑے۔

۶۔ الیکٹرک گڈز اور ٹارچ کا کام:۔ اس برادری کے پاس دس فی صدی ہے۔

۷۔ کھلونے کا کام:۔ اس برادری کے پاس ساٹھ فی صدی ہے۔

۸۔ ٹاٹا کے کارخانہ کی بنائی ہوئی ٹین کی پلیٹس کے سول ایجنٹ اسی برادری کے
ایک صاحب ہیں۔

۹۔ فینچے، چینی اور ٹین تیار کرنے اور ان کو اور ملکوں کو فروخت کرنے کا ستر
فی صدی کام اسی برادری کے ہاتھ میں ہے۔

۱۰۔ خوردہ سائیکل کا کام:۔ پچاس فی صدی اس برادری کے ہاتھ میں ہے۔
[illegible] فی صدی کام [illegible]

کا کام اسی برادری کے ہاتھ میں ہے۔

۱۲۔ چیپٹ اور دوا زیش :۔ پچاس فی صدی کام اسی برادری کے ہاتھ میں ہے۔

۱۴۔ چمڑے ۔ کا دس فی صدی کام۔

۱۵۔ چھاپے خانہ کا دو فی صدی کام۔

۱۶۔ ایموبیشن کا پچھتر فی صدی کام۔

کپڑے بیل بیلنے اور چین کو برادری کے کچھ لوگ پھیری کر کے بھی بیچتے ہیں۔ ان کے علاوہ تجارت کی دوسری لائنوں کو بھی آزما رہے ہیں۔ کچھ نے غلہ کا کام بھی چھوٹے پیمانے پر شروع کر رکھا ہے۔ کچھ نے پنساری کا کام، حلوائی کا کام، عمارتی لکڑی، لکڑی کی نالیں۔ انگریزی دوائیں۔ پٹرول پمپ۔ جوتے کے کارخانے۔ گوٹے کے کارخانے۔ زردوزی کے کارخانے مشین کی کڑھائی کے کارخانے۔ ڈیری، گھڑی کا کام اور ہوٹل کا کام بھی شروع کر رکھا ہے۔ علم دستری بہاری کا کام بھی کچھ لوگوں نے کیا تھا اور اب بھی بعض حضرات اس لائن میں سرمایہ لگاتے رہتے ہیں۔

کل پندرہ ہزار آبادی میں سے اندازاً چار ہزار آدمی دوکانوں اور کارخانوں کے کام سے لگے ہوئے ہیں۔ کچھ اپنے ہم قوم پنجابیوں کی دوکانوں اور کارخانوں میں شاپ اسسٹنٹ اور کلرک وغیرہ کی حیثیت سے ملازم ہیں۔ کچھ لوگ اپنے ہاتھ سے صابن، برش، پالش، پریمیوری چھوٹے کے جوتے وغیرہ بنانے کا کام کرتے ہیں۔ پنجابی برادری کی کل چھ سو فرمیں ہیں جن میں [illegible] کے قریب دوکانیں اور کارخانے صدر بازار میں ہیں اور تقریباً اتنے ہی دوسرے بازاروں [illegible] صدر بازار میں تین سو پنجابی فرموں کے علاوہ ڈھائی سو ہندو وغیرہ ہیں اور ساٹھ [illegible] کا تعلق پنجابی برادری سے نہیں ہے۔ لیکن یہ زیادہ تر چھوٹا کام کرتے

[illegible] تھا۔ لیکن بعد میں کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد سے ان فرموں کی تعداد میں بہت اضافہ [illegible]

[illegible]

ہیں۔ صرف کچھ ایسے ہیں جو تھوک کا بڑا کام بھی کرتے ہیں۔

پنجابی برادری کے کارخانے پنجابی برادری کی مندرجہ بالا چھ سو فرموں میں سے تقریباً سو ہیں۔ دہلی میں سوت گوٹے کے کل باون کارخانے ہیں جن میں تیس کارخانے پنجابی قوم کے ہاتھ میں ہیں۔ دس صابن کے کارخانے بھی اس برادری کے لوگوں کے ہاتھ میں ہیں۔ اس کے علاوہ نواڑ، لالٹین کی بتی، بابن ڈوری، فیتا، لیس، ہوزری اور کپڑے کے بھی کارخانے ہیں۔ ان میں سے بعض کی حیثیت فیکٹریوں کی ہے۔ مثلاً بابن، لالٹین کی بتی کی فیکٹریاں ہیں جن میں سے ایک ایک میں پچاس سے اسی ہزار کے درمیان سرمایہ لگا ہوا ہے۔ تیس چالیس مزدور روزانہ کام کرتے ہیں۔ بجلی سے مشین چلتی ہے۔ پنجابی برادری کے ہاتھ میں بتی کی تین فیکٹریاں ہیں اور نواڑ کی دو اور بابن کی ایک فیکٹری ایسی ہے جس میں بابن، نو تیار کیا جاتا ہے اور سوت پر گلیزنگ بھی کی جاتی ہے۔ یہ سوت پتنگ اڑانے کے کام آتا ہے۔ ایک اور فیکٹری کا ملین لیس مل کے نام سے ہے۔ ایک ہوزری نٹنگ مل بھی ہے اور پنجابی کلاتھ مل ہے جس کا کام پہلے چھوٹے پیمانے پر تھا لیکن رفتہ رفتہ ترقی کر رہا ہے۔ میں صرف بنائی کا کام کیا جاتا ہے اور کرگھے چلانے کے لئے الکٹرک پاور استعمال کی جاتی ہے لیکن سوت باہر سے لیتے ہیں اور سوتی اور ریشمی ملا کر کپڑا تیار کرتے ہیں۔ کل بڑے کارخانے سوت کے کارخانوں کے علاوہ دس کے قریب ہیں جن میں دس سے پندرہ لاکھ کے درمیان مجموعی طور پر سرمایہ لگا ہوا ہے۔ ان کے علاوہ اور بہت سے کارخانے چلائے جاتے ہیں خاص طور پر نہانے کے جن میں بچے، ملک کے زیورات اور تاروں کے کارخانے جن میں [illegible] کے اندر دیسی بیڑی کے تیار کرنے کا کام بھی کیا جاتا ہے۔ پیتل اور لوہے کے [illegible] کا کام بھی لیتے ہیں اور [illegible] اپنے گھر کا [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] کے مستری تقریباً سو کے قریب ہیں۔

[illegible] شہروں میں برادری کے کارخانے
سہارنپور میں:- دو ہوزری فیکٹریاں جو بڑے پیمانے پر دیہاتی ضروریات کا مال بناتی ہیں۔

علی گڈھ میں:- تالے کے کارخانے۔

کلکتہ میں:- تیل صاف کرنے کا کارخانہ۔ ادویات کے دو بڑے کارخانے جس میں نہ صرف ادویات بلکہ فینائل کی گولیاں وغیرہ بھی تیار ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک فرم کے مالک حاجی [illegible] صاحب ہیں جو علم کیمیا سے غیر معمولی شغف رکھتے ہیں اور سماجی اور تعلیمی کاموں کے لئے فیاضی کے ساتھ روپیہ دیتے ہیں۔

برادری کا نظام اور اس کی انجمنیں
برادری کا نظام بہت اچھی طرح قایم ہے۔ صرف [illegible] فی صدی موقع ایسا ہوتا ہے کہ برادری سے باہر شادی ہوتی ہے ورنہ باہر شادی نہیں ہوتی۔ جب لڑکیوں کی شادی کہیں باہر ہو جاتی ہے تو ان کی اولاد برادری میں ایک طرح سے اچھوت سی بن جاتی ہے اور برادری کی انجمنوں سے ان کو کسی قسم کی امداد نہیں ملتی اور نہ برادری کے لوگ عام طور سے ان کے ساتھ کوئی تعلق رکھتے ہیں۔ باہر کی لڑکی اگر اتفاق سے آجاتی ہے تو وہ رفتہ رفتہ برادری میں شامل ہو جاتی ہے اور اس کے بچوں کے ساتھ تو کسی قسم کا کوئی امتیاز نہیں کیا جاتا۔ برادری میں باہر شادی نہ کرنے کا یہ رجحان صرف معاشی وجوہ سے ہے یعنی اس لئے کہ جائداد اور پیشہ برادری سے باہر نہ جانے ورنہ دوسرے تمام معاملات میں کسی دوسری برادری کے لوگوں کو پنجابی برادری کے لوگ اپنے سے کمتر یا بہتر نہیں سمجھتے۔

برادری کی صرف ایک انجمن ہے یعنی انجمن وکیل قوم پنجابیان۔ یہ انجمن ان اوقاف کا [illegible] کرتی ہے جو اس کی نگرانی میں دے دئے جاتے ہیں۔ انجمن کے انتظام میں جو اوقاف ہیں اور [illegible]

[illegible] ہے سب کی [illegible]

[illegible] سالانہ مستقل آمدنی تقریباً بارہ ہزار روپیہ کی ہے۔ اس آمدنی سے مدرسے چلائے جاتے ہیں۔ اور امداد بیوگان کا کام کیا جاتا ہے اور قبرستان کا انتظام غیر مستطیع لوگوں کے لئے مفت کیا جاتا ہے۔ پنجابی اسکول سے میٹرک پاس کر کے جو پنجابی طلباء اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے ہیں [illegible] وظائف دیئے جاتے ہیں جن کے لئے پانچ سو روپیہ سالانہ کی رقم مخصوص کر دی گئی ہے۔ اس فنڈ میں اس وقت کافی روپیہ جمع ہے۔ جو لوگ صنعت کا کام شروع کرتے ہیں ان کی بھی سرمایہ سے امداد کی جاتی ہے اور اس کی حکومت ابھی تک سے عطیہ کی رہی ہے۔ شادی کے موقع پر غربائے قوم کی لڑکیوں کو ضروریات شادی کے لئے امداد دی جاتی ہے۔ یہ انجمن ۱۹۰۶ء میں قایم کی گئی تھی اور اس نے پنجابی اسکول کو ۱۹۰۸ء میں قایم کیا تھا۔

برادری سے خارج کرنے کا کام انجمن نہیں کرتی۔ نہ خاندانی جھگڑے انجمن طے کرتی ہے قوم کے بزرگ انفرادی طور پر ان جھگڑوں کا تصفیہ کر دیتے ہیں۔ کوئی شخص اگر برادری سے باہر شادی کرتا ہے تو انجمن اس میں بحیثیت انجمن دخل نہیں دیتی۔ اگر کوئی ایسا مسئلہ اٹھے جس کا برادری پر بحیثیت قوم اثر پڑتا ہو یا برادری کے تجارتی کاروبار پر اثر پڑتا ہو تو انجمن ارباب حکومت سے خط و کتابت کر کے یا شورش کر کے قوم کے جذبات کی نمائندگی کرتی ہے۔

پیدائش، شادی اور موت کے اندراجات کرنے کے لئے انجمن کی طرف سے [illegible] رجسٹر رکھے جاتے ہیں۔ ان اندراجات کو مکمل کرنے کے لئے منشی گھومتے رہتے ہیں۔ شادی کے لئے کوئی باقاعدہ قاضی نہیں ہوتے بلکہ جس مولوی سے عقیدت ہوتی ہے ان سے نکاح پڑھوایا جاتا ہے۔ مہر عام طور پر گیارہ سو روپئے سے اکیاون سو روپئے تک ہوتا ہے [illegible] ہوتا ہے۔

اس بڑی انجمن کے علاوہ کچھ اور دوسری اصلاحی انجمنیں بھی ہیں مثلاً (۱) [illegible] جن کے [illegible] پنجابی گزٹ نکلتا ہے (۲) بزم [illegible] کے ساتھ [illegible] نکلتا ہے اور (۳) انجمن [illegible] کے ساتھ [illegible] نکلتا ہے [illegible]

[illegible]

بہت خلاف شرع اسلام رائج ہو گئی تھیں اور جو گھن کی طرح برادری کے سرمایہ کو نقصان پہنچا رہی تھیں۔ ایک انجمن پنجابی لیگ کے نام سے بنائی گئی تھی ۱۹۳۰ء میں اس لیگ کا کام بہت زور شور سے چلا لیکن ۱۹۳۳ء میں یہ ختم ہو گئی اور اس کے بعد سے اس کی جگہ ابھی تک یوتھ لیگ کام کر رہی ہے اس نے بہت سی رسومات کے سلسلے میں خرچ کی حد بندی کر دی ہے کہ اس سے زیادہ ان پر برادری کا کوئی فرد کبھی خرچ نہیں کر سکتا۔ ذیل میں اس کی کچھ پابندیوں کو بطور نمونہ درج کیا جاتا ہے۔

زیوروں میں اسراف کو دور کرنے کے لئے ۱۹۱۰ء میں اسی تولہ سونا بیٹے والے اور ساٹھ تولہ سونا بیٹی والے کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ ایسے سات آٹھ جوڑوں کی جگہ جن کی لاگت ڈھائی ڈھائی سو پانچ پانچ سو فی جوڑہ سے کم نہیں ہوتی تھی اور صرف دیکھنے کے لائق ہوتے تھے دو جوڑے کر دئے گئے تھے۔ اس کے بعد بھی برابر اصلاح ہوتی رہی اور بہت سی رسمیں بند ہوتی رہیں ۱۹۳۲ء میں ان رسموں کے خلاف پورے طور پر کارروائی شروع کی گئی۔ لیگ نے تین بنیادی باتیں پیش کی تھیں

(۱) زیور میں زیادہ سے زیادہ سونا بیٹے والا چالیس تولہ اور بیٹی والا تیس تولہ دے سکتا تھا

(۲) جوڑے سو روپے کی لاگت کے اندر دئے جائیں۔ اس حد کے اندر جتنے چاہیں جوڑے دے سکتے ہیں۔

(۳) تیجہ کا کھانا بند کر دیا گیا۔ یہ کھانا پوری برادری کو کھلایا جاتا تھا اور اس میں دو ہزار روپے کے قریب خرچ ہو جاتے تھے۔

جو لوگ ان قاعدوں کی خلاف ورزی کرتے تھے ان کے یہاں پکنگ کی جاتی تھی اور ان پر جرمانہ بھی کیا جاتا تھا۔ پنجابی لیگ نے جو جرمانے وصول کئے ان کی رقم کو پنجابی اسکول کے بلڈنگ فنڈ میں جمع کیا گیا۔ ان سختیوں کی وجہ سے برادری کے لوگ پنجابی لیگ کے مخالف ہو گئے اور ان [illegible] مخالفت [illegible] کر کے اپنا کام چھوڑ دیا۔ اس لیگ کے کارکن بڑی عمر کے لوگ [illegible] لیکن [illegible] تھا جس میں عبد السلام صاحب کو بھی تجربہ [illegible] حاصل [illegible] اس طرح پنجابی لیگ ٹوٹ گئی۔

اس کے بعد پنجابی لیگ نے جو نوجوانوں پر مشتمل تھی اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ یوتھ لیگ نے کھانے کی مکمل بندش پر تو زور نہیں دیا۔ البتہ یہ پابندی لگادی کہ ساری برادری کو کھلانے کی اجازت نہیں ہوگی بلکہ جن کو دعوت دی جائے گی وہی لوگ دعوت میں آئیں گے۔ اب پانچ من کا کھانا پکوایا جاتا ہے اور صرف ایک کھانا پکوایا جاتا ہے۔ پہلے دس دس قسم کے کھانے ہوتے تھے اور ساری برادری کے لوگ چاہے انھیں بلاوا ہو یا نہ ہو آجاتے تھے اور زیادہ کھانے میں باقاعدہ باہمی مقابلہ ہوتا تھا۔ برادری کے نائی ڈوم برات کے کھانے کا اعلان کرتے تھے برات کا کھانا دینے کے لئے اب ایک شرط لگادی گئی ہے وہ یہ کہ جو برات کا کھانا دے وہ پچاس روپیہ پنجابی اسکول کو چندہ بھی دے۔

زیور کے سلسلے میں یوتھ لیگ نے بیس تولہ سونا بیٹے والے اور پندرہ تولہ سونا بیٹی والے کے لئے مقرر کردیا ہے۔ باقی سب رسوم شادی سے قبل، شادی کے دوران اور شادی کے بعد کی یکسر موقوف کردی گئی ہیں۔

بزم ادب، پنجابی نوجوانوں کا ادبی شعبہ ہے جہاں نہ صرف قوم کے نوجوان مختلف عنوانات پر تبصرے اور تقریریں باقاعدہ جلسوں کی صورت میں کرتے ہیں بلکہ ملک کے اہل علم و ہنر مختلف سیاسی معاشی اور ادبی موضوع پر نہ صرف بزم ادب کے اراکین بلکہ معاشرے کے نوجوانوں کے سامنے تقریریں کرتے ہیں۔ اس بزم کے ساتھ پنجابی پبلک لائبریری بھی وابستہ ہے جس کے پاس تقریباً چار ہزار کتابوں کا ذخیرہ ہے۔ روزنامہ، ہفتہ وار اور ماہنامہ رسائل تقریباً چالیس آتے ہیں۔ یہ ادارہ [illegible] پنجابی قوم کے نوجوانوں اور بزرگوں سے عطیات لے کر چلایا جاتا ہے [illegible] [illegible] کی کوشش جاری ہے۔ اس کتب خانہ کی [illegible] [illegible] [illegible] کتابوں کی ایک خاص فہرست [illegible] گئی ہے [illegible] [illegible] [illegible]

(۴۳) اسی قسم کے کام انجمن ضیاء الادب بھی کر رہی ہے۔ لیکن اس کے کتب خانہ یعنی نیشنل پبلک لائبریری کے پاس کتابوں کا ذخیرہ زیادہ ہے۔ پنجابی پبلک لائبریری کے مقابلہ میں اس کی تقریباً سب چیزیں ڈیوڑھی ہیں۔ نیشنل پبلک لائبریری کو تقریباً ڈیڑھ ہزار روپیہ سالانہ میونسپلٹی سے امداد بھی ملتی ہے۔

غرض برادری کا نظام اپنی جگہ پر قایم ہے اور اس کی انجمنیں اس نظام کو نئی ضرورتوں کے مطابق کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔

محلوں اور گھروں کی صفائی سوائے پھاٹک حبش خاں کے اور تمام محلے جن میں پنجابی برادری کے لوگ آباد ہیں، عموماً صاف رہتے ہیں، ہر محلہ میں محلہ کمیٹی ہوتی ہے اور وہ صفائی کا یا تو خود انتظام کرتی ہے یا میونسپلٹی سے کراتی ہے۔ ہر محلے میں ورزش، پریڈ وانٹیر کور، اسکاوٹ وغیرہ کا بھی انتظام رکھا جاتا ہے۔ حویلی حسام الدین اور کالے صاحب میں اسکاوٹنگ کا انتظام زیادہ باقاعدہ ہے۔ برادری کے لوگوں کے گھر بھی دوسرے لوگوں کے مقابلے میں زیادہ صاف رہتے ہیں، گھر کی عورتیں گھر کو بہت صاف رکھتی ہیں۔ کپڑے چاہے سادہ ہوں لیکن گھر کو بہت صاف رکھا جاتا ہے۔

تندرستی تندرستی زیادہ اچھی نہیں ہے کیونکہ کھاتے پیتے تو زیادہ ہیں لیکن ورزش زیادہ نہیں کرتے۔ ان کا دوکان پر یا گھر میں بیٹھنے کا کام ہوتا ہے، صحت کی خرابی، صفائی کی کمی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ورزش کی کمی کی وجہ سے ہے۔ پردہ بھی بہت سخت ہے۔ سوائے مخصوص رشتہ داروں کے سب سے پردہ کیا جاتا ہے۔ خالہ کے بیٹوں، شوہر کی بہن کے شوہر سے بھی پردہ کیا جاتا ہے۔ چچا کے بیٹوں سے بھی پردہ کیا جاتا ہے۔ ڈولی میں، موٹریں، تانگے میں پردہ لگا کر جاتی ہیں۔ لیکن جاتی ہر جگہ ہیں۔ سیر تفریح کے مقامات پر بھی جاتی ہیں لیکن [illegible] پردہ [illegible] زیادہ ہوتے ہیں۔ بچوں کی تندرستی کو بہتر کرنے کی کوشش جاری [illegible] اسکولوں [illegible] انتظام اچھا ہے۔

تعلیم پنجابی قوم میں عورتوں اور مردوں کی تعداد تقریباً برابر ہے یعنی تقریباً سات سات ہزار ہے۔ ان سات ہزار مردوں میں سے تقریباً ۲۰۰۰ سو کی عمر پچیس سال سے زیادہ اور ۵۰۰۰ سو کی پچیس سال سے کم ہے۔ جن مردوں کی عمر ۲۵ سال سے زیادہ ہے ان میں تعلیم کا تناسب حسب ذیل ہے۔

ناخواندہ ۲۳ فی صدی۔ خواندہ ۷۷ فی صدی میٹرک ۵ فی اور اعلی تعلیم یافتہ ۲ فی صدی

جن مردوں کی عمر پچیس سال سے کم ہے ان میں تعلیم کا تناسب حسب ذیل ہے

ناخواندہ ۵ فی صدی۔ خواندہ ۹۵ فی صدی میٹرک ۴۰ فی صدی۔ اعلی تعلیم یافتہ ۵ فی صدی

پنجابی ہائی اسکول مکمل طور پر پنجابی برادری کی نگرانی میں اور اس کے علاوہ فتحپوری مسلم ہائی اسکول اور مدرسہ بقیہ ماڈل اسکول پنجابیوں ہی کی نیم نگرانی میں چل رہا ہے۔ ہارس گارڈن کی اسکیم میں پنجابی ہائی اسکول ہائر سکنڈری اسکول کی اسکیم میں شامل ہو گیا ہے۔

عربی مدارس جو پنجابی قوم کی سرپرستی میں چلتے ہیں ان میں اہلِ حدیث کے مدرسوں کو سو فی صدی پنجابی قوم چلاتی ہے۔ ایسے بارہ مدرسے چلتے ہیں جن میں چھ سو طلباء باہر کے پڑھتے ہیں۔ ان مدرسوں میں کھانے رہنے سب چیزوں کا انتظام اہلِ حدیث کی طرف سے کیا جاتا ہے۔ احناف کے مدرسوں کی تعداد اہلِ حدیث سے زیادہ ہے۔ طلباء کی تعداد بھی زیادہ ہے۔ لیکن ان کا انحصار پنجابی قوم پر نہیں ہے۔

مولوی چیلی کے مدرسوں میں پنجابی قوم کے لڑکے بہت کم پڑھتے ہیں۔ قرآن خوانی کے مکتب ہر محلہ مسجد میں ہوتے ہیں لیکن ان میں پنجابی کی تخصیص نہیں ہوتی۔ حافظ [illegible] پنجابی قوم کے دس بارہ سے زیادہ بچے نہیں ہوں گے۔ [illegible] پنجابی [illegible] مکمل پندرہ پارے [illegible] ایک [illegible] اور ایک عالم [illegible]

[illegible] تعلیم کا تناسب مردوں سے کم ہے [illegible] ۶۰

[illegible]

[illegible] ہیں۔ میٹرک بیس چالیس ہیں۔ گریجویٹ بھی ایک دو ہیں۔

لڑکیوں کے لئے تین مدرسے ہیں۔ ایک بڑا اسکول محلہ [illegible] والے صاحب کے سامنے [illegible] اسکول کے نام سے ہے اس کے لئے دو لاکھ روپیہ کی جائداد وقف کر دی گئی ہے۔ اور اس سبب سے [illegible] ہر قسم کی امداد سے بے نیاز ہو کر چلتا رہتا ہے۔ اس کی نگرانی کے لئے ایک کمیٹی مقرر ہے۔ اس کی صدر محمد امین صاحب سنگاپور والے کی بیگم ہیں جنہوں نے دو لاکھ روپے کی جائداد اس کے لئے وقف کی ہے۔ اس کے سکریٹری ممتاز الدین صاحب چھتہ والے ہیں اور اراکین میں کچھ مرد اور عورتیں ہیں اس میں تین سو لڑکیاں پڑھتی ہیں اور دہلی کے ہر کونے سے رکشاؤں اور ڈولیوں میں یہاں پڑھنے کے لئے لڑکیاں آتی ہیں۔ استانیوں اور استادوں میں پنجابی قوم کی کوئی قید نہیں ہے۔ صرف پنجابی ہندی سکھانے کے لئے ایک پنجابی استاد ضرور رکھا جاتا ہے۔ لڑکیوں کے لئے اسی کے علاوہ دو مدرسے اور ہیں۔ ایک حافظ حمید اللہ کا قائم کیا ہوا محلہ کشن گنج میں اور دوسرا اہلیہ فضل الرحمن کا قائم کیا ہوا بارہ دری نواب وزیر پھاٹک حبش خاں میں۔ لیکن ان کا بار ان دونوں حضرات کی ذات پر ہے۔ ان کے لئے کوئی مستقل وقف نہیں ہے۔

عورتوں اور لڑکیوں میں یہ رجحان ہے کہ زیادہ تعلیم حاصل نہ کی جائے لیکن مردوں میں لڑکیوں کی تعلیم کا احساس ہے اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ لڑکیوں کی تعلیم کا معیار بھی مردوں کے برابر ہو۔

اخلاقی حالت

پنجابی قوم میں من حیث القوم تو برائیاں نہیں ہیں۔ کچھ لوگوں میں ضرور برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں لیکن رائے عامہ ان کے اس قدر خلاف ہے کہ ان کو یہ برائیاں چھوڑنا پڑتی ہیں۔ نوجوانوں میں اصلاح کا اتنا جذبہ ہے کہ وہ تو عام طور پر سگریٹ پینے کے روادار نہیں ہیں۔ بڑوں میں کچھ لوگ رنگین مزاج تھے لیکن نوجوانوں میں بالکل نہیں ہیں۔ بارات میں ڈھول [illegible] اچھا نہیں سمجھا جاتا۔

[illegible] میں چار خان بہادر ہیں اور ایک خان صاحب ہیں۔ [illegible] میونسپل کمیٹی [illegible]

[illegible]

ہوتے ہیں [illegible] ایک [illegible] [illegible]
[illegible]

برادری کے ممتاز لوگ

[illegible] پولیٹیکل کام کرنے کی وجہ سے [illegible] کام کی وجہ سے۔

پولیٹیکل کام کرنے والوں میں [illegible] تعلیم بھی شامل ہے [illegible] خان بہادر [illegible] صاحب [illegible] خان بہادر حاجی [illegible] صاحب اور حاجی کرم الٰہی صاحب [illegible] والوں نے [illegible] میں شامل ہو گئے ہیں۔ درمیانی عمر کے لوگوں میں شیخ عبدالسلام صاحب [illegible] سے شیخ [illegible] صاحب [illegible] شیخ محمد [illegible] صاحب [illegible] والے [illegible] صاحب کے نام [illegible] ذکر ہیں۔ نئی [illegible] کے لوگوں میں محمد رفیع صاحب کپڑے والے، محمد عمر [illegible] صاحب اور [illegible] صاحب [illegible]

پولیٹیکل کام کرنے والوں میں ہر خیال کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ مسلم لیگ [illegible] کے [illegible] ہیں اور چند کانگریس [illegible] کانگریس [illegible] کے [illegible] خدمت کرنے والے بڑی عمر کے لوگوں میں محمد عثمان صاحب [illegible] والے [illegible] محمد تقی صاحب [illegible] کانگریس سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور خان بہادر [illegible] صاحب [illegible] مسلم لیگ سے دلچسپی لینے والوں میں [illegible] ہے [illegible] عبدالسلام صاحب [illegible]

[illegible]

[illegible] صاحب [illegible] اور شیخ محمد صالحین صاحب انبالے والے کے نام لائق ذکر ہیں۔

برادری کی مالی حیثیت

برادری میں کم سے کم ایک کروڑپتی ہیں۔ چھ سات پچاس لاکھ اور ایک کروڑ کے درمیان حیثیت رکھتے ہیں دس لاکھ اور پچاس لاکھ کے درمیان حیثیت رکھنے والے پچاس کے قریب ہیں۔ ایک لاکھ اور دس لاکھ کے درمیان ڈیڑھ سو سے زیادہ ہیں۔ پچاس ہزار اور ایک لاکھ کے درمیان تین سو سے زیادہ ہیں۔ دس ہزار اور پچاس ہزار کے درمیان ایک ہزار کے قریب ہیں اور ایک ہزار اور دس ہزار کے درمیان ہر اس شخص کو سمجھنا چاہیے جس کی شادی ہو گئی ہے کیونکہ تقریباً ایک ہزار کا تو جہیز ہی مل جاتا ہے اور اس کے نیچے بقیہ سب ہیں۔

برادری کا سرمایہ [illegible]

برادری کا سرمایہ صرافی جائداد میں بہت کم لگا ہوا ہے اندازاً دو فی صدی۔ شہر کی جائداد میں تقریباً پچاس فی صدی سرمایہ لگا ہوا ہے فیکٹریوں اور کارخانوں میں پندرہ فی صدی۔ دوکانوں وغیرہ میں ۳۰ فی صدی۔ اس لیے سے [illegible] اور [illegible] قرضوں میں ایک فی صدی سے کم سمجھنا چاہیے۔ چار پانچ آدمی سود کا لین دین [illegible] کے ساتھ [illegible] لیکن قوم میں ان کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ اس میں سے [illegible] فی صدی [illegible] کے اور دو [illegible] قسم ملیٹری کے کنٹریکٹر بھی ہیں۔ سونا اس [illegible] کے پاس [illegible] ہے لیکن جواہرات وغیرہ بہت کم ہیں۔ جن لوگوں کی حیثیت دیکھ [illegible] سے [illegible] رکھتے ہیں [illegible] کپڑوں کا خرچ بھی زیادہ ہوتا ہے۔ [illegible] زیادہ ہوتے ہیں۔ گھروں میں تانبے کے برتن استعمال [illegible] [illegible] کا استعمال کم ہوتا ہے۔ عورتیں کفایت شعار [illegible] [illegible] وغیرہ بہت اچھے ہوتے ہیں۔ کوئی [illegible] [illegible] ریڈیو کا استعمال ہوتا ہے [illegible]

[illegible]

اور بہت کم ہیں قرضہ کاروبار کی ضرورت کے لئے دوسروں سے لیا جاتا اور دیا جاتا ہے۔ لیکن [illegible] کے روپے پر قوم انحصار نہیں کرتی۔

برادری کے چار پانچ افراد دلوں کے ڈاکٹر بھی ہیں۔

برادری کے فیملی سیٹ

پنجابی برادری میں متمول، اوسط اور غریب ہر ایک طبقہ کے افراد عام طور سے اپنے اپنے کنبہ والوں کے ساتھ مل جل کر مشترکہ کنبوں کی صورت میں نہیں رہتے بلکہ چھوٹے چھوٹے خاندان کی صورت میں علیحدہ علیحدہ رہتے ہیں، اس کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ باپ اور بیٹا، بیٹے کی شادی ہوجانے یا زیادہ سے زیادہ ایک آدھ اولاد ہوجانے کے بعد علیحدہ ہوجایا کرتے ہیں۔

برادری کا غریب طبقہ

پنجابی برادری کے غریب طبقہ سے مراد ایسے اہل وعیال والے افراد ہیں جو بیس روپے ماہوار سے پچاس ساٹھ روپے ماہوار تک نوکری یا کسی دستکاری سے حاصل کرتے ہیں۔ یہ لوگ عام طور پر اپنی آمدنی اپنی بیوی کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں جو نہایت کفایت شعاری سے اسے خرچ کرتی ہے۔ مرد سوائے کبھی کبھی بائسکوپ جانے کے اور اپنے برابر والوں سے گپ شپ کرنے کے کوئی خاص شوق نہیں کرتے۔ بازار میں کھانا پینا عیب نہیں تو کچھ اچھا بھی نہیں سمجھتے۔ مرد پہننے اوڑھنے کے معاملے میں بہت سادہ مزاج ہوتے ہیں۔ ان کی پوشاک پر اوسطاً تین چار روپے ماہوار سے زیادہ خرچ نہیں ہوتا۔ عورتیں کپڑوں پر کافی خرچ کرتی ہیں۔ عام طور سے ولایتی باریک کپڑا پہنا جاتا ہے۔ گھر میں سفید وائل، چکن اور تقریبات کے موقع پر کریب، جارجیٹ، ٹسر وغیرہ پہنا جاتا ہے۔ غذا میں گوشت بہت کافی کھایا جاتا ہے۔ پنجابی عورتیں کھانا پکانے میں بڑی ماہر ہوتی ہیں۔ مرد عام طور سے اپنی حیثیت کو سمجھتے ہیں لیکن عورتیں برادری کے [illegible] خواتین کے آگے اپنی کم مائیگی کے اظہار کے مواقع نہیں آنے دیتیں [illegible] کے

[illegible] کے [illegible] اس کے بعد [illegible] کے

[illegible]

ماہوار خرچ کا اوسط حسب ذیل ہوتا ہے:-

برادری کا متوسط طبقہ | خوراک ۴۰ فی صدی۔ کپڑا ۲۵ فی صدی۔ رہائش ۲۵ فی صدی۔ صفائی ۵ فی صدی۔ علاج ۳ فی صدی۔ پس انداز ۲ فی صدی۔

متوسط طبقے سے ایسے خاندان مراد ہیں جن کے وسائل آمدنی ایک سو سے دو سو روپے ماہوار تک ہیں۔ پنجابی برادری میں یہ طبقہ تعداد میں دوسرے دونوں طبقوں سے زیادہ ہے۔ یہ اپنی آمدنی کا ۷۵ فی صدی حصہ اپنی شریک زندگی کو دیتے ہیں جو جملہ اخراجات آمدنی کے تناسب سے کرتی ہیں۔ البتہ رسومات کے موقع پر کسی تناسب کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ ان کے گھروں میں گھریلو کام کے لئے، بچہ کھلانے کے لئے۔ بازار کا سودا سلف لانے کے لئے بوڑھے یا کم عمر لڑکے ملازم ہوتے ہیں۔ گھر کی صفائی اور روٹی پکانے کے لئے نوکرنیاں مقرر ہوتی ہیں۔ عام طور سے متوسط طبقہ کی عورتیں ہنڈیا خود نہیں پکاتی ہیں۔ ان کا کام محض نگرانی کرنا اور کام کرانا رہ جاتا ہے اور یہ بیٹھے بیٹھے حکم چلانے کی عادی ہوجاتی ہیں۔ مکان بہت صاف، فرنیچر اور فرش فروش سے آراستہ ہوتے ہیں سفید چاندنیاں بھی ہوتی ہیں، جن پر ریشمی غلافوں کے تکئے لگے ہوتے ہیں۔ چینی کے ظروف طاقوں میں سجے ہوتے ہیں۔ عورتوں کو شادی بیاہ سے خاص دلچسپی ہوتی ہے اور عام طور سے ان کا موضوع بحث یہی ہوتا ہے۔ موقع آنے پر اپنی بساط سے زیادہ اور مستقبل کے نتائج سے بے پرواہ ہوکر خرچ کیا کرتی ہیں۔ مرد سادہ لباس لیکن صاف پوش ہوتے ہیں اور ان کی زندگی کا مشغلہ محض کاروبار اور گھریلو سیاست ہوا کرتا ہے۔ البتہ اس طبقہ کے نوجوانوں میں ادبی اور سماجی خدمت کرنے کا کافی حوصلہ ہوتا ہے اور وہ اس میدان میں کام بھی کرتے ہیں۔ لڑکیاں پڑھی لکھی ہوتی ہیں لیکن ان کو کوئی اعلیٰ تعلیم نہیں دلائی جاتی۔ عورتیں سلیقہ مند ہوتی ہیں۔ گھروں میں صاف ستھرا سادہ لباس پہنتی ہیں۔

اس طبقہ کے اخراجات کا تناسب عموماً حسب ذیل ہوتا ہے:-

خوراک ۳۰ فی صدی۔ کپڑا ۲۵ فی صدی۔ آرائش ۱۰ فی صدی۔ مکان عام طور سے ذاتی [illegible] ۱۰ فی صدی۔ علاج و تعلیم ۱۰ فی صدی۔ پس انداز ۱۵ فی صدی۔

برادری کا طبقہ امراء

تیسرے طبقے یعنی امراء کے افراد پنجابی برادری میں طبقۂ غربا اور طبقۂ متوسط سے کم پائے جاتے ہیں۔ اس طبقہ کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے ایک وہ جو بڑے پیمانے پر تجارت کر رہے ہیں۔ اور دوسرے وہ جو محض جائداد پر تکیہ کئے بیٹھے ہیں اور کوئی کام نہیں کرتے۔ گروہ اول کی کمزوری یہ ہے کہ وہ زمانے کی رفتار کے مطابق صنعت کی طرف متوجہ نہیں ہے۔ گروہ دوم کے افراد عضو معطل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کے افراد عام طور پر کسی کلب کے ممبر ہوتے ہیں اور اکثر صبح سے شام تک کسی کلب کی فضا میں اپنا وقت گزار دیتے ہیں۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ گروہ اعلیٰ تعلیم سے بہرہ مند نہیں ہے۔ البتہ اس کے نوجوان اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور صنعت و تجارت کی طرف متوجہ ہیں۔

طبقۂ امراء کی ماہانہ آمدنی تین سو روپے سے ہزار ڈیڑھ ہزار روپے تک اور کہیں اس سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ گھریلو اخراجات کہیں بھی چار سو سے زیادہ نہیں ہوتے۔ خرچ کا تناسب وہی رہتا ہے جو متوسط طبقہ کا اوپر بیان کیا گیا ہے۔ گھریلو زندگی بھی بڑی حد تک متوسط طبقہ سے ملتی جلتی ہوتی ہے۔ البتہ اس میں عیش پرستی اور کاہلی کے اثرات نمایاں ہوتے ہیں۔ گھریلو ساز و سامان میں چیتھڑے پرانی کے [illegible] ہوتے ہیں۔ کمروں کے دروازوں پر ریشمی پھول دار پردوں کا اضافہ ہوتا ہے علاوہ ازیں [illegible] کے لئے کمرے مخصوص ہوتے ہیں اور مختلف مناظر کی تصاویر ان میں آویزاں ہوتی ہیں۔ [illegible] اور [illegible] ان کی ضروریات زندگی میں شامل ہوتا ہے۔

برادری کی عام معاشی [illegible]

[illegible] تجارت اس برادری کی خصوصیت ہے اور ہر پنجابی بچہ [illegible] کا کام شروع ہی سے سیکھ لیتا ہے چنانچہ ان کے [illegible] چھوٹے بچے [illegible] سامان بیچتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس تجارت میں پہلے تو [illegible] مال [illegible] جرمنی، جاپان اور امریکہ سے آتا تھا لیکن [illegible] کے [illegible] آیا مال کے [illegible] ہو گئے

اور انہوں نے اپنے مال کے فروخت کرنے کے لئے اپنے ذاتی دوکاندار مقرر کر دیئے۔ اس لئے سول ایجنٹ ہونے کا جو فائدہ پہلے پنجابی برادری کے لوگوں کو ملا ہوا تھا وہ باقی نہیں رہا مقامی کام میں بھی بہت سے ہندو شریک ہو گئے اور دوسرے اضلاع کے لوگوں نے دہلی کے تھوک فروشوں سے مال منگانے کی جگہ براہ راست ہندوستانی کارخانوں کے ہندو ایجنٹوں سے چیزیں منگانا شروع کر دیں۔ جب دیسی مال شروع میں چلا تھا تو کچھ کارخانے والوں نے اپنا مال صدر بازار کے پنجابی دوکانداروں کو دینا چاہا تھا لیکن انھوں نے یہ خیال کر کے کہ یہ مال چلنے والا نہیں ہے اور کلکتہ امریکہ اور جاپان کے مال بھیجنے والوں سے بگاڑ کرنا ٹھیک نہیں ہے مال کو قبول نہیں کیا تھا دوسرے ہندو کارخانہ داروں نے بھی فرقہ پرستی کے جذبہ کے ماتحت ان کو مائل کرنے کی کوئی خاص کوشش نہیں کی تھی۔ اس لئے ہندو کارخانہ داروں کے ہندو دوکاندار پیدا ہو گئے اور ان کا مال بھی چل نکلا چنانچہ اب صدر بازار اور چاندنی چوک کے مسلمان دوکانداروں کو بھی دیسی مال منگانا پڑتا ہے لیکن کارخانہ سے براہ راست ان کے پاس مال نہیں آتا اور نہ اس کے وہ سول ایجنٹ ہیں۔ اس لئے اس مال کی تھوک تجارت ان کے ہاتھ میں زیادہ نہیں ہے، صرف مقامی تجارت ہے اور اس میں بھی ہندوؤں کا مقابلہ ہے۔ لیکن یہ بات نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے ان کی حالت بہت گر گئی ہو فرق یہ ہوا ہے کہ ان کی پرانی دوکانیں تو اپنی جگہ پر قایم ہیں اور تقریباً اتنا ہی بلکہ زیادہ کما رہی ہیں۔ جتنا پہلے کماتی تھیں لیکن ان کے ساتھ نئی دوکانیں ہندوؤں اور دوسرے لوگوں کی قایم ہو گئی ہیں اور بیوپار کا پیمانہ بڑھ گیا ہے پہلے اگر مجموعی بیوپار بیس لاکھ کا تھا تو اب ایک کروڑ روپیہ کا ہو گیا ہے۔ پہلے سارے کا سارا تقریباً ان کے ہاتھ میں تھا۔ تو اب اس میں دوسرے بھی ان کے شریک ہو گئے ہیں [illegible] نسبتی حصہ کم ہو گیا ہے۔ ہندوؤں کے مقابلے میں پہلے بیوپار تجارت میں ان کا تناسب تقریباً سو فی صدی تھا تو اب پچیس فی صدی رہ گیا ہے لیکن صدر بازار کی جائداد کے مالک ابھی تک [illegible] ہندو کرایہ دار کی حیثیت سے ان کے مکان میں اپنی دوکان کرتے ہیں [illegible] اور [illegible] تجارت سے زیادہ اب اس جائداد کا منافع [illegible]

رہائشی مکانوں کے علاوہ مشہور بازاروں کی دکانیں، کشمیری دروازہ کی آدھی دکانیں، نئی دہلی کی بہت سی عمارتیں، امپیریل ہوٹل، میڈنیا ہوٹل، حوض قاضی کے پاس کی بڑی عمارت، کلاں محل وغیرہ یہ سب مکان پنجابی سوداگروں کے لوگوں کے پاس ہیں۔ اس برادری کے بڑے سرمایہ دار لوگ اب صنعت کی طرف بھی مائل ہیں البتہ جو محض مکانوں کے کرایہ یا جائداد کی آمدنی پر تکیہ کئے ہوئے ہیں وہ اپنے زائد اخراجات اور کم آمدنی کی وجہ سے پریشان ہیں۔ اوسط طبقہ کی تعداد زیادہ ہے لیکن اونچے درجہ کے ان لوگوں کی دولت جو تجارت اور صنعت کرتے بڑھ رہی ہے۔ اب ۱۹۳۹ء کے مقابلہ میں ملازموں (یعنی دوکان پر ملازم کی حیثیت سے کام کرنے والوں) کی تعداد زیادہ ہو گئی ہے۔ اسباب جو ہر جگہ ہیں وہی یہاں بھی کام کر رہے ہیں۔ دوکان کے کام میں اب سرمایہ لگانے کی ضرورت زیادہ پڑنے لگی ہے۔ پہلے صورت یہ تھی کہ دوسرے ملکوں کا مال منگایا جاتا تھا اور جو شخص بازار میں ایک دفعہ پیر جما لیتا تھا اسے پھر کاروبار میں اپنا زیادہ روپیہ لگانے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ مال باعتبار پہنچتا رہتا تھا اور وہ تھوک فروخت کر کے سہولت کے ساتھ دام ادا کرتا رہتا تھا اور درمیان میں اپنی آڑھت کا حق کماتا رہتا تھا۔ اس طرح لوگوں نے بغیر زیادہ روپیہ لگائے خوب نفعے کمائے اور اپنے خرچ بھی اپنی آمدنی کے لحاظ سے خوب بڑھائے اور یہ سمجھا کہ جو مالی حالت آج ہے وہی ہمیشہ رہے گی۔ لیکن جب باہر کا مال چلنا بند ہو گیا اور ملکی کارخانوں کا مال چلنے لگا تو ایک طرف تو اس کے حاصل کرنے کے لئے زیادہ روپیہ لگانے کی ضرورت پیش آئی کیونکہ کارخانہ دار نقد مال دینا چاہتے تھے اور دوسری طرف خوردہ کے دوکانداروں نے جن کے ہاتھ مال فروخت کیا جاتا تھا وہ ادھار خریدنے کا مطالبہ کرنا شروع کیا اور اس طرف بھی روپیہ لگانا ضروری ہو گیا اس کی وجہ سے صرف وہ تاجر باقی رہ گئے جن کا کام اپنے ہاتھ میں رکھا ... اکثر لوگوں نے اپنا کام بند کر کے ان روپیہ والوں کی ملازمت کرنا شروع کر دی۔ یہی حال سوت کے کاروبار میں بھی ہوا لیکن اوسط درجہ کے جو لوگ ختم ہوئے ان کے کاروبار کو برادری سے باہر جانے نہ دیا گیا بلکہ برادری کے لوگوں ہی نے ان کا کاروبار لے لیا اور آج جو لوگ ان دکانوں پر ملازم ہیں کہ ... زمانے میں یہی کاروبار خود کیا کرتے تھے۔

ضمیمہ متعلق بہ سکنائی جائداد

زیادہ جائداد والے لوگ اس برادری میں زیادہ جائداد والے لوگوں میں حسب ذیل نام ممتاز اور قابل ذکر ہیں۔ (۱) محمد امین صاحب سنگاپوری (۲) سراج الدین صاحب کلکتہ والے (۳) محمد اسمٰعیل صاحب (۴) سلطان احمد صاحب جاپان والے (۵) حبیب الرحمٰن عبدالوہاب صاحبان (۶) حافظ محمد صدیق صاحب لاہور والے (۸) افضل الدین صاحب لیس والے (۹) حافظ حمید اللہ صاحب چھاپڑے (۱۰) ایس ایم عبداللہ صاحب اسی طرح کے اور بھی موجود ہیں۔

دہلی شہر میں سکنائی جائداد کی قیمت میں اضافہ جائداد کا بھاؤ چاندنی چوک میں تقریباً ۳۰ روپیہ سینکڑہ ماہانہ ہو گیا ہے۔ عام طور پر برسرِ راہ اچھی جائدادیں ۱۴ روپیہ ماہوار پر فروخت ہو جاتی ہیں۔ شہر کے محلوں کے مکان ۶ روپیہ تک اور دور افتادہ جگہ کے ۸ تک۔ پہلے ۸ معمولی بات تھی اب ۸ بھی بہت کم رہ گیا ہے۔

جائدادوں سے اس زمانے میں لوگوں نے خوب روپیہ کمایا ہے لیکن یہ کرایہ کی آمدنی سے نہیں اس لئے کہ کرایہ کے کنٹرول کی وجہ سے کرایہ میں اضافہ کرنا ممکن نہیں تھا بلکہ مکانوں کو بیچ کر۔ لوگوں کے پاس جنگ کے زمانے میں روپئے کی افراط ہو گئی تھی اور روپئے کے خرچ کرنے یا کاروبار میں لگانے یا نئے مکان تعمیر کرنے کے مواقع کم ہو گئے تھے۔ روپئے کی قیمت تیزی سے گر رہی تھی۔ لوگ قیمت کے زوال سے بچنے اور روپئے کی جگہ ٹھوس جائداد رکھنے کے خیال سے سکنائی جائداد خریدنا چاہتے تھے۔ چنانچہ دو ہزار کی جائداد پانچ ہزار تک میں فروخت کی گئی اور اس سے لاکھوں روپیہ لوگوں نے کما لیا۔

پہلے کے اوسط کے مقابلے میں اب جائداد کی قیمت میں اوسطاً چار گنا اضافہ ہو گیا ہے۔[۱]

---

[۱] ... کی گئی تھی۔

تعلیم اور سماج

"تعلیم اور سماج" کے نام سے ایک کتاب جناب سعید انصاری صاحب کی عنقریب شائع ہو رہی ہے جس میں آپ نے میکسیکو کے دیہی تعلیم کے ایک نادر تجربہ کا حال بیان کیا ہے۔ یہ حصہ اسی کتاب کا ایک باب ہے جو موصوف نے خاص ہمارے رسالے کے لئے عنایت فرمایا ہے۔ اس کتاب میں آپ نے بتایا ہے کہ سنہ ۱۹۱۰ء کے انقلاب کے بعد جب حکومت میکسیکو نے اپنے ملک میں تعلیم کو عام کرنا چاہا تو کس طرح اس کا تعلق سب سے پہلے سماج سے جوڑا اور اس کے لئے اس نے کیا کیا طریقے اختیار کئے۔ انھیں طریقوں میں ایک طریقہ "تمدنی مبلغین" کا بھی تھا۔ جس کا حال آپ کو اس مضمون میں ملے گا۔

مدیر

تمدنی مبلغین

حکومت میکسیکو نے جب اپنے دیہاتوں میں تعلیم عام کرنے کا فیصلہ کیا تو سب سے پہلے اس غرض کے لئے بہت اچھے تربیت یافتہ استادوں کی ضرورت پیش آئی۔ یہ ضرورت اس نے تین طریقوں سے پوری کی۔

(۱) استادوں کے مدرسے قائم کرکے [illegible]

[illegible]

بیعت کے اعتبار سے سب سے اچھوتا اور نیا طریقہ تھا جس سے سب سے بڑے پیمانے پر کام لیا گیا۔

اس طریقے سے کام لینے کی ضرورت مختلف وجوہ کی بنا پر پیش آئی۔ ایک یہ کہ اب تک جتنے مدرسین کام کرتے تھے ان کی ایک تو علمی استعداد بہت کم تھی، اور دوسرے یہ کہ ان کی تعلیمی تربیت بھی بہت ناقص تھی۔ اس لئے ضرورت تھی کہ انھیں اپنے کاموں سے علیحدہ کئے بغیر کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے ان کی علمی کمی بھی پوری ہو جائے، اور دوسرے ان کی تربیت کی تربیت بھی ہو جائے تیسرے یہ خیال تھا کہ ان مدرسین کو مروجہ طریقوں پر تعلیم دلانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اس لئے کہ وہ ان نئے قومی مقاصد میں کوئی مدد نہیں پہنچا سکتے ہیں۔ پھر چوتھے یہ کہ جتنی بڑی تعداد میں اس وقت مدرسین کی ضرورت تھی، وہ کسی طریقے سے بھی اس قلیل مدت میں پوری نہیں ہو سکتی تھی۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس نئے کام کے لئے نئے طرز کے مدرسین کی ضرورت تھی۔ چنانچہ تمدنی مبلغین ہی کا واحد طریقہ تھا جو عمل میں آیا۔

تمدنی مبلغین حقیقت میں نہایت سرگرم کام کرنے والوں کی ایک جماعت تھی جو مرکزی حکومت کی طرف سے اس غرض کے لئے مقرر کی گئی تھی کہ وہ جگہ جگہ گھوم پھر کر لوگوں کو مرکزی حکومت کا پیغام پہنچائے اور ان کی تمدنی اصلاح اور تربیت کرے۔ مرکزی حکومت نے ایسی متعدد جماعتیں قائم کی تھیں جن میں سے ہر ایک کا ایک علاقہ مقرر ہوتا تھا۔ یہ علاقہ مختلف مرکزوں میں تقسیم ہوتا تھا۔ اور ہر مرکز پر یہ جماعت اس علاقے کے تمام مدرسین کو یکجا کر کے ایک مختصر سا نصاب دیتی تھی۔ یہ مدرسین آس پاس کے تمام گاؤں اور قصبوں سے آتے تھے اور اس مرکز پر جمع ہو جاتے تھے۔ سب ایک ہی جگہ قیام کرتے اور ایک ہی مطبخ سے کھانا کھاتے۔ یہ اپنے اپنے بستر اور کھانے پینے کے برتن ساتھ لاتے۔ کل نصاب زیادہ سے زیادہ ایک مہینے کا ہوتا اور روزانہ ۶ بجے صبح سے لے کر شام کے ۶ بجے تک مصروفیت رہتی۔

[illegible] جماعت مختلف قسم کے کام کرنے والوں پر مشتمل ہوتی تھی اور ان میں سے [illegible] ایک زراعت اور کھیتی باڑی سے متعلق کاموں کا ماہر

دوسرا عقلمند دستکاریوں کا واقف کار جس میں مٹی کے برتن بنانا، کتائی بُنائی، صابن سازی کا کام وغیرہ شامل ہوتا۔ تیسرا شخص، ڈراما اور آرٹ وغیرہ کے کاموں کا جاننے والا ہوتا۔ تربیت جسمانی کا ماہر جس کے ذمہ تفریحات اور کھیل کود کا پروگرام ہوتا پھر ایک یا ایک سے زیادہ نرسیں ہوتیں جو بستی کے لوگوں کی صحت کی دیکھ بھال کا کام انجام دیتیں۔ سب سے آخر میں دیہات کا کام جاننے والا ہوتا۔ جوان سب سے زیادہ اہم شخص ہوتا تھا، امور خانہ داری، بچوں کی پرورش اور دیکھ بھال، زندگی سے متعلق جملہ امور کی تعلیم و تربیت سب اسی اصلاح دیہات کے کام جاننے والے شخص کے ذمے ہوتی تھی۔

تمدنی مبلغین کی اس جماعت کے لئے کسی خاص علمی قابلیت یا تعلیمی سند کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ البتہ یہ خیال ضرور رکھا جاتا تھا کہ کم سے کم اس جماعت کے ارکان کی عام تعلیم اتنی ہو کہ وہ ان مدرسین کی تعلیم و تربیت کا کام انجام دے سکیں۔ بعض وقت وہ کاروباری اور تجارت پیشہ لوگوں میں سے ہوتے تھے۔ ان کے بارے میں جس بات کا خاص طور سے خیال رکھا جاتا وہ یہ کہ ان میں دوسروں کی اصلاح اور رہبری کا مادہ موجود ہو، اور وہ تعلیم کو اصلاح معاشرہ اور عام فلاح و بہبود کا ایک موثر ذریعہ سمجھتے ہوں۔ ان پر روز بروز اس بات کی ذمہ داری ڈالی جارہی ہے کہ وہ لوگوں میں سماجی اور معاشی زندگی کا ایک اعلیٰ نصب العین پیدا کر سکیں اور ان کی زندگیوں کو ہر اعتبار سے بہتر بنا سکیں۔

مبلغین کا انتخاب اور تقرر مرکزی حکومت کی طرف سے ہوتا ہے۔ حکومت کے مرکزی محکمہ تعلیم میں اس کا ایک خاص شعبہ ہے جو ان مبلغین کے کاموں کی نگرانی اور دیکھ بھال رکھتا ہے۔ جب ان مبلغین کا انتخاب شروع ہوتا ہے تو اس علاقہ کے افسران تعلیم کو ہدایت ہوتی ہے کہ اس انتخاب میں شریک ہوں اور اپنے علاقہ کے اصولوں کی اشاعت اور ان طریقوں پر کام شروع کریں۔

[illegible] مرکزی حکومت کی طرف سے ... مبلغین کی تعلیم ... [illegible]

بنیادی تعلیم کا ایک نصاب شروع کیا گیا۔ ان کے نصاب میں جن مضامین کی تعلیم کا خاص طور پر التزام کیا گیا تھا۔ وہ یہ تھے:۔

۱۔ اصول تعلیم (جس میں دیہی اور شہری دونوں طرح کی تعلیم کے اصول تھے)

۲۔ نفسیات تعلیم۔

۳۔ طریقہ تعلیم۔

۴۔ انتظام مدرسہ

۵۔ حفظان صحت و صفائی۔

۶۔ دیہی معیشت۔

۷۔ بچوں کا ادب۔

عورتوں کے لئے امور خانہ داری سے متعلق ان کے نصاب میں حسب ذیل چیزیں شامل تھیں:۔

۱۔ بچوں کی غذا اور ان کی پرورش اور دیکھ بھال۔

۲۔ کپڑے بنانا۔

۳۔ صحت و صفائی۔

۴۔ دیہی زندگی۔

اس طرح تربیت جسمانی سے متعلق ان کے نصاب میں حسب ذیل چیزیں داخل تھیں:۔

۱۔ کھیل کود اور ورزش

۲۔ اصلاح جسم

۳۔ ہم آہنگ ورزش۔

۴۔ علم الابدان و حفظان صحت

[illegible]

[illegible] وقت سے متعلق حسب ذیل امور سکھائے گئے

۱۔ زرعی مسائل

۲۔ دیہی قرضے۔

۳۔ گھریلو صنعتیں۔

۴۔ دیہی زندگی۔

مالی مسائل میں اور گھریلو صنعتوں میں حسب ذیل چیزوں کی نظری اور عملی دونوں قسم کی تعلیم شامل تھی۔

۱۔ صابن بنانا

۲۔ چمڑا سجھانا۔

۳۔ پھل اور سبزیاں سکھانا۔

۴۔ دوسری دستکاریاں۔

۵۔ ڈیری کا کام۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ ان جماعتوں کا ایک ایک حلقہ ہوتا ہے اور ہر حلقہ میں کم از کم ایک صاحب ہونا ضروری ہے۔ ہر حلقہ کم و بیش ۰۰ امربع میل پر مشتمل ہوتا ہے۔ حلقے آبادی اور وسعت کے لحاظ سے چھوٹے بڑے بھی ہوتے ہیں۔ سنہ ۱۹۳۱ء میں پانچ سو بارہ جماعتیں تھیں اور سب مستقل قیام کرنے والی۔ انہوں نے تقریباً تمام بنگال کو چھان ڈالا۔ اگرچہ آبادی اور وسعت کے لحاظ سے کافی نہیں ہے پھر بھی ان کی خدمات کے ہر جزو کے لحاظ سے یہ کہا جا سکتا ہے [illegible]

[illegible] تعلیم کو ان جماعتوں کے کاموں کا [illegible]

[illegible]

سے ذیل ہے جس سے ان کے کاموں اور ان کی نوعیت کے متعلق بہت کچھ روشنی پڑے گی۔

اصلاح دیہات کا کام کرنے والوں کے متعلق ہدایات :۔

۱۔ استادوں کے ساتھ کام کرنے والوں کے لئے :۔

(ا) حفظان صحت جس میں ابتدائی دوا علاج اور عام بیماریوں کے انسداد سے متعلق باتیں شامل ہیں :۔

(ب) اصول تغذیہ۔ جس میں متوازن غذا کا پروگرام، کھانا پکانے کی ترکیب اور کھانا پکانے طریقے شامل ہیں۔

(ج) بچوں کی پرورش اور دیکھ بھال۔

(د) سینا پرونا اور اس قسم کے دوسرے کام۔

(ہ) چند ایسے اسباق جن سے بستی کے لوگوں میں کام کرنے کے طریقے معلوم ہوں۔ یہ کام ...وں کی تنظیم، امداد باہمی، گھروں کی درستی اور اصلاح سے متعلق ہوں گے۔

۲۔ بستی کے اندر کام کرنے والوں کے لئے :۔

(ا) صحت و صفائی، بیماریوں کا انسداد، معمولی مرہم پٹی، ٹیکے وغیرہ سے متعلق باتیں۔

(ب) امور خانہ داری مثلاً کھانا پکانا، سینا پرونا وغیرہ۔

(ج) بچوں کی پرورش اور دیکھ بھال۔

(د) گھروں کی اصلاح اور درستی۔

(ہ) جلسے اور تفریحات۔

(و) لوگوں کی تنظیم۔ یا ان کے تفریحی کلب اور دوسرے قسم کی انجمنیں بنانا۔

۳۔ [illegible] کام کرنے والوں کے لئے۔

(ا) بچے کی [illegible] اس کا [illegible]

گھریلو صنعتوں کے استادوں کے لئے ہدایات:۔

ا۔ استادوں اور بستی کے لوگوں میں کام کرنے والوں کے لئے۔

(ا) چمڑے بچھانا اور اُسے خراب ہونے سے بچانا۔ پھل اور سبزیاں سکھانا۔ صابن بنانا۔ دستکاریاں اور ڈیری کا کام۔

(ب) دستکاری اور حرفہ کے کاموں کے نمونے تیار کرنا۔

(ج) بستی والوں کو مختلف دستکاریوں کے سکھانے کا انتظام، ان کی دشواریوں اور دیگر مسائل کا حل۔

زراعت کا کام سکھانے والے استادوں کے لئے ہدایات:۔

شہد کی مکھیاں پالنا، سبزی بونا، پھل اور پھول کے باغ لگانا وغیرہ شامل ہیں۔ نصاب میں مدرسین اور طلباء دونوں شریک ہوں، بالخصوص مشاہدہ کے کاموں میں۔ لہذا بستی کے اندران کاموں کے کچھ تجربے ہونے چاہئیں اور تمام تعلیم عملی ہونی چاہئے اور سب کام مشترکہ طور پر کئے جانے چاہئیں۔

تربیت جسمانی کے اُستادوں کے لئے ہدایات:

ا۔ اسکول کی تعلیم کے سلسلے میں۔

(ا) کھیل اور جسمانی ورزشیں۔

(ب) اسی مدرسہ میں رائج کرنے کی غرض سے کھیل کود۔

(ج) جسمانی مقابلے۔

۲۔ بستی میں کام کرنے کے سلسلے میں۔

(ا) کھیل کود اور جسمانی مقابلے جن سے کوئی [illegible] مقصد حاصل ہوتا ہو۔

(ب) [illegible] کے میدان۔

اس علاقے کو چھوڑنے سے قبل ایک کمیں کو دکی انجمن اور ایک کمبل کو ہو کے لئے میدان چھوڑ چھوڑ جانا چاہئے۔

ان جماعتوں کے قیام کے سلسلے میں مرکزی حکومت نے جن مقاصد کا تعین کیا ہے۔ وہ بھی انہی کے لفظوں میں سننے کے قابل ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اگر ہم کو صرف نظری طور پر مسائل کا سمجھانا اور ان کے متعلق تعلیم دینی ہوتی تو ہمارے لئے زیادہ بہتر تھا کہ اس قسم کے نصاب ہم شہروں یا بڑی بڑی آبادی کے مرکزوں میں رکھتے اور استادوں کو وہیں بلاتے نہ کہ اس کے بجائے یہ جماعتیں قایم کرتے اور ان جماعتوں کو استادوں کے پاس بھیجتے۔ لیکن ہمارا مقصد یہ نہ تھا ہم چاہتے ہیں کہ یہ جماعتیں خود ان استادوں کے پاس جائیں اور انھیں ان حالات کے اندر جن میں انھیں کام کرنا پڑتا ہے تعلیم دیں۔ نیز ہم یہ چاہتے ہیں کہ یہ جماعتیں خود بھی ان حالات کا اور ان مسائل کا جو ان حالات میں پیدا ہوتے ہیں مطالعہ کریں۔ اس بنا پر کوئی مثالی دیہی زندگی کا تصور یا دوسرے نظری اصولوں کو پیش نظر رکھنا بے کار تھا۔ ہر گاؤں میں ایک مدرسہ اور اس کے ساتھ اس کا ضروری سامان اور لوازمہ ہوتا ہے۔ اس جماعت کو اس ساز و سامان کی مدد سے اس مدرسہ کو ایسا بنانا ہے کہ وہ گاؤں کا ایک مفید اور موثر ادارہ بن سکے۔ یہی وجہ ہے کہ مدرسہ کی حیثیت اس جماعت کے لئے ایک مثل یا دارالتجربہ کی ہوتی ہے:

[illegible] میں سب سے پہلی بار مبلغین کی ایک جماعت نے کام شروع کیا۔ پھر اس کے بعد سے جماعت کی تعداد اور اس کے کام میں برابر اضافہ ہوتا گیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں یہ اندازہ ہوا کہ اس کام سے بہت فائدہ پہنچ رہا ہے۔ جب پہلے پہل اس جماعت نے استادوں کی تعلیم کا کام شروع کیا [illegible] کے لوگوں نے جماعت کے زراعت، دستکاری اور امور خانہ داری سے متعلق [illegible] بہت [illegible] شروع کی۔ بستی والوں کے خیال سے اس جماعت کے کام کو زیادہ سے [illegible] بنانے کی کوشش کی گئی اور جلد ہی یہ محسوس ہونے لگا کہ لوگوں میں مرکزی حکومت کے [illegible] ہے [illegible] مبلغین کی یہ جماعت بستی کے لوگوں کی [illegible]

سماجی زراعتی اور خانگی زندگی کو بہتر بنانے میں بہت مدد دے رہی ہے۔ اور علاقے کے اندر ان تمام سماجی اور تمدنی وسائل کا پتہ لگا رہی ہے جو تن تنہا مدرس کی دسترس سے باہر ہے۔ نیز اس جماعت کو اپنے وہ تمام وسائل مرکزی حکومت کے پاس لانے ہیں تاکہ یہاں ان سے سال بہ سال مدرسوں کے کاموں کو بہتر بنانے میں مدد دی جاسکے۔

مرکزی حکومت کی عام پالیسی یہ ہے کہ وہ گاؤں اور مدرسہ دونوں کو اس جماعت کے لیے معمل کے طور پر استعمال کئے جانے کے موقع دے تاکہ وہ یہاں کے حالات سے ایسے نتائج مرتب کریں جو عام طور پر استعمال ہو سکیں۔ ان سے یہ بھی توقع کی جاتی ہے کہ وہ بستی کے اندر اپنی کوئی مستقل یادگار بھی چھوڑ جائیں گے، مثلاً سبزیوں کا باغیچہ، کھیل کا میدان، کوئی تفریح کی جگہ، کھلی ہوا کا تعیش، صحت و صفائی کا کوئی نمونہ وغیرہ۔ بستی کے انہی کاموں کی غرض سے مبلغین کی یہ جماعت جب اپنے نصاب دینے کے لئے آتی ہے تو وہ عموماً وقت سے کچھ پہلے آتی ہے تاکہ وہ سب سے پہلے اس بستی یا علاقہ کا ایک سرسری جائزہ لے لے، اور مدرسہ اور بستی کے لوگوں سے تعارف اور ملاقات حاصل کر کے اس قسم کے اصلاحی کاموں کا ایک پروگرام بنالے۔

مدت کے ختم پر جب جماعت اپنا کام پورا کر لیتی ہے تو آخری دن ایک بہت بڑی تقریب منائی جاتی ہے جس میں بستی کے تمام لوگ اور وہ سب مدارس شریک ہوتے ہیں جن کے مدرسین نصاب میں شرکت کے لئے آتے ہیں۔ تولا قدیم میکسیکو کا ایک بہت پرانا اور مشہور شہر ہے۔ یہاں اس جماعت نے ایک سال کام اپنا شروع کیا۔ نصاب کے ختم پر جس میں راقم الحروف کو بھی شریک ہونے کا موقع ملا تھا تمام بستی کے لوگوں میں ایک چہل پہل اور ہر طرف ایک خاص رونق نظر آتی تھی۔ مکانات پر جھنڈیاں لگی ہوئی تھیں سڑکوں اور بازاروں میں لوگوں کی آمد و رفت سے ایک میلہ معلوم ہوتا تھا۔ نوجوان مرد اور عورتیں سب نصاب کے اختتام کی تقریب میں حصہ لینے اور مختلف چیزوں کی نمائش دیکھنے کے لئے جا رہے تھے۔

اسکولوں کے مدرسین کے لئے نمونہ کا کام دیتا تھا۔ نمائش کی چیزوں میں ان کے باغیچے کی سبزیاں اور پھل، دستکاری کے سامان میں میز، کرسیاں، ٹوکری اور دوسری بہت سی استعمال کی چیزیں تھیں۔

اس تقریب میں سامان کی نمائش کے علاوہ بہت سے کھیل تماشے اور تفریح کی چیزیں بھی ہوئیں۔ مثلاً ورزشوں کے مقابلے، ڈرامے، گانے اور دیہاتی ناچ وغیرہ۔ ان سب میں بستی کے لوگوں نے بڑے ذوق وشوق سے حصہ لیا۔ ان سب کا ایک بڑا مقصد یہ تھا کہ مدرسین جب یہاں سے فارغ ہوکر واپس جائیں تو ان سب چیزوں کو بھی اپنے اپنے مدرسوں میں رائج کریں۔

ٹولا کے اس نصاب کا ایک مختصر خاکہ ڈائرکٹر تعلیمات دیہی نے اپنے لفظوں میں اس طرح بیان کیا ہے جو پڑھنے کے قابل ہے۔

ٹولا شہر میکسیکو سے ایک تھوڑے فاصلے پر واقع ہے۔ یہاں ان دنوں ایک جماعت اپنا کام کر رہی ہے۔ اس نے ۵ رجولائی سے اپنا کام شروع کیا اور ۳۱ راگست کو جاکر ختم کیا۔ یہ جماعت جس قسم کے لوگوں پر مشتمل ہے ان میں ایک تو اصلاح دیہات کا کام جاننے والا شخص ہے۔ ایک زراعت کا واقف کار ہے۔ ایک دیہی صنعتوں کا ماہر ہے۔ ایک تربیت جسمانی کا استاد ہے۔ ایک موسیقی سکھانے والا ہے۔ ایک آرٹ اور حرفہ کا استاد ہے۔ اور ایک ان سب کا امیر جماعت یا سردار ہے۔ ان لوگوں نے ان چار ہفتوں میں جو نصاب دیا ہے اس سے اس بستی کے تمام لوگوں کی اصلاح وترقی کی امید بندھتی ہے۔ ان تمام مدرسین نے جو آس پاس کے مدارس سے آتے ہیں، ان کے ساتھ مل جل کر کام کیا ہے اور اس عرصہ میں ان تمام مسائل کا حل تلاش کیا جو وقتاً فوقتاً ان کے سامنے پیش آتے رہے انھوں نے اپنے تعلیمی پروگرام کو بہتر بنانے کے لئے ان سے تازہ مواد حاصل کئے اور اپنے عملی کاموں سے یہ بات سیکھی کہ لوگوں میں احساس اور بیداری کیسے پیدا کیا جا سکتا ہے جس سے وہ خود اپنی اور اپنی بستی کے لوگوں کی حالت درست کرسکیں۔ ان مدرسین نے تعلیم کے نئے نئے اصول اور تدریس وتعلم کے نئے نئے طریقے بھی سیکھے نیز یہ بات بھی حاصل کی کہ وہ اپنے مدرسوں کو بستی کے لوگوں کی خدمت کا مرکز کیسے بنا سکتے ہیں۔ انھوں نے مختلف حرفے اور دستکاریاں بھی سیکھیں اور اس کے ساتھ

یہ بھی کہ اپنے اپنے علاقہ کی مقامی صنعتوں اور دستکاریوں کو کس طرح ترقی دی جا سکتی ہے۔ غرض ایہ اس جماعت نے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ اپنا کام کیا ہے۔ کوئی شخص بھی وہاں آکر یہ دیکھ سکتا ہے کہ یہ لوگ ان مدرسوں کی تعلیمی اور سماجی خوبیوں کو بڑھانے کے لئے کیا کچھ کر رہے ہیں۔ یہ جماعتیں اگر نہ ہوتیں تو ہم اپنے دیہاتی مدرسین کو پرانی لکیر کا فقیر رکھتے۔ جن میں نہ تو کوئی اُپج ہوتی اور نہ کوئی امنگ۔"

ان سفری جماعتوں کے علاوہ دو اور مستقل جماعتیں بھی ہیں، جن میں سے ایک ایکشوپان میں کام کر رہی ہے جو شہر میکسیکو سے تھوڑے فاصلے پر ہے اور دوسری پیر آشو میں کام کر رہی ہے جو ذرا اور فاصلے پر ہے۔ یہ جماعتیں اساتذہ طلباء اور بستی کے عام لوگوں کے ساتھ مل جل کر کام کر رہی ہیں اور ان کا کام تعلیم سے متعلق تمام ضروری معلومات کا فراہم کرنا اور ایسے مشاغل کا ایجاد کرنا ہے جن سے بستی کے لوگوں کی سماجی، معاشی اور تمدنی حالت کے درست کرنے میں مدد ملے۔ ان میں سے ایکشوپان کی ایک جماعت کا مختصر سا حال ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

ایکشوپان کی جماعت نے اپنے کام کے تین سال ختم کر لئے ہیں۔ اس جماعت میں ایک زراعت کا اور ایک حرفہ اور دستکاریوں کا ماہر ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ ایک تربیت جسمانی کا اُستاد۔ ایک دوسرا ایک تفریحی پروگرام کا چلانے والا۔ اور ایک ان سب سے اہم اور مرکزی حیثیت رکھنے والا اصلاح حیات کا کام چلانے والا ہوتا ہے۔ یہ جماعت آس پاس کے دیہاتوں میں جاتی ہے اور لوگوں کو اپنی حالت بہتر بنانے کی طرح طرح سے ترغیب دیتی ہے۔ جس علاقہ میں یہ جماعت کام کر رہی ہے وہاں کے لوگ حد سے زیادہ غریب، جاہل اور پست ہیں اور اس پر ستم یہ کہ ان پر اب تک کوئی توجہ نہیں ہوئی ہے حالانکہ ان میں ترقی کے امکانات بہت زیادہ موجود رہے ہیں۔ اس جماعت نے ان میں تھوڑے دنوں کے کاموں سے ایک انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ لوگ اب بہت بہتر ہو گئے ہیں اور ان میں تمام سماجی اور تمدنی خوبیوں کے علاوہ یہ بات بھی پیدا ہو گئی ہے کہ وہ اپنی ضرورتیں خود [illegible]
[illegible]

چلی آرہی تھیں۔ اب اطمینان اور خوشی کی کیفیتیں نظر آرہی ہیں۔ یہ سب کچھ اس جماعت کے بدولت ہے جو مذہبی مبلغین جیسی سرگرمی اور خلوص کے ساتھ کام کررہی ہے اور جس نے ان کی دنیوی زندگی کو کم سے کم اس قدر بہتر بنادیا ہے۔"

ان مبلغین جماعتوں کے علاوہ جن کا اس قدر تفصیل سے ذکر ہوچکا ہے، اور تحقیقی جماعتیں بھی ہیں جو بعض مسائل کی تحقیق و تفتیش کا کام انجام دے رہی ہیں۔ ان میں سے ایک جماعت تو وہاں کے رسم ورواج، ان کی زبان، ان کی عادات و اطوار کے متعلق تحقیق کا کام کررہی ہے۔ اور دوسری جماعت بھی حالات کا مطالعہ کررہی ہے جو سرِدست اٹومی نسل کے ہندیوں تک محدود ہے جن کی آبادی ملک کے بیشتر حصہ میں پھیلی ہوئی ہے۔

ان تمام جماعتوں کے کاموں سے یہ توقع ہے کہ میکسیکو میں دیہی تعلیم کا ایک مستقل فلسفہ بن جائے گا اور اس کے سائنٹیفک اصول اور طریقے ہاتھ آجائیں گے۔ اب تک دیہی تعلیم کا تجربہ محض قیاسی اصولوں پر ہوتا رہا ہے۔ لیکن اب یہ بہت مضبوط بنیادوں پر ہورہا ہے۔ ان سب سے زیادہ بڑی بات یہ کہ ان جماعتوں کے ذریعہ تعلیم اور سماج کے درمیان ایک نہایت گہرا تعلق قایم ہوگیا ہے جو اس سے پہلے کبھی نہیں تھا۔

سہارنپور کی کمبوہ برادری

سوال نامہ متذکرہ کے جواب میں اس برادری کے حالات مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل بی وکیل نے جو سہارنپور کے نہایت ممتاز وکیلوں میں سے ہیں اور کانگریس کے سرگرم کارکن ہیں اپنے ہاتھ سے لکھ کر اور اپنے دستخطوں کے ساتھ عنایت فرمائے ہیں، جو بجنسہ ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں علاوہ کے علاوہ جو حالات برادری کے ایک اور ممتاز رکن حکیم عبدالخالق صاحب سے معلوم ہوئے ہیں (یہ اپنے بھائی عبدالمالک صاحب کے ساتھ قدیم یونانی دواخانہ کے مالک ہیں) ان کو اس کے بعد درج کیا گیا ہے۔ اسی سلسلے میں کچھ حالات شیخ عبدالرب صاحب گھڑی ساز نے بھی بتلائے ہیں ان کے ضروری اقتباسات کو بھی بعد میں درج کر دیا گیا ہے۔ مولوی عبدالحق صاحب کا تحریری بیان:-

اس برادری کا تعلیم یافتہ طبقہ جو بیشتر میرٹھ، مارہرہ، امروہہ، وغیرہ اضلاع یو۔پی میں آباد ہے۔ اس بات کا مدعی ہے کہ یہ قوم حضرت زبیرؓ کی اولاد سے ہے چنانچہ اسی نسبت کو یہ حضرات اپنے ناموں کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں۔ اس نظریہ کی تائید میں تاریخی مواد کا حوالہ دیا جاتا ہے اور اس پر کافی لٹریچر موجود ہے حضرت زبیرؓ کی شہادت کے بعد جو انتشار پیدا ہوا اس کے باعث ان کی بیشتر اولاد عرب چھوڑ کر ایران، ترکستان، افغانستان اور ہندوستان میں آباد ہو گئی۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ ان ممالک میں اب تک کمبوہ قوم کے افراد اور خاندان آباد ہیں۔ ہندوستان میں اسلامی سلطنت کے ہر دور میں عموماً اور شاہان مغلیہ کے زمانہ میں خصوصاً اس کے بعض افراد نے سیاسی اور ملکی معاملات میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ مولانا محمد حسین صاحب آزاد نے دربار اکبری میں کئی جگہ شہباز خاں کمبوہ، شیخ عبدالنبی کمبوہ و دیگر ممتاز افراد کا ذکر کیا ہے لیکن یہ بھی امر واقعہ ہے کہ ہندوستان میں [illegible]

موجود ہے۔ یہ مسئلہ اب تک مابہ النزاع ہے کہ آیا ہندوستان کے مسلمان کنبو (کمبو) عرب کے نسے ہیں یا ہندوستان کے وہ ہندو کمبو ہیں جو وقتاً فوقتاً مسلمان ہوتے رہے جیسا کہ راجپوت، جاٹ وغیرہ برادریوں کا حال ہے۔ موضع ہیں ضلع لاہور کا تعلیم یافتہ کمبو طبقہ بھی نظریہ زیر بحث کی تائید میں ہے۔ یہ اخبار و رسائل و کتب کے ذریعہ اس مضمون پر کبھی کبھی قلم اٹھاتا رہتا ہے۔

کمبو برادری بیشتر یوپی اور پنجاب میں پائی جاتی ہے۔ میرٹھ، مارہرہ، امروہہ، سنبھل، مرادآباد ماوہ وغیرہ کے کمبو اکثر تعلیم یافتہ ہیں اور چھوٹی بڑی سرکاری ملازمتوں پر مامور ہیں۔ کچھ زمینداری سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔ اور بعض ڈاکٹری اور وکالت کا پیشہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اور کچھ تجارت اور نداری کر رہے ہیں۔ سہارنپور میں یہ برادری کافی تعداد میں ہے۔ ان کی مردم شماری ڈیڑھ دو ہزار درمیان ہے۔ مجموعی حیثیت سے تعلیم سے قطعی بے بہرہ ہیں۔ دو تین فیصدی انگریزی لکھے پڑھے ہیں بس پندرہ فی صدی کا یہ امتیازی درجہ ہے کہ وہ معمولی اردو لکھ پڑھ سکتے ہیں۔ مستورات کو اعراب قرآن پڑھا دیا جاتا ہے۔ اور ابتدائی مسائل کی چند کتابیں ازبر کرا دی جاتی ہیں۔ اس خوش قسمت کی نسبت بھی برادری میں پندرہ بیس فی صد سے زیادہ نہیں۔ سہارنپور کے مسلمان کمبو بیشتر مکی دروازہ، محلہ منڈی، شیو پری، گنپت سرائے، چوہٹہ روغن گراں میں جو ایک دوسرے سے ملے آباد ہیں۔ اس کے علاوہ کافی تعداد میں سرائے ٹوپیہ و تخاسہ و محلہ خواجہ زادگان میں بھی رہتے ہیں لیکن چونکہ اس برادری کے ہیں، یہ عموماً میرٹھ سے تعلق رکھنے والے لوگ ہیں۔

سہارنپور میں اس برادری کی ایک پنچایت ہے۔ جو قدیم رسم و رواج کے مطابق ان لوگوں پر حاکم تھی۔ اب سے بیس پچیس برس پہلے پنچ لوگ قابو یافتہ تھے۔ مگر اب لاکے پنچ ڈھیلے ہو گئے ہیں اور نئی روشنی پھیل رہی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلا تعلق ٹوٹ رہا ہے لیکن ابھی تک اس کی بنیاد اور دستور سے جنم نہیں لیا ہے۔ یہ لوگ زیادہ تر مختلف چیزوں کی چھوٹی چھوٹی دکانیں کئے ہیں۔ ... سوخت، نقشین کرسی کی چھوٹی دکانیں کئی موجود ہیں۔ بعض اپنے گھر ...

گھڑی سازوں کی بھی دکانیں ہیں، جن میں سے خصوصیت سے شیخ عبدالرب گھڑی ساز مشہور ہیں۔ پھر عطاری کی دکانیں بھی چند خاندان کرتے ہیں خصوصیت سے قابل ذکر حاجی عبدالمالک وعبدالخالق مالکان قدیم یونانی دواخانہ ہیں۔ جو بازار خاص میں اپنی ذاتی دکانوں میں یہ کاروبار نہایت آب و تاب اور چمک دمک سے کر رہے ہیں۔ میوہ اور پھل کی بیشتر تجارت اسی برادری کے ہاتھ میں ہے کئی کیوڑہ میوہ فروشی کی دکانیں کامیابی کے ساتھ کر رہے ہیں، اور کئی دوکانیں آڑھت میوہ کی ان کے قبضے میں ہیں۔ عبدالمالک وعبدالخالق سہارنپور میں سب سے بڑے فروٹ کمیشن ایجنٹس ہیں وہ تمام میوہ بازار پر چھائے ہوئے ہیں۔ پھلوں کا ہر موسم میں ہزار ہا روپے روزانہ کا بیوپار ان کی دکان پر ہو جاتا ہے۔ یہ تین بھائیوں اور چند قریبی رشتہ داروں کی فرم ہے۔ پنسار ہٹہ میں شیخ محمد صادق محلہ منڈی والے مشہور ہیں۔ ان کی دوکان نہایت کامیاب ہے۔ یہ بزرگ زمیندار اور بیاہ ذری کے حاجی بھی ہیں۔ رس پیلنے کے کولھوؤں کے کئی کارخانے ہیں۔ سب سے بڑا کارخانہ حاجی محمد ابراہیم مرحوم کا محلہ شاہ بہلول میں ہے آس پاس کے دیہاتی لوگ اس کارخانہ سے کرایہ پر کولھو لے جاتے ہیں۔ اس کاروبار میں ان کو ہزاروں روپیہ سالانہ کی آمدنی ہے۔ کارخانہ میں دو تین مستری مشینوں کی مرمت کے لئے بارہ مہینہ کام کرتے رہتے ہیں۔ ان کے یہاں دھان کوٹنے کی کئی کئی مشینیں اچھے پیمانے پر برسوں تک چلتی رہیں اور ہزار ہا روپیہ سالانہ اس کاروبار سے کمایا۔ مگر اب چند برس سے بعض جلاہوں کے مقابلے کے باعث دھان کوٹنے کی مشینیں گذشتہ سال سے بند کر دی ہیں۔ بعض خاندان بانس، بلی اور چونے کا کاروبار کرتے ہیں خصوصیت سے حاجی مشتاق احمد شیخ گنج والے اس سلسلے میں قابل ذکر ہیں۔ ان کے بیٹے پوتے اس کام میں لگے ہوئے ہیں [illegible] کی ذاتی دوکانیں اور کارخانوں میں اس کاروبار کو کر رہے ہیں [illegible] روپے کی [illegible] [illegible] حاجی مشتاق احمد [illegible]

[illegible]

ماہوار کرایہ کی آمدنی ہے۔ آپ کا ایک باغ اور بنگلہ دہرہ دون سڑک پر کپتان پولس کی کوٹھی کے قریب ہے جو سرکاری حکام کے پاس کرائے پر رہتا ہے۔ محلہ اور اہل برادری میں سب سے زیادہ انکم ٹیکس دیتے ہیں۔ ہر سال باقاعدہ زکوٰۃ نکالتے ہیں۔ اس کے علاوہ بڑے پیمانہ پر سرّاً وعلانیہ طور پر خیرات کرتے رہتے ہیں۔ موصوف ایک مخیّر اور نیک قسم کے بزرگ ہیں۔ برادری کے پنچ بھی ہیں۔ چونے کے کارخانہ داروں میں خصوصیت سے قابل ذکر حافظ عبدالسلام صاحب و حاجی عبدالعزیز صاحب ہیں۔ جو دہرہ دون میں اپنے باپ دادا کے زمانے سے چونہ پھونکنے کے کارخانے نہایت کامیابی کے ساتھ چلا رہے ہیں۔ ان کا مال سہارنپور، ہردوار، جوالاپور، رڑکی بہت آتا ہے۔ سہارنپور میں ان لوگوں نے چونہ بیچنے کی دوکانیں بھی قایم کر رکھی ہیں۔ دو تین آڑھتیں غلہ، کچی مٹھائی، شل گڑ، شکر راب وغیرہ سے متعلق بھی اس برادری کے قبضہ میں ہیں۔ بعض لوگ خالص چاول کی دوکانیں کرتے ہیں۔ اب کچھ عرصے سے دودھ اور مٹھائی کی دوکانیں بھی کرنے لگے ہیں۔ مرمت بائسکل وغیرہ کی بھی ایک دو دوکانیں موجود ہیں۔ پانچ چھ افراد سودی قرضہ کا لین دین بھی کرتے ہیں۔ مگر ان سب کا سرمایہ اس لین دین میں پندرہ بیس ہزار روپے سالانہ سے زیادہ نہیں ہے۔ اب سے کچھ پہلے بعض افراد برادری حمالی یا بلّہ داری کا کام بھی کرتے تھے لیکن یہ سلسلہ اب موقوف ہو گیا ہے۔ غالباً موٹر ٹرکس کی ہماہمی سے یہ جانباز ہمت ہار بیٹھے۔ اور شرف انسانی کے ابتدائی دور کا یہ آسان و دشوار شغلہ چھوڑ بیٹھے ہیں۔ سوائے ایک دو کے اب اس کام سے کوئی روزی نہیں کماتا۔ اس برادری کے چند افراد افیون و شراب و جوئے کے بھی عادی ہیں۔ مگر ان کا شمار صرف انگلیوں پر ہو سکتا ہے۔ اس برادری میں پیر پرستی مطلق نہیں ہے۔ شاید ہی کوئی خوش قسمت فرد ایسا ہو جس نے کسی شیخ یا پیر کے ہاتھ پر بیعت کی ہو۔ اس برادری کے بہت افراد حاجی اور حافظ ہیں۔ معاشرت معمولی مگر کھانے پینے میں خوب خرچ کرتے ہیں۔ اور مہمان نوازی سے شوق رکھتے ہیں۔ عورتوں میں پردے کا رواج ہے۔ مگر [illegible] [illegible] سے پردہ شاید و باید ہے۔ بیاہ شادی اب تک اپنی ہی برادری میں کرتے ہیں۔ اگر کوئی من چلا کبھی کہیں [illegible] کی بھی کرتے دیکھا جاتا ہے تو طعن و تشنیع کا نشانہ بن جاتا ہے۔ جسمانی اعتبار سے صحیح سالم اور [illegible]

اس برادری کے لوگ پنجاب میں انبالہ کرنال، ریاستہائے پٹیالہ و نابھہ و جیند میں بہت آباد ہیں سرہند لدھیانہ، امرتسر اور لاہور کے ارد گرد بھی موجود ہیں۔ ضلع لاہور کے کمبوہ تعلیم یافتہ ہیں اور بعض اخبار نویسی و تصنیف کتب و رسائل کا شغل رکھتے ہیں۔

سہارنپور میں دو تین خاندان ایسے ہیں جو ایک لاکھ سے زائد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چند پچاس اور ایک لاکھ کی درمیانی حیثیت کے مالک ہیں۔ پھر چند خاندان ایسے ہیں جو دس ہزار اور پچاس ہزار کے ہیں۔ اکثریت ایک ہزار اور دس ہزار کے درمیان ہے۔ اکثر افراد برادری کے پاس اپنے اپنے ذاتی مکان ہیں۔ پچاس ساٹھ آدمی ایسے بھی ہیں جو کرایہ پر رہتے ہیں۔ صحرائی جائداد کے مالک بہت کم ہیں۔ خال خال خاندان زمیندار ہیں۔ کچھ کھیتی پیشہ بھی ہیں۔ سہارنپور میں کمبوہان میرٹھ کے چند خاندان بھی موجود ہیں۔ جو محلہ قاضی کے آس پاس رہتے ہیں۔ یہ لوگ بسلسلہ ملازمت سرکاری یہاں آباد ہوئے۔ اور کچھ کی زمینداری۔ جیسے مولوی محمد میاں۔ ڈاکٹر مقصود حسن صاحب چودہ پندرہ برس ہوئے کہ میرٹھ سے آکر سہارنپور آباد آپ بازار شہید گنج میں کامیابی کے ساتھ اپنی میڈیکل پریکٹس کر رہے ہیں۔ آنکھوں کے علاج میں بالخصوص مشہور ہیں۔ معز حسین خاں وکیل جو عرصہ ہوا مرحوم ہو چکے ہیں، میرٹھ سے تعلق رکھتے تھے وہ بسلسلہ کاروبار وکالت سہارنپور آئے۔ یہاں پر ان کی کافی جائداد موجود ہے۔ ان کی بیوہ اور بھتیجے یہاں رہتے ہیں۔

اپنی برادری کے بارے میں حکیم عبد الخالق صاحب کا بیان حسب ذیل ہے:

اس برادری کے کچھ افراد اپنے آپ کو شیخ کمبوہ، مغل کمبوہ اور سید کمبوہ بتلاتے ہیں۔ اور اکثریت کمبوہ بتلاتی ہے۔ صرف کمبوہ بتلانے والا گروہ حق بجانب اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ اس قوم کے ہندو بھی بہ کثرت قریب قریب ہر شہر میں پائے جاتے ہیں۔

ضلع سہارنپور میں اس برادری کے افراد کی تعداد کم و بیش دس ہزار ہے۔ تعلیم کی طرف [illegible] رجحان ہوا ہے چنانچہ بچوں کی دیکھ بھال اور تعلیم و تربیت میں بڑی سرعت کے ساتھ ترقی کر رہے ہیں۔ یہ لوگ عام طور پر تندرست اور قوی ہیکل ہوتے ہیں۔ چند تعلیم یافتہ [illegible]

[illegible]

شادی بیاہ باہر بھی ہوتے ہیں لیکن عام طور پر آپس ہی میں کئے جاتے ہیں۔

پرانے رسم و رواج کے مطابق ابھی تک پنچایت قایم ہے۔ اور اس کے احکامات کی پابندی سختی کے ساتھ کی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک انجمن بھی قایم ہے، جو ضرورت کے موافق اصلاح و بہبودی کے لئے جدوجہد کرتی ہے۔ پنچایت کے بزرگوں سے تکرار پیدا نہیں کرتی بلکہ ہر امکانی کوشش مصلحت میں صرف کرتی ہے جس کی وجہ سے برادری کا نظام نہایت مستحکم ہے۔

سہارنپور میں اس برادری کے ممتاز حضرات حسب ذیل ہیں:۔

پرانے لوگوں میں حاجی شاہ محمد، حاجی فضل محمد اور حاجی جیون گذرے ہیں۔ جنہوں نے اپنی جدوجہد سے لاکھوں روپیہ اور جائداد پیدا کی اور شہر کے ذی اثر طبقے میں امتیاز پیدا کیا۔ ایک اور صاحب گذرے ہیں جن کا خاندان بھولے والوں کے خاندان کے نام سے مشہور ہے۔

موجودہ دور میں حاجی مشتاق احمد صاحب، حاجی محمد یامین صاحب اور حاجی نواب محمد ابراہیم صاحب اس برادری کے ممتاز حضرات ہیں۔

سہارنپور کی برادری میں اس وقت چند خاندان لکھ پتی ہیں۔ دس بارہ خاندان چالیس پچاس ہزار روپے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ باقی برادری کا نصف حصہ خوش حال کہلائے جانے کا مستحق ہے۔ نصف حصہ غریب اور دستکار ہے۔ دستکاروں میں زیادہ تر لکڑی کی نقاشی کا کام کرتے ہیں۔

برادری کا سرمایہ صحرائی جائداد میں دس فی صدی اور شہری جائداد میں ۴۰ فی صدی ہے۔ اشیاء منقشیں میں جو سہارنپور کی خاص صنعت ہے، دس فیصدی، سامان تجارت میں تیس فی صدی اور ... ی ... میں ایک فی صدی تین فی صدی ... [illegible] ... صورت میں پانچ فیصدی ... اور مکان کے ساز و سامان کی صورت میں ایک فی صدی۔

... مشتاق صاحب نے اعلیٰ، متوسط اور ادنیٰ طبقہ کا ایک ایک سالانہ فیملی بجٹ بھی اپنے ... سے بنا کر دیا تھا، لیکن وہ مجھے کچھ زیادہ معتبر نہیں معلوم ہوا۔ اس لئے اسے

اعلیٰ طبقہ کی مالی حالت اپنی قدیم جگہ پر قائم ہے۔ درمیانی طبقہ تجارت میں حصہ لینے کی وجہ سے سرمایہ میں اضافہ کر رہا ہے اور ادنیٰ طبقہ ملازمت اور دستکاری کر کے اپنا کام چلا رہا ہے۔ اس برادری کے افراد کا رجحان تقریباً ملک کی ہر تجارت کی طرف ہے۔ ہر تاجر سال میں کچھ نہ کچھ پیسہ انداز کر لیتا ہے۔ ننا فی صدی لوگ مقروض نہیں ہیں۔

شیخ عبدالرب صاحب نے برادری کے کاموں کے سلسلہ میں بتلایا کہ برادری کے لوگ کاش کرتے ہیں۔ باغات کی فصل خریدتے ہیں۔ چونے کا کاروبار کرتے ہیں۔ بانس اور بلی کا کاروبار ہے۔ ا لوگ جنگلات کا بھی ٹھیکہ لیتے ہیں۔ مزدوری پیشہ بھی ہیں اور میوہ کی آڑت کا بھی کام کرتے ہیں۔ ایک آد پاس غلہ کی کچی آڑت بھی ہے۔ ایک دوکان گھڑی، چشمہ اور ٹارچ وغیرہ کی ہے۔ ایک وکیل یعنی مو عبدالحق صاحب ہیں۔ ایک دواخانہ ہے۔

برادری کے ممتاز لوگوں میں حسب ذیل ہیں:-

۱۔ حاجی چودھری مشتاق احمد صاحب بانس اور بلی کا کاروبار کرتے ہیں۔ صحرائی جائداد او وغیرہ سے بھی آمدنی ہے۔ صرف کرایہ کی آمدنی غالباً ایک ہزار ہوگی، پانچ چھ لاکھ سے کم کی حیثیت نہیں

۲۔ حاجی چودھری محمد یامین صاحب، غلہ کی آڑت ایک لاکھ روپئے سے کم حیثیت نہیں ہو

۳۔ چودھری محمد ابراہیم صاحب۔ آٹا پیسنے کی چکی، دھان کوٹنے کی مشین اور کرایہ پر کولھو انجو چلتا ہے۔ ان کی حیثیت بھی تقریباً ایک لاکھ ضرور ہوگی۔

۴۔ حاجی عبدالمالک صاحب۔ مالک قدیم دواخانہ ان کے بڑوں سے یہ کام ہوتا چلا آ رہا تیس چالیس ہزار کی حیثیت ہوگی۔

۵۔ حاجی عبدالعزیز صاحب۔ چونے کا کاروبار (۲) اور ان کے بھتیجے۔

۶۔ مخدوم بخش صاحب۔ بانس بلی کا کاروبار۔ زمیندار بھی ہیں۔ باغات بھی ہیں۔

۷۔ مولوی عبدالحق صاحب وکیل۔

جدید سیاسی لٹریچر

کمپنی کی حکومت از مولانا باری۔ یہ کتاب انگریزوں کی پُرفریب سیاست، خدائی، ان کے وحشیانہ مظالم، حرص و طمع اور شرافت انسانی سے عاری اخلاق کی بے نقاب تصویر ہے اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان پر قبضہ کرنے میں انگریزوں نے جو مظالم ڈھائے اس کی مثال چنگیز و ہلاکو کی تاریخ میں بھی مشکل سے ملتی ہے۔

جدید ایڈیشن میں سو صفحات کا اضافہ کیا گیا ہے۔ قیمت چار روپے

گاندھی ازم، نیشنلزم، سوشلزم آج کل ہندوستان میں ان تینوں نظریوں کا تصادم ہو رہا ہے ہندوستان کی سیاست جس بحرانی دور سے گذر رہی ہے اس میں اس قسم کا ابہام ناگزیر اور لازمی ہے، ہندوستان کے مشہور انقلابی رہنما ایم، این رائے نے اس کتاب میں جذبات سے بلند ہو کر نظریاتی بحث کی ہے، ہندوستانی تاریخ جدید کے طالب علموں کو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیئے

اردو ترجمہ از گوپال مل قیمت ڈیڑھ روپیہ

پاکستان اور چھوت پاکستان کے مسئلہ پر مفکر احرار چوہدری افضل حق مرحوم کی معرکۃ الآرا انگریزی تصنیف کا اردو ترجمہ جس میں انہوں نے ایک مخلص سیاستدان کی طرح پاکستانی تصور پر بحث کی ہے اور موجودہ رہنماؤں سے الگ ایک نئے زاویۂ نگاہ سے روشنی ڈالی ہے۔ یہ کتاب تاسے سیاسی لٹریچر میں ایک بیش بہا اضافہ ہے۔ قیمت ۱۲؍

کارل مارکس یہ مشہور مؤرخ تاریخ کا مسٹر باری کی تالیف ہے جس میں اشتراکیت کے ابو الآباء کارل مارکس کے حالات زندگی اس کے نظریات اور اس کے اثرات پر مفصل بحث کی گئی ہے قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

[illegible] اس کتاب میں مولانا باری نے [illegible] کی پیدائش سے قبل خود طبقہ کی معاشی حیثیت و سوشل پوزیشن پر بحث کی ہے [illegible] [illegible] حیثیت پر روشنی ڈالی ہے [illegible] کیا گیا ہے [illegible] جماعت سے تعلق [illegible]

[illegible] کتاب کا مطالعہ [illegible] ہے۔ قیمت ایک روپیہ چار آنے

ایسٹرن فیڈرل یونین انشورنس کمپنی لمیٹڈ

ہندوستان میں قائم شدہ

صدر دفتر ۹ کلائیو اسٹریٹ کلکتہ

سرپرست

عالی جناب ہز ہائنس نواب بھوپال — عالی جناب ہز ہائنس آغا خان صاحب

مجوزہ سرمایہ	۶۰ لاکھ روپے	۶۰۰۰۰۰۰
جاری شدہ سرمایہ	۲۵ لاکھ ۲۴ ہزار ۶۰	۲۵۲۴۰۶۰
ادا شدہ سرمایہ	۱۲ ” ۵۰ ”	۱۲۵۰۰۰۰

اپنے بیمے کا کام ہم سے شروع کیجئے۔ ایسٹرن فیڈرل آگ، زندگی، ریل و رسائل، موٹر، ہوائی جہاز کے خطرات، مزدوروں کا مالی معاوضہ، ضمانت اور عام حادثات کے ہر قسم کے بیمے کا کام کرتی ہے

ہندوستان کے مشہور شہروں میں ایجنسیاں

اور

ہمارے تمام دنیا کے ملکوں میں

مندرجہ ذیل شہروں میں ہماری کمپنی کی شاخیں ہیں

کلکتہ، لاہور، بمبئی، دہلی، حیدرآباد دکن، مدراس، آگرہ، [illegible]

[illegible]

دی مغل لائن لمیٹیڈ

بحرِ احمر کی بندرگاہوں اور ماریشس

کو جانے والے ہمارے مسافر اور جہازوں کی آمد و رفت دوران جنگ میں
ناگزیر حالت کے باعث بے قاعدہ ہو گئی تھی۔
اب ہماری سروس پھر اسی باقاعدگی اور حسن و خوبی سے جاری ہو گئی ہے
اور ہمارے جہاز بمبئی سے

عدن، پورٹ سوڈان، جدہ اور مصر

جانے آنے لگے ہیں۔ اور ہمیں امید ہے کہ ہم حسب طلب دوسری بندرگاہوں
کو بھی اپنے جہاز بھیج سکیں گے

مال اور مسافروں کی بکنگ کے بارے میں تفصیلات

کے لئے لکھئے

ٹرنر مارسن اینڈ کمپنی لمیٹیڈ

معاشیات قومی

مترجمہ

ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب شیخ الجامعہ

معاشیات قومی فریڈرک لسٹ کی کتاب کا ترجمہ ہے۔ لسٹ کی یہ کتاب

فلسفہ معاشیات کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

لسٹ کے نظریوں نے پس ماندہ ملکوں کی معاشی غور و فکر گہرا اثر ڈالا ہے

اس حیثیت سے ہمارے لئے اس کتاب کا مطالعہ ازبس ضروری ہے

قیمت [illegible]

[illegible]

مکتبہ جامعہ

ادارہ تعلیم و ترقی کی کتابیں

(نئے پڑھے بالغوں کے لئے)

۱۔ قاعدہ

۲۔ درس سبق

[illegible]

۳۔ خدا کی قدرت اول

۴۔ 〃 دوم

۵۔ حبیب خدا

۶۔ نظمیں

۷۔ سیرت سلطان

۸۔ صدیق اکبر

۹۔ خط کتابت

۱۰۔ ضلع کا انتظام

۱۱۔ قومی گیت

۱۲۔ غزلیں

۱۳۔ ہمارا ہندوستان

۱۴۔ امامی بھی پڑھنے لگے

۱۵۔ عمر فاروق

۱۶۔ ڈسٹرکٹ بورڈ

۱۷۔ شہید کربلا

۱۸۔ ہماری دنیا

۱۹۔ ایشیا

۲۰۔ یورپ

[illegible]

۲۶۔ چار درویش چہارم

۲۷۔ قصہ حاتم طائی اول

۲۸۔ 〃 〃 دوم

۲۹۔ 〃 〃 سوم

۳۰۔ منصور موہنا

۳۱۔ فردوس بریں

۳۲۔ لیلیٰ مجنوں

۳۳۔ شکنتلا

۳۴۔ تانگے والا

۳۵۔ بہشتی

۳۶۔ صوبے کی حکومت

۳۷۔ حکومت ہند

۳۸۔ جمہوریت

۳۹۔ [illegible]

۴۰۔ دلچسپ شعر

۴۱۔ مرثیے

۴۲۔ مسدس حالی

۴۳۔ حالی کی نظمیں

۴۴۔ کشتی

۴۵۔ بڑی کشتی

۴۶۔ پہاڑ بیتی

۴۷۔ اچھا صاحب

۴۸۔ تکرار کا صاحب

۴۹۔ [illegible]

۵۰۔ ترانہ اسلام

۵۱۔ حالات قرآن مجید

۵۲۔ تعلیمات (عقائد)

۵۳۔ 〃 (عبادات)

۵۴۔ 〃 (اخلاق)

۵۵۔ 〃 (معاملات)

۵۶۔ قصص قرآن مجید ا

۵۷۔ 〃 〃 ۲

۵۸۔ کعبہ شریف

۵۹۔ حدیث شریف

۶۰۔ عثمان غنی

۶۱۔ علی مرتضیٰ

۶۲۔ صحابہ کرام ا

۶۳۔ 〃 〃 ۲

۶۴۔ 〃 〃 ۳

۶۵۔ 〃 〃 ۴

۶۶۔ 〃 〃 ۵

۶۷۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز

۶۸۔ حضرت غوث پاک

۶۹۔ اجمیری خواجہ

۷۰۔ نظام الدین اولیاء

۷۱۔ گوتم بدھ

۷۲۔ کرشن کنہیا

۷۳۔ رام کہانی ا

۷۴۔ 〃 〃 ۲

۷۵۔ افریقہ

۷۶۔ امریکہ

۷۷۔ جنوبی امریکہ

۷۸۔ سرزمین ہند

۷۹۔ صنوبر

۸۰۔ مزے کی ریاضی

۸۱۔ داستان امیر حمزہ ا

۸۲۔ 〃 〃 ۲

۸۳۔ 〃 〃 ۳

۸۴۔ 〃 〃 ۴

۸۵۔ 〃 〃 ۵

۸۶۔ کیلاش

۸۷۔ پیلیاں

۸۸۔ گرو نانک

۸۹۔ مثنوی میر حسن

۹۰۔ گلستاں

۹۱۔ احمد خاں دوکاندار

۹۲۔ عبدالرحمن ملاح

۹۳۔ شعیب خاں حجام

۹۴۔ خدمت گار

۹۵۔ پیارے خاں درزی

۹۶۔ حفیظ خانساماں

۹۷۔ بشن بڑھئی

۹۸۔ محمود حلوائی

۹۹۔ میر امن

۱۰۰۔ ہندوستان کے ہنر

مکتبہ جامعہ

'reedom from Suffering



me nears the shores of America, coming from across the ntic, one of the most inspiring sights is the Statue of Liberty. ot only serves as a cheering beacon to the mariner, but also olises the hopes of millions of downtrodden humanity who left the Old World for the freedom of a new life in a new —freedom from want, from fear and from oppression.

.ll freedoms, however, the greatest is the freedom from disease. The h oor—for want of this freedom are changed to sick and diseased whose lives ss to themselves and to the world. Freedom from disease is therefore dom which everyone should strive for.



Cipla Laboratories are devo time and attention to the high quality drugs and med relief of mankind, thus strivin from disease. In quality, high standard of production medicines Cipla is equal t best. Scientific methods of produ and constant research lead to perfec This is the motto followed by C

Cipla

REMEDIES

QUAL TO WORLD'S BES

...ما نے تمام مہذب دنیا کا سفر کرلیا۔

ڈائی اَنسس کے بعد کے مصنفین نے قواعد کو ترقی و تکمیل تو ضرور بخشدی لیکن وہ اس میں نئی بات کا اضافہ نہ کرسکے۔ ڈائی اَنسس سے آج تک کی قواعدی علم کی تاریخ مسلسل دکھائی جا سکتی ہے۔ پہلی صدی میں ویریاز فلاکس (Varius Flaccus) اور کوئنٹلین (Quintilian) قواعد دان ملتے ہیں۔ دوسری صدی میں ڈانز (Donatus) ایپولونیز (Apollonius) ائسکولز (Dyscolus) اور ہیروڈینیز (Herodianus) کے نام مشہور ہیں۔ ...ی صدی میں پروبس (Probus)، ڈونیٹس (Donatus) ...مختصر... نمایاں۔ جب رومی سلطنت کا دارالخلافہ روما سے قسطنطنیہ منتقل ہوا تو قواعدی علم کو وہاں کی لاطینی نیا گھر مل گیا۔ قسطنطنیہ میں جو لاطینی اور یونانی قواعد دان جمع تھے ان کی تعداد ۲۰ سے کم حالت میں نہ تھی۔ چھٹی صدی میں شاہ جسٹینین کے زیر سرپرستی پرزکینیز (Priscianus) نام نے قواعدی مطالعہ کو نئی رونق بخشدی۔

یورپ سے ایک مرتبہ پھر ایشیا کی سمت آئیے۔ یہ تو معلوم ہو ہی گیا کہ قواعد وضع کرنے کی پہلی کوشش بابل و اشوریہ میں کی گئی لیکن بابل کے زوال کے ساتھ ساتھ ان کوششوں کا اثر بھی زائل ہوگیا۔ اگرچہ یہودی علما بابل اور دوسرے مقامات پر اس پر مجبور ہوئے کہ اپنے مقدس صحائف کی مٹی ہوئی عبرانی کو تفسیروں اور فرہنگوں سے سنبھالیں لیکن ان کا کام قواعدی کارنامہ کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ البتہ چھٹی صدی میں مکتبہ عدیسہ کے قیام کے ساتھ عراق میں بابل کی روایت کو زندہ کرنے کی کوشش کی گئیں۔ شام کے نصاری مذہبی اغراض کی خاطر یونانی کے مطالعہ میں مصروف تھے۔ انہوں نے کوشش کرکے شامی قواعد مرتب کرلی۔ یعقوب عدیسہ (متوفی ۷۰۸ء) نے ذرا اور پھیلا کر ایک معیاری ...ڈالی۔ شامی ہمسایوں کو دیکھ کر عرب بھی متاثر ہوئے۔ ویسے بھی ان کے یہاں قرآن کے تحفظ کا مسئلہ درپیش تھا۔ ابوالاسود (متوفی ۶۸۸ء) پہلا عربی قواعد دان ہے۔ لیکن

اُن کے بعد دھوبیوں، لودھوں، چھیپوں، کمبوہوں، اوڑھوں، کھٹیکوں کائستھوں، بھڑبھونجوں اور درزیوں کا نمبر ہے جن کی تعداد ۲ ہزار اور ۵ ہزار کے درمیان ہے۔

ہندو مذہب کے ماننے والے کمبوہوں کی تعداد یو پی کے دوسرے حصوں کے مقابلے میں اس ضلع میں سب سے زیادہ ہے اور یہ لوگ یہاں پنجاب سے آئے تھے۔ یہ لوگ کھتریوں سے مشابہ معلوم ہوتے ہیں، لیکن عام طور پر زراعت پیشہ ہیں اور بعض صورتوں میں انھوں نے زمینداری بھی پیدا کر لی ہے۔ تقریباً تمام لوگ سہارنپور کی تحصیل میں رہتے ہیں اس ضلع کے کائستھوں کا تعلق زیادہ تر بھٹناگر اور سکسینہ گوت سے ہے اور ان کو بہت کم اہمیت حاصل ہے، اگرچہ ان کے پاس تھوڑی سی زمینداری پائی جاتی ہے

اروڑہ:۔ اُن کی تعداد ایک ہزار ۰۰ ۲ ہے اور صرف رڑکی تحصیل میں رہتے ہیں۔

بوہرہ:۔ یہ ذات بھی اس قسمت میں خاص طور پر ملتی ہے اور سہارنپور میں اس ذات کے لوگوں کی تعداد ۷۸۳ تھی۔ ان کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ یہ مارواڑ سے آئے تھے اور یہ لوگ تجارت اور لین دین کا کام کرتے ہیں۔ بوہرہ کا اصطلاح کو عام طور پر مہاجن کا ہم معنی سمجھا جاتا ہے۔

"جرائم پیشہ یا آوارہ گرد ذاتوں کی نمائندگی بھی اس ضلع میں اچھی تھی مثلاً ہبوڑہ سانسیا، نٹ، کاپر اور ڈوت، اگرچہ ان میں سے اکثر لوگ پولیس کے شبہ سے بچنے کے لئے سوال کرنے پر اپنی ذات کچھ اور بتلاتے ہیں۔

جین متی:۔ جین مذہب کے ماننے والے لوگ بھی اس ضلع میں ایک ا[illegible] اور با اثر فرقے کی حیثیت سے پائے جاتے ہیں اور ان میں بہت سے دولت مند [illegible] صرافی جائداد کے مالک ہیں۔ ان کی تعداد میرٹھ کی کل قسمت میں بہت زیادہ ہے۔